تاریخ بنی ہاشم و بنی امیہ

شیعہ ملٹی میڈیا

مؤلّف

الحاج مولانا محمد ایوب بشوی (ایم اے)

ناشر

ثاقب پبلیکیشنز لاہور پاکستان

www.ShiaMultimedia.com

شیعہ ملٹی میڈیا ڈاٹ کام
مرکزی ویب سائٹ آف عزاداری، پاکستان
شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ کتب ڈاونلوڈ کرنے کے لیے

www.ShiaMultimedia.com

Shop No
M.L. Heights
Soldier Bazar No.2
KARACHI
PH. 7211795

تاریخ بنی ہاشم و بنی امیہ

شیعہ ملٹی میڈیا ڈاٹ کام
مرکزی ویب سائٹ آف عزاداری، پاکستان

مؤلّف

الحاج مولانا محمد ایوب بشوی (ایم اے)

شیعہ ملٹی میڈیا

ناشر

ثاقب پبلیکیشنز لاهور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــــــ تاریخ بنی ہاشم و بنی امیہ

مؤلف ـــــــــــــ مولانا محمد ایوب بشوی (ایم۔اے)

کمپوزنگ ـــــــــــــ محمد کاظم بلتستانی

پرنٹنگ ـــــــــــــ معراج پریس

طبع اوّل ـــــــــــــ جولائی 2001ء

تعداد ـــــــــــــ

قیمت ـــــــــــــ

ملنے کا پتہ

☆ ادارہ "مؤسسۃ الاسلامیۃ" موچی دروازہ لاہور

☆ ثاقب پبلی کیشنز لاہور۔

☆ افتخار بک ڈپو مین بازار اسلام پورہ لاہور۔

☆ العصر اسلامک بک سنٹر اسلام پورہ لاہور۔

☆ مکتبۃ الرضا اردو بازار لاہور۔

☆ مکتبۃ السادات اردو بازار لاہور۔

☆ حق برادرز انار کلی لاہور۔

☆ مولانا شیخ محمد یعقوب بشوی قم مقدس ایران

☆ مولانا شیخ محمد اکبر مشہد مقدس ایران

☆ بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو بلتستان

انتساب

میں اپنی اس پینتیسویں اشاعت کو فرزند زہراؑ بانی انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ الموسوی (الخمینی) اعلیٰ اللہ مقامہ و رہبر معظم، ولی فقیہ، مرجع تشیع جہاں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ (سید علی خامنہ ای) مدظلہ العالی کے نام منسوب کرتا ہوں۔

اے اللہ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ہمیں ان دونوں عظیم ہستیوں کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین ثم آمین)

طالب دعا

محمد ایوب بشوی

عرض ناشر

شکر ہے اس ذات خداوندی کا کہ جس نے ادارہ کو اس عظیم موضوع پر اس اہم کتاب کو چھاپنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ یہ کتاب انتہائی دلچسپ' سلیس اور عام فہم کر کے لکھی گئی ہے تا کہ ہر پڑھنے والا اسے پڑھ کر تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس کرنے کی بجائے لذت اور سکون محسوس کرے۔ ادارہ انتہائی شکر گزار ہے کہ جناب حجتہ الاسلام عالم مجاہد الحاج مولانا محمد ایوب بشوی صاحب ایم اے کا کہ آپ کے دن رات کی کاوش و محنت سے یہ کتاب پائیہ تکمیل کو پہنچی۔ امید ہے کہ قارئین محترم اس کتاب کو پڑھ کر ادارہ کو دعائیں دیں گے اور ساتھ ساتھ ادارہ کی توفیقات خیر میں مزید اضافہ کے لئے دعائیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اے اللہ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام اس ادارہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور مولانا موصوف کی توفیقات خیر میں مزید اضافہ فرمائے۔ تمام معاونین کے کاروبار خیر میں برکت و وسعت عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والسّلام

ثاقب پبلی کیشنز لاہور پاکستان

عرض مؤلف

لاکھ لاکھ شکر ہے اس ذات لم یزل کا کہ جس نے مجھے اس عظیم موضوع پر یہ کتاب پائیہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی اگر اس کی مدد اور توفیق شامل حال نہ ہوتی تو اس کام کو مکمل کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔

زیر نظر کتاب بعنوان **"تاریخ بنی ہاشم و بنی امیہ"** ایک ایسی منفرد سلیس اور نہایت دلچسپ کتاب ہے جسے جتنا زیادہ پڑھا جائے مزید پڑھنے کو دل چاہتا ہے چونکہ اس کتاب کو باقی تاریخی کتابوں سے ذرا ہٹ کر لکھا گیا ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ جیسے خشک موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری اکتا جانے کی بجائے لذت و سکون محسوس کرے اس مقصد میں، میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں یہ تو قارئین محترم ہی فیصلہ کریں گے۔ اے اللہ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ہماری اس سعی کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول و منظور فرمائے اور ہمیں ہر کام خدا کی خوشنودی کے لئے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والسلام

محتاج دعا

محمد ایوب بشوی بلتستانی

فہرست

صفحہ نمبر	موضوعات
۱۰	تاریخ کی تعریف
۱۱	خلیل خدا حضرت ابرہیمؑ کی دعا
۱۳	بنی ہاشم کے امتیازات وخصوصیات
۱۹	بنی ہاشم اور بنی امیہ
۲۱	عبد المطلب اور حرب کے درمیان مقابلہ
۲۱	سب سے بڑی اور آخری شکست
۲۲	مذہبی پستی
۲۵	اسلام اور حضور کی مخالفت
۲۸	اسلام سے پہلے قوم عرب کے حالات
۲۹	اسلام
۳۲	قریش کی مزاحمت
۳۶	یہودیوں کی مزاحمت
۳۹	صحابہ کرامؓ
۴۰	منافقین اور دورخے لوگ
۴۲	رسول خداؐ کے حالات زندگی اور جنگیں
۶۱	۲ھ کے حالات وواقعات

۳ھ کے حالات وواقعات	۷۲
غزوۂ حمراۃ الاسد	۸۲
۴ھ کے حالات وواقعات	۸۳
۵ھ کے حالات وواقعات	۸۹
۶ھ کے حالات وواقعات	۹۹
۷ھ کے حالات وواقعات	۱۰۶
فتح خیبر کا بیان	۱۰۶
8ھ کے حالات وواقعات	۱۱۱
تذکرۂ جنگ ذات السلاسل	۱۱۴
فتح مکہ	۱۱۸
غزوۂ حنین	۱۲۶
۹ھ کے حالات وواقعات	۱۳۱
غزوۂ تبوک	۱۳۲
۱۰ھ کے حالات وواقعات	۱۳۸
یمن میں اسلام:	۱۳۸
واقعۂ مباہلہ	۱۳۹
حجتہ الوداع	۱۴۴
حضورؐ کی آخری لمحات	۱۵۴
واقعۂ قرطاس	۱۵۵

آپؐ کی وصیت	۱۵۶
رسول اکرمؐ کی شہادت	۱۵۶
ازواج رسولؐ	۱۵۸
اولادرسولؐ	۱۵۹
مسئلہ خلافت	۱۶۰
خلفائے راشدین	۱۶۵
حضرت ابوبکرؓ	۱۶۵
حضرت عمرؓ	۱۶۸
حضرت عثمانؓ	۱۷۱
حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام	۱۷۵
امام حسن مجتبیٰؑ کی خلافت	۱۷۷
معاویہ	۱۸۱
یزید	۱۸۶
حضرت امام حسینؑ کی ولادت اورابتدائی زندگی	۱۹۰
۱۱ھ تا ۴۰ھ ناناؐ کی شہادت سے باباؑ کی شہادت تک	۱۹۳
بنی امیہ کا اقتدار اوران کی سیاسی روش	۲۱۷
رسولؐ کے بعد وارثان بنی ہاشم اور وارثان بنی امیہ میں تصادم	۲۲۶
امام حسنؑ کی صلح اوراس کے نتائج	۲۳۰
امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح کی شرائط	۲۳۸

معاویہ کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی	۲۴۰
خلاف ورزی کی چند اہم مثالیں	۲۴۵
یزید کی ولی عہدی	۲۶۶
معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی	۲۷۸
یزید تاریخ کی روشنی میں	۲۸۱
امام حسینؑ کے اخلاق وکمالات اور ارشادات	۲۸۷
امام حسینؑ کے ارشادات	۳۰۰
کیا حسینؑ یزید کی بیعت کرتا؟	۳۱۰
شہادت	۳۱۶
اعلانیہ شہادت	۳۱۷
شہادت کے بعد	۳۱۸
وارثان بنی ہاشم دربار یزید میں	۳۱۹
دربار شام میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ	۳۲۸
یزید کی بیوی کا دربار میں آنا	۳۳۵
امام زین العابدینؑ کا خطاب	۳۳۷
سفیر روم کا یزید سے جھگڑا	۳۴۴
فتح کس کی ہوئی؟ بنی ہاشم کی یا بنی امیہ کی؟	۳۴۵

تاریخ کی تعریف

تاریخ نام ہے اس فن کا جو فطرتوں کے تغیرات' زمانوں کے تاثرات' ممالک اور ملکوں کے واقعات و حالات کی نہ صرف نشان دہی کرے۔ بلکہ ان کی ایسی وضاحت کر دے جو رہتی دنیا تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے سبق آموز اور ذریعہ عبرت ہوں۔

خلیل خدا حضرت ابرہیمؑ کی دعا

حضرت ابراہیم خلیل خدا نے دعا مانگی تھی خداوندا ہم کو مسلم قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایک (امت مسلمہ) قرار دے گویا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی اور پیغمبر اسلامؐ کی بعثت حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ تھی۔ گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمانوں کے جد اعلیٰ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزند تھے۔ اسحاقؑ اور اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سلسلہ بنی اسرائیل کے اور حضرت اسماعیلؑ پیغمبر السلامؐ کے مورث اعلیٰ تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کو جناب ہاجرہ کے ساتھ مصلحت کی بناء پر حضرت ابراہیمؑ نے شیر خوارگی کے عالم میں مکہ کی سرزمین پر پہنچا دیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ خانہ کعبہ کو انہیں دونوں باپ بیٹوں نے مل کر تعمیر کیا تھا جو قیامت تک کے لئے تمام مسلمانوں کی خاطر ایک عظیم مرکز بنا رہے گا۔ اس میں اس واقعہ کی بھی بڑی عظمت ہے کہ جناب ابراہیمؑ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا کہ آپ اسماعیلؑ کو راہ خدا میں ذبح کریں آپ نے ثابت قدمی سے حکم خداوندی پر عمل کیا اگر چہ خدا نے اسماعیلؑ کو بچالیا اور جنت سے دنبہ بھیجا جو کہ ذبح بھی ہو گیا اور آواز قدرت آئی "وفدیناہ بذیح عظیم" ہم نے اسے ذبح عظیم قرار دیا۔ اس واقعہ کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے ہر سال مسلمان کروڑوں جانور ذبح کر کے عید قربان کے روز حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اس عظیم قربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹوں' نابت اور قیدار' کی اولاد حجاز

میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور ہے پیغمبر اسلامؐ انہیں قیدار کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ قیدار کی اولاد میں سے سب سے چھوٹے جناب عبداللہ والد رسول خداؐ تھے۔ قیدار کے کل اکیس بیٹے تھے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ سے عدنان تک اکیس پشت ہوئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریش کا لقب ان اکیس آدمیوں میں سے کس کو ملا؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کنانہ کو۔ بعض کے نزدیک فہر کو لیکن زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ لقب قصی بن کلاب کو ملا۔ قریش تقرش سے ماخوذ ہے۔ جو کہ تجارت اور کسب معاش کے معنی میں ہے۔ چونکہ یہ لوگ اپنی محنت و مشقت اور قوت بازو کی کمائی کو معیار عزت سمجھتے تھے اور عملی طور پر اس کے پابند تھے اس لئے قریش کہلائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ تقرش بمعنی اجتماع سے ماخوذ ہے چونکہ ان لوگوں نے متفرق ہونے کے بعد اجتماعی شکل اختیار کی اس لئے قریش کہے جانے لگے۔ منتشر خاندان کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام قصی نے انجام دیا۔ قصی کی اولاد میں سے عبد مناف اوصاف و کمالات میں اپنے بزرگوں کے حقیقی جانشین تھے۔ اس لئے اپنے باپ کی زندگی میں ہی انہوں نے ملک عرب میں شہرت و امتیاز کا درجہ حاصل کیا۔ عبد مناف کے فرزندوں میں ہاشم جس کا اصل نام عمرو تھا نہایت با اثر اور ممتاز تھے۔ کعبہ کی معزز خدمتیں حاجیوں کی سیرابی اور ضیافت ان کی سپرد کی گئیں جو انہوں نے بہت قابلیت سے انجام دیں۔ ہاشم ان کا لقب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے اہل مکہ کو روٹیوں کے ٹکڑے شوربے میں بھگو کر کھلائے۔ عربی میں ہشم چورا کرنے کو کہتے ہیں۔ ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی مطلب ان کے جانشین بنے اس لئے کہ ہاشم کے فرزند شیبہ اس وقت بہت کم سن تھے۔ جب مطلب کی وفات ہوئی تو ان کی جگہ ان

کے بھتیجے شیبہ نے حاصل کی جو کہ عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔ جو کہ رسول خدا کے دادا تھے۔ یہ شرف، عظمت اور شہرت میں اپنے بزرگوں پر بھی فوقیت لے گئے۔ اور سید البطحیٰ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ہی کے دور میں ابرہہ نے یمن سے آ کر کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے مکہ پر چڑھائی کی۔ لیکن آخر میں ابرہہ کو شکست ہوئی جس کا ذکر سورہ قریش کی شکل میں قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے عبداللہ اور ابو طالب تھے۔ عبداللہ رسول خداؐ کے والد بزرگوار تھے۔ ابو طالب حضرت علیؑ کے والد محترم تھے۔ عبداللہ کا انتقال باپ کے سامنے ہو گیا۔ اس لئے عبدالمطلب کے تمام امتیازات و اختیارات ابو طالب کو حاصل ہوئے۔ ابو طالب شیخ البطحیٰ اور سید القریش کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ اور ان امانتوں کے ساتھ ساتھ جو ابرہیم و اسماعیلؑ کی متروکہ تھیں۔ ایک سب سے بڑی امانت جو ان کی حفاظت میں آئی وہ عبداللہ کے یتیم فرزند محمدؐ کی ذات تھی۔ حضرت محمدؐ کی عمر نوجوانی کی منزل میں تھی کہ آپ کی راستبازی اور امانت داری کو تمام عرب نے تسلیم کرتے ہوئے آپ کو امین کا لقب دے دیا۔ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھوانا شروع کر دیں۔ اہم معاملات میں آپ کے فیصلہ کو قابل قبول سمجھنے لگے۔ جب آپؐ کی عمر بیس سال کی تھی تو قریش میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا۔ جو بے نظر شریفانہ اصول پر مبنی تھا اور اس کی تحریک کا سہرا بنی ہاشم کے سر رہا اس لئے زبیر بن عبدالمطلب اس کے داعی تھے جو کہ حضور اکرمؐ کے چچا تھے۔ جو شخص اس معاہدے کی تفصیل پڑھنا چاہے وہ بڑی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

بنی ہاشم کے امتیازات وخصوصیات

یہاں ہم بنی ہاشم کے کچھ خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ خانہ کعبہ جو تمام عرب کے مذہبی اجتماع کا مرکز ہے وہ تعمیر کیا ہوا ہے ان کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کا جو کہ اب دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز ہے اور قیامت تک رہے گا۔

۲۔ تمام قبائل مضر کی شیرازہ بندی کا فخر ان ہی کو حاصل ہے۔

۳۔ ان کے دادا حضرت اسماعیلؑ نے خدا کی بارگاہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ذبیح اللہ کہلائے۔ پھر عبدالمطلب اور ان کے فرزند جناب عبداللہ نے اسی سبق کو پھر سے دہرا کر ثابت کر دیا کہ قربانی کا جذبہ اس خاندان کا ورثہ ہے۔ جو دنیا کو برابر یاد رہا۔ لہٰذا ان دونوں قربانیوں کی وجہ سے حضور اکرمؐ کو ابن الذبیحین کہتے ہیں۔

۴۔ خانہ کعبہ کے محافظ اور موسم حج کے منتظم ہونے کی حیثیت سے انہیں تمام عرب کی مرکزیت حاصل ہے۔

۵۔ تمام اندرونی اور بیرونی معاملات میں عرب قوم کی قیادت اور نمائندگی ان کا حصہ ہے۔

۶۔ وہ غریبوں کے مددگار اور قحط سالی کے سخت اوقات میں مسکینوں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔

۷۔ وہ تمام عرب والوں کے سید و سردار ہے۔

۸۔ وہ ایک ہی وقت میں میدان جنگ کے شہسوار اور عالم روحانی کے راز دار ہیں۔
جس کا گواہ اصحاب الفیل کے مقابلہ میں عبدالمطلب کا توکل علی اللہ ہے۔

۹۔ انہوں نے مظلوموں کی حمایت اور حق کی طرفداری کا بیڑا اٹھایا اور تمام قریش کی راہنمائی کی تھی۔

یہ ہیں وہ نمایاں خصوصیات جو تاریخی لحاظ سے اس خاندان کے لئے ابھی تک ثابت ہے مگر اب اس مشرق سے وہ آفتاب چمکتا ہے جس کی شعاعیں دنیائے انسانیت کو صبح قیامت تک روشن رکھیں گے۔

ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہونے پر جبکہ دنیا تاریکی کے دور سے گزر رہی تھی جزیرہ نمائے عرب سے یہ سورج طلوع ہوا جس کی ابتدائی کرنیں اگرچہ حجاز کی سرزمین مکہ سے ظاہر ہوئی تھیں مگر آہستہ آہستہ اس کی روشنی شرق و غرب میں پھیل گئی اور دنیا کو روشن کر دیا۔ یہ عالمگیر مذہب اسلام تھا۔ اور خداوندی پیغام پہنچانے کے لئے حضرت محمد مصطفیؐ منتخب ہوئے جن کے ذریعہ سے کائنات کو ایک خدا کے سامنے سر جھکانے کے سبق دیا گیا۔ اور غیر اللہ کی عبادت و پرستش کو مٹانے کا اعلان کیا گیا۔ خواہ وہ پتھر سونے چاندی کے بنے بت ہوں۔ یا گوشت پوست سے بنا ہوا انسان جو خدائی اقتدار کے سامنے اپنی سطوت ہیبت کا سکہ جمانا چاہتا ہو اور خلق خدا کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرے۔

جس وقت رسول اسلام اس تحریک کو لیکر اٹھے اس وقت حضرت علیؑ کی عمر دس سال تھی آپ بھی رسول اکرمؐ کی آغوش تربیت میں تھے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح اور بجا ہے کہ حضرت علیؑ اور اسلام میں وہی وابستگی اور تعلق پیدا ہو گیا جو ایک آغوش میں رہنے والے دو بچوں کے آپس میں ہونا چاہیے۔

حضور اکرمؐ نے چند سال تک خاموشی سے اسلام کی تبلیغ کی اس کے بعد حکم آ گیا۔ وانذر عشیرتک الاقربین. یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کیجئے۔ حضور اکرمؐ نے اس حکم کی تعمیل کے لئے دعوت کا انتظام کر دیا اور تمام اولاد عبدالمطلب کو جمع کر کے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور توحید الٰہی کا پیغام پہنچایا پھر فرمایا تم میں سے کون شخص اس دین کی اشاعت کے سلسلے میں میری مدد کرے گا؟ اس وعدہ پر کہ وہی میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا جانشین قرار پائے گا۔ تمام مجمع خاموش تھا حضرت علیؑ عمر کے اعتبار سے سب سے کم سن تھے مگر آپؑ اٹھ کھڑے ہو گئے اور کہا میں آپ کا اس مہم میں ہر طرح سے مددگار رہوں گا۔ اس وقت رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ بس یہ میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا جانشین ہے۔ تم سب پر اس کی اطاعت لازم وضروری ہے۔ حضرت علیؑ کے مددگار بننے کی وجہ سے اب حضورؐ کی طاقت میں اضافہ ہوا اور کھلم کھلا بت پرستی کی مذمت ہونے لگے جس سے قریش والے آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر آپ کو ایذا اور تکلیف پہنچانے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر آپؐ کے چچا حضرت ابو طالبؑ آپ کے سامنے سینہ سپر تھی جس وجہ سے وہ لوگ کچھ نہ کر سکے۔ آخر کار قریش کا ایک وفد حضرت ابو طالبؑ کے پاس آیا۔ اس میں شیبہ، عتبہ، ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاصی بن ہشام، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے جناب ابو طالبؑ سے کہا تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے۔ ہم کو بے وقوف و احمق ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اس لئے یا تو تم اسے ان باتوں سے روک دو یا اسے ہمارے سپرد کر دو۔ پہلی بار تو حضرت ابو طالبؑ نے ان کو نرمی سے ٹال دیا مگر کچھ عرصہ بعد جب یہ وفد پھر آیا تو حضرت ابو طالبؑ سے بڑی سختی سے کہا اب ہم اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتے یا تو تم انہیں روکو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حضرت ابو طالبؑ نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرمؐ سے کیا۔ جب حضورؐ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا۔ چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے میں سورج لا کر دے دیں تب بھی خدا کی قسم میں اپنی ذمہ داری سے باز نہیں آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یا میں خود اس مشن پر قربان ہو جاؤں گا۔ یہ کہتے کہتے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر جناب ابو طالبؑ کا دل ہل گیا۔ اور کہا اچھا بیٹا جو تمھیں حکم ملا ہے تم اس پر عمل کرتے رہو میں آخر دم تک تمھارا ساتھ دیتا رہوں گا۔ لہٰذا ابو طالبؑ نے حضورؐ کی حفاظت میں کوئی دقیق اٹھا نہ رکھا اور جب تک زندہ رہے رسول کی حفاظت و حمایت کرتے رہے۔ مگر حضرت ابو طالبؑ اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد اہل مکہ کی ایذا رسانیاں حضورؐ کے خلاف بہت بڑھ گئیں۔ اور آپؐ نے ان کے راہ راست پر آنے کی ناامیدی کی وجہ سے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو کہ آپ کا آبائی وطن اور جائے پیدائش تھا چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چونکہ مدینہ والوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے آپ نے اپنے پیروکاروں کو آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف روانہ کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر مکہ والے آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ایک رات کو آپؐ کو آپ کے گھر کے اندر گھیر کر قتل کر ڈالیں۔ جب حضور اسلامؐ کو ان کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو اپنے بستر پر سلا کر آپ راتوں رات مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ حضرت علیؑ ہجرت کی رات حضورؐ کی چادر تان کر حضورؐ کے بستر پر بڑے اطمینان اور آرام سے سو گئے۔ جب کفار مکہ نے نبیؐ کی جگہ علیؑ کو سوتے ہوئے دیکھا تو دھنگ رہ گئے اور حضرت علیؑ سے پوچھا کہ حضورؐ کہاں گئے ہیں؟ تو حضرت علیؑ نے فرمایا کیا تم حضورؐ کو میرے حوالے کر گئے تھے جو کہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ پھر جب مدینہ پہنچنے کے بعد کفار نے فوجی

طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا اور بدر واحد خندق جتنی لڑائیاں ہوئیں تو ان تمام لڑائیوں میں رسول اسلامؐ کی حق وصداقت کی روحانی طاقت کے ساتھ حضرت علیؑ کی تلوار بھی ہر موقع پر اسلام کی فتح مندی کا سبب بنتی رہی۔ اوران تمام جنگوں میں کفار شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یاد رہے ان تمام جنگوں میں ابوسفیان ہمیشہ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش رہے جبکہ علی ابن ابی طالبؑ اسلام کی حمایت میں پیش پیش رہے۔ حضورؐ کی ایک بیٹی تھیں۔ جن کا نام فاطمۃ الزہراؑ تھا حضورؐ ان کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جایا کرتے تھے خدا نے ان کو عظیم مرتبہ اور شرف سے نوازا تھا حضورؐ ان کی بے حد عزت واحترام کیا کرتے تھے آپ نے ان کی شان میں بکثرت حدیثیں بیان فرمائیں۔ ظاہر ہے ایسی عظیم بیٹی کے لئے کوئی ایسا عظیم رشتہ درکار تھا جو شان اور رتبہ کے اعتبار سے فاطمہ زہراؑ کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ ہو۔ یہی وجہ ہے ہر طرف سے رشتے کے پیغامات آتے رہے مگر رسولؐ ان رشتوں کو مسترد کرتے رہے۔ ایک ہی ذات جس کے بارے میں رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ اس رشتہ کے لئے منتخب ہوا اور رسول خداؐ نے فرمایا یہ انتخاب میرا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ ان دونوں عظیم اور مقدس ہستیوں سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ ایک حسنؑ اور دوسرے حسینؑ۔ اب کیا حسینؑ بھلا سکتے تھے اپنے خاندانی خصوصیات اور قربانیوں کو۔ ہرگز نہیں چونکہ حسینؑ جس نسل کی یادگار تھے وہ صدیوں سے قربانی اور فداکاری کی ایک مسلسل تاریخ تیار کر رہی تھی۔ حسینؑ نے دیکھا نہیں مگر سنتے تو رہے۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ بچے جب اپنے بڑوں کے حالات سنتے ہیں تو ان میں بچپن سے ہی ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں بھی ایسے کارنامے سرانجام دینے چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ حسینؑ ابن علیؑ نے اتنی عظیم قربانی راہ خدا میں پیش کی۔ یہ تھا تاریخ انسانیت اور تاریخ اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ جو ہم نے آپ کو

سمجھانے کی کوشش کی۔ اب ہم تاریخ بنی ہاشم اور تاریخ بنی امیہ کو تفصیل سے ذکر کریں گے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ

بنی ہاشم کے مقابلے میں جو نام تاریخ میں نظر آتا ہے وہ بنی امیہ ہے۔ قبیلہ بنی امیہ کی بنی ہاشم سے دشمنی اور مخالفت کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ امیہ کا باپ عبدالشمّس اور بنی ہاشم کا روح رواں حضرت ہاشم دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح کہ انگلی ایک کی دوسرے کی پیشانی سے چسپاں تھی۔ لہٰذا ان کو کاٹ کر الگ الگ کیا گیا جسے خون بہنے لگا۔ اس وقت لوگوں نے اس بات کو بدشگونی سمجھ کر کہا کہ ان کے آپس میں ہمیشہ لڑائی، جھگڑے اور خون ریزیاں ہوتی رہیں گی۔ یہ واقعہ صحیح ہوں یا نہ ہو لیکن اس سے یہ تو ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں کے درمیان کتنی دشمنی چلتی رہی۔ اور کب تک چلی تھی۔ جسے لوگ قدرتی اور ناگزید سمجھنے لگے تھے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والے افراد اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ خود عبدالشمّس اور ہاشم میں کسی قسم کی کوئی لڑائی جھگڑا یا تنازعہ نہیں ہوا۔ البتہ عبدالشمّس کے بعد امیہ کی طرف سے مخالفت کی ابتداء نظر آتی ہے۔ چونکہ امیہ جناب ہاشم سے مقابلہ میں ناکام ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کے دل میں ہاشم کے خلاف دشمنی نے کروٹیں لینی شروع کی تھی۔ مکہ میں سخت پڑا جسے قریش والوں کا بہت برا حال ہوا۔ اسی دوران ہاشم شام چلے گئے وہاں سے بہت آٹا خرید کر روٹیاں لگوائیں اور انہیں اونٹوں پر بار کر کے مکہ لائے اور ان روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان روٹیوں کا چورا کر کے شوربا تیار کرایا اور بڑی بڑی دیگوں میں انڈلوا کر وہ تمام روٹیوں کا چورا ان دیگوں میں ڈلوا دیا۔ اس کھانے کو عربی میں (ثرید) کہتے تھے اس طرح

انہوں نے تمام مکہ کے لوگوں کو سیر کیا۔ اتفاق سے اس کے فوراً بعد بادل آیا۔ بارش ہوئی اور قحط ختم ہوا۔ ہر شخص کہنے لگا کہ بارش جو ہوئی ہے وہ صرف جناب ہاشم کی وجہ سے ہوئی ہے گویا کہ مکہ کے لوگ ہاشم کے بڑے معتقد ہو گئے اور اسی دن سے آپ کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔ ہاشم کا معنی ہے۔ روٹیوں کو چورا کرنے والا۔ ورنہ آپ کا اصل نام تو عمرو تھا۔ امیہ اس زمانے کا دولت مند آدمی تھا جب اسے معلوم ہوا کہ ہاشم نے ایسا کام کیا ہے تو اسے حسد ہوا اور خواہ مخواہ بغرض مقابلہ اس نے بھی جناب ہاشم کی نقل اتارنے کی کوشش کی مگر اس میں اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جس کی وجہ سے وہ قریش میں رسوا اور بدنام ہوا۔ جس میں جناب ہاشم کا کوئی قصور نہ تھا۔ اب قریش والوں نے اسے طعنہ دینا شروع کیا۔ جس سے تنگ آ کر اس نے جناب ہاشم کو مناظرہ کی دعوت دی کہ یہ مناظرہ ایک قسم کا مقابلہ تھا جو اس زمانہ میں عرب میں رائج تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ دو شخص اپنے اپنے کارناموں کو پیش کرتے کسی تیسرے شخص کو حکم بناتے تھے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ صاحب فخر اور صاحب عظمت ہے۔ اس فیصلے کے لئے اس دور میں زیادہ تر کاہنوں کو منتخب کیا کرتے تھے۔ عرب کے دستور کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ کے کاہن کو حکم مقرر کیا گیا۔ پہلے تو حضرت ہاشم اس مقابلے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے مگر تمام لوگوں نے حضرت ہاشم کو بہت مجبور کیا۔ آخر اس شرط پر یہ مقابلہ ہوا کہ شکست کھانے والا فریق اپنے مدمقابل کو پچاس اونٹ سیاہ آنکھوں والے دے دیں گے جسے مکہ میں ذبح کر کے لوگوں کو کھلائے جائیں گا۔ اور دس سال کے لئے وہ مکہ سے جلاوطن ہو جائے گا۔ لہٰذا فیصلہ امیہ کے خلاف ہوا۔ ہاشم کو فتح ہوئی ہاشم نے پچاس اونٹ امیہ سے لیکر ذبح کئے اور اس کا گوشت تمام مکہ والوں کو کھلا دئے۔ فیصلے کے مطابق امیہ کو دس سال کے لئے مکہ سے جلاوطن ہونا پڑا اور وہ اس مدت تک شام میں رہا۔ یہ پہلی دشمنی تھی جو امیہ کی

اولاد کی بنی ہاشم کے مقابلہ میں نسل در نسل برقرار رہی۔

عبدالمطلب اور حرب کے درمیان مقابلہ

معلوم رہے کہ جناب عبدالمطلب حضرت ہاشم کے فرزند تھے اور حرب امیہ کا بیٹا تھا۔ عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ تاریخ میں اس کا نام افرینہ ملتا ہے۔ اسے تجارت میں بڑی ترقی ہوئی اور وہ بہت دولت مند بن گیا حرب بن امیہ نے کچھ لوگوں سے ساز باز کر کے اس کو قتل کرادیا اور اس کا سارا مال لٹوا دیا۔ یہ بات عبدالمطلب کو ناگوار گزری چونکہ اس سے ظلم کی انتہا کر دی گئی تھی۔ عبدالمطلب کو قاتلوں کا پتہ چل گیا ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حرب نے انہیں کہیں چھپا دیا ہے۔ عبدالمطلب نے حرب سے قاتلوں کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا لیکن حرب قاتلوں کو عبدالمطلب کے حوالے کرنے کی بجائے لڑنے پر امادہ ہوگیا۔ جس وجہ سے پھر نفیل کاہن کو حکم بنا دیا تو فیصلہ عبدالمطلب کے حق میں اور حرب کے خلاف ہوا۔ اور حرب کو اونٹ خون بہا یہودی کے وارثوں کو دینا پڑا اور تمام لوٹا ہوا مال بھی واپس کرنا پڑا۔ لیکن کچھ چیزیں جو نہیں ملی تھیں۔ وہ عبدالمطلب نے اپنے مال سے دے دیا گویا کہ یہ بنی امیہ کی دوسری شکست تھی بنی ہاشم کے مقابلے میں جس کی وجہ سے دشمنی کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی چلی گئی۔ بنی امیہ ہمیشہ بنی ہاشم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا تھا مگر اس مقصد میں انہیں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

سب سے بڑی اور آخری شکست

سب سے بڑی اور آخری شکست بنی امیہ کو یہ ہوئی کہ حضرت محمد بھی اٹھے تو بنی

ہاشم سے جسے بنی امیہ اپنی شکست اور بنی ہاشم کی فتح خیال کرتا تھا اس لئے حضور اکرمؐ کی سب سے زیادہ مخالفت بنی امیہ نے کی مگر اس میں بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

مذہبی پستی

مذہبی اعتبار سے عرب والے نہایت پستی میں تھے۔ ان میں کوئی مشترکہ مذہب نہ تھا کوئی جماعت ستاروں کی پرستش کرتی تھی تو کوئی چاند کی۔ کوئی سورج کی تو کوئی پتھروں کی یہی وجہ تھی کہ خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے جن میں سے ایک ایک دن ہر بت کی پرستش کی جاتی تھی چونکہ عربی سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جو مذہب رائج تھے وہ مندرجہ ذیل تھے۔ (۱) یہود۔ (۲) مجوس۔ (۳) نصاریٰ لیکن یہ تمام مذاہب والے بھی بت پرستی کے شکار تھے۔ برے اعمال، دوسرے لوگوں سے نفرت، آپس میں خون ریزی، ایک دوسرے کے حقوق کا غصب کرنا، رواداری کا مفقود ہونا وغیرہ ایسی بہت سی برائیاں ان لوگوں میں رائج تھیں۔ اس لئے فطرت انسانی کا یہ تقاضا تھا کہ کوئی ایسی شخصیت آجائے اور انہیں ان تمام برائیوں سے نجات دلائے۔ عین اسی وقت محمدؐ ابن عبداللہ ایک عظیم انقلاب کا پیغام لیکر تشریف لائے اور وہ انقلاب تھا اسلام۔ آپؐ کا کام یقیناً بہت سخت اور دشوار تھا۔ چونکہ آپ کا کام صرف ان وحشی لوگوں کو متمدن بنانا نہ تھا بلکہ اس بگڑی ہوئی سماجی کیفیت کو بھی سدھارنا تھا۔ اور ان تمام باطل عقائد و توہمات کو غلط روایات غیر انسانی رسم و رواج کو ان کے دلوں سے ختم کرنا تھا جو کہ ان لوگوں کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور رسول معظمؐ کو یہ سب کچھ اپنے کردار کے ذریعے سے انہیں سمجھانا تھا۔ ان کے علاوہ بھی اسلام کو ان کی بہت ساری دوسری برائیوں سے بھی برسرِ پیکار ہونا پڑا۔ مثلاً شراب پلانے کو سخاوت کی علامت سمجھتے تھے اسلام اور حضور اسلامؐ نے قمار

بازی بند کر دی اور بھی بہت سارے جرائم کو چھوڑنے کا حکم دیا جبکہ عرب اس کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسلام ایک ایسی دنیا کے لئے جو پجاریوں کے قبضہ' اقتدار اور دولت مندوں کے زیر حکومت مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی۔ پیغام آزادی لیکر آیا اسلام نے ایک پیغام آزادی سنایا۔ حریت و مساوات اور انسانی برادری کی تلقین کی اور تاریخ انسانی میں پہلے پہل شہری دور انسانی حقوق پورے طور پر عام انسانوں کو بالعموم عطا کئے۔ جس سے وہ سب قومیت' رنگ یا جنس کے یا بسبب غربت و فلاکت کے محروم تھے۔ غرباء مظلوم اور عام انسانوں کے طبقہ کو جواب تک بڑی بے دردی سے پیسا جا رہا تھا نئی امیدوں اور ان کے انسان ہونے کا نیا احساس عطا کیا۔ یہ تھے وہ قیمتی خیالات جن کو اسلام عرب والوں کی زندگی میں داخل کرنا چاہتا تھا اور عربوں کی وساطت سے تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانا چاہتا تھا جس کے پہنچانے میں اسلام کامیاب ہو گیا تھا اور لوگوں میں ایک ذہنی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا ایک عظیم کارنامہ تھا اور انسانیت پر ایک عظیم احسان بھی تھا۔ کہ اسلام نے ان کو عدل و انصاف' مساوات بھائی چارہ' رواداری' احترام انسانیت' حدود و قیود کی پابندی ایک دوسرے کے حقوق کا درس دیا اور یہ بات بھی لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دی کہ بڑا انسان وہی بن سکتا ہے جس میں یہ تمام اوصاف حمیدہ موجود ہوں ان اوصاف حمیدہ کے اپنے اندر پیدا کئے بغیر کوئی بھی شخص اعلیٰ انسان نہیں بن سکتا لہٰذا سوائے اسلام کے دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہ تھا جن میں ان باتوں کی طرف اتنی زیادہ توجہ دے کر ان پر عمل کرنے کی اتنی زیادہ تاکید کی گئی ہو۔ اس کے علاوہ اسلام نے لوگوں کو یہ بھی شعور اور احساس دیا تھا کہ وہ سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ افراد انسانی میں احساس اخوت و مساوات پیدا ہونا لازمی ہے۔ جب ایک باپ کے بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور سب ایک مورث اعلیٰ کی اولاد ہیں اور جب ایک سرزمین کے رہنے والے اپنی مادر وطن کے لحاظ

سے آپس میں اخوت محسوس کرتے ہیں اور ایک سمت کے رہنے والے اپنے میں یکجہتی کا تصور کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک خالق کے بندے سب آپس میں بھائی نہ بن جائیں۔ یہ تھا وہ عملی سبق جو توحید اسلام میں مضمر تھا۔ بعض مذہب والوں نے خالق کے تخیل میں بھی مغائرت برتی تھی۔ کہتے تھے ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ اسلام نے ایسے خیالات کی مخالفت کی اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو یہ نہیں کہا کہ تم اللہ کے سب کچھ ہو۔ بلکہ مسلمانوں کو اقوام عالم کے مقابلہ اس بات کی تعلیم دی کہ ''هو ربنا و ربكم لنا اعمالنا ولكم اعمالكم'' وہ ہمارا بھی پروردگار تمہارا بھی۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اس طرح اسلام نے سب کو مساوات کا درجہ دیتے ہوئے ایک معیار امتیاز کا بھی قائم کر دیا اور وہ امتیاز انسانی کردار ہے۔ گویا کہ جس کا کردار سب سے اعلیٰ ہو وہی سب سے اچھا اور بہتر انسان ہے۔ ان اكرمكم عند الله اتقكم. مسلمانوں کو بھی یہ سمجھا دی کہ تم اس صرف اس بات سے خوش نہ ہو کہ تم مسلمان ہو جیسے اعمال کرو گے ویسا ہی جزاء وسزا ملے گی۔ مسلمان وہ ہے جو احکام خداوندی کے سامنے سرنگون ہو جائے سرکشی مسلمان کی شان نہیں۔ تم اللہ کے دوست تب بن سکتے ہو کہ جب تم اس کے احکام پر عمل کریں ورنہ اس کی رحمت کا حقدار نہیں۔

چونکہ ذات اور اہلیت کے لحاظ سے سب انسان ایک ہی ہیں۔ ''خلقكم من نفس واحدة'' اس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا۔ قبائل اور اقوام ان کی تعمیر صرف تعارف اور شناخت کے لئے ہے۔ وجعلنا كم شعوبا و قبائل لستعار فوا. ہم نے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے قرار دیا کہ آپس میں شناسائی پیدا ہو۔ مگر فضیلت و بزرگی کا تعلق ذات اور قومیت سے ہرگز نہیں۔ قریش کو غیر قریش اور عرب کو غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت و بزرگی صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے

ہے۔یعنی انسان کے اعمال اور کردار کی بلندی کی وجہ سے حاصل ہے۔''ان اکر مکم عنداللہ اتقکم'' تم میں اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہو۔اسلامی قانون میں شاہ وگدا' امیر وغریب' گورا اور کالا عرب اور عجم۔سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں اس سلسلے میں سب سے عظیم مثال جناب بلال حبشی کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بلال حبشی کو بحکم خدا موذن مقرر کیا تو لوگوں نے ناگوارگی محسوس کی اور کہا یہ کالے رنگ کا غلام بھی کیا اس قابل ہے کہ وہ اذان دے تو اسی وقت قرآن کی یہ آیت اتری۔یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی. اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہیں۔یعنی سب آپس میں یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔پس عزیزان محترم یہی وہ باتیں اور چیزیں تھیں جنہیں دیکھ کر لوگ گروہ در گروہ اسلام قبول کر رہے تھے۔

اسلام اور حضورؐ کی مخالفت

حضور اکرمؐ جو لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے رہے تھے وہ سب لوگوں کی بھلائی کے لئے تھی اور اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں جو تبدیلیاں کی تھیں ان سے بہت سے لوگوں کو ذاتی نقصانات پہنچ رہے تھے۔یہ نقصانات مالی بھی تھے اور وجاہت واقتدار کے بھی۔مثلاً اسلام نے سود خوری کو ممنوع قرار دیا۔اس کے علاوہ اسلام کی یہ تعلیم کہ افراد انسانی میں امتیاز صرف اخلاق حسنہ اور فرائض کی بجا آوری کی بنا پر ہے۔لہٰذا جہاں ان لوگوں کو مالی نقصانات پہنچ رہے تھے وہاں ان لوگوں کے اقتدار پر بھی کاری ضرب تھی جو سود کی شکل میں غریبوں کے خون چوس رہے تھے اور اس پر شرکت غیرے اقتدار پر براجمان تھے۔جو خلق خدا کو خدا کے بدلے اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔بنی امیہ کے لئے ان تمام

محرکات کے علاوہ ان کی دیرینہ دشمنی اور رشک وحسد بھی بنی ہاشم کے ساتھ تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے سربراہ ابوسفیان نے تقریباً تمام عرب والوں کو حضورؐ کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔ آپؐ کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دی جانے لگیں۔ جسم پر پتھر مارے، سر مقدس پر کوڑا پھینکا، نجاستیں ڈالی گئیں اور قتل کی دھمکیاں دی گئیں یہاں تک کہ جب خطرہ زیادہ بڑھ گیا تو حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کو اپنے ایک محفوظ مکان میں جو پہاڑ کی گھاٹی میں ایک قلعہ کی صورت میں تھا میں منتقل کر دیا اب تمام قریش نے مل کر ایک معاہدہ تحریر کیا جس کی بناء پر بنی ہاشم والوں کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کر دئے۔ یہاں تکہ کہ محصورین تک ضروریات زندگی، پانی اور کھانے تک پہنچانا تقریباً غیر ممکن بنا دیا۔ یہ واقعہ حضورؐ کی بعثت کے ساتویں سال کا ہے۔ جو چار سال تک جاری رہا۔ یاد رہے ان ایام میں حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کا بھرپور ساتھ دیا۔ چار سال کے بعد یہ لوگ قلعہ سے باہر نکل آئے۔ معلوم رہے کہ اس واقعہ کو شعب ابوطالبؑ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ابھی ایک سال کا عرصہ گذرا تھا کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ محسنۂ اسلام وانسانیت اور حضرت ابوطالب محسن انسانیت دونوں انتقال فرما گئے۔ حضورؐ نے اس سال کا نام عالم الحزن یعنی غم کا سال رکھا۔ ان کی وفات کے بعد کفار قریش نے پھر حضورؐ کی مخالفت بہت زیادہ کی۔ اب اسلام کی روشنی مدینہ تک پھیلی تھیں اہل مدینہ نے حضورؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپؐ نے بہت سے مسلمانوں کو مدینہ بھیج دیا۔ تو اب مشرکین نے آپ کو قتل کرنے کا مکمل منصوبہ بنایا تو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ شب ہجرت حضورؐ نے اپنے بستر پر مولائے کائنات امیر المومنینؑ کو سلا دیا۔ آپ کے بستر پر تلواروں کے سائے میں علی ابن ابی طالبؑ سو گئے۔ مولائے کائنات نے حضورؐ سے عرض کی یا رسول

اللہ کیا آپ کے بستر پر میرے سونے سے آپ کی جان بچ جائے گی؟ یہ سوال ہمیں بتا رہا ہے کہ علیؑ کو رسولؐ کے ساتھ کتنی زیادہ محبت تھی۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ لیکن اے علیؑ آج کی شب بستر رسول پر علیؑ بن کر نہیں بلکہ رسولؐ بن کر سونا ہے۔ بحر صورت رسولؐ علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے مدینہ میں آ کر بھی مخالفین نے آپ کو چین سے رہنے نہ دیا ایک تو ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے تھے اور جو مجبوراً مکہ میں رہ گئے تھے طرح طرح کی تکلیف پہنچائیں۔

دوسری طرف آپ کے جائے پناہ مدینہ منورہ پر فوج کشی کے انتظامات ہونے لگے۔ آپ کو مجبوراً ان لوگوں کے مقابلے میں میدان میں آنا پڑا۔ سب سے پہلی جنگ جو مدینہ میں آ کر ہوئی وہ بدر کی لڑائی تھی۔ اس جنگ کے لئے مسلمان بالکل تیار نہ تھے نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔ صرف تین سو تیرہ آدمی جن کے پاس صرف تین گھوڑے تھے۔ اور چند تلواریں۔ مگر اللہ کی مدد سے بنی ہاشم کی تلوار نے بنی امیہ والوں کے دانت کھٹے کر دئے ان کی تعداد بھی ایک ہزار تھی اور اچھے ہتھیاروں سے بھی لیس تھے۔ خصوصاً حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ، جناب حمزہ ابن عبدالمطلب، عبیدہ ابن حارث نے وہ نمایاں کارنامے دکھلائے کہ مخالفوں کی ہمت پست ہوئی اگرچہ بنی ہاشم کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ جناب عبیدہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ لیکن بنی امیہ کو بہت نقصان اٹھانا پڑا اس جنگ بدر میں لعابوسفیان کا ایک بیٹا حنظلہ کو حضرت علیؑ نے واصل جہنم کیا دوسرا بیٹا عمرو کو قید کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو بھی اس جنگ سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا اس جنگ میں ہندہ کا باپ عتبہ۔ اس کا چچا شیبہ اور اس کا بھائی عتیبہ سب واصل جہنم ہو گئے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے عہد کیا کہ میں اس وقت تک نہاؤں گا نہیں جب تک رسولؐ پر چڑھائی نہ کروں۔

اسلام سے پہلے قوم عرب کے حالات

اسلام سے پہلے عرب دو بڑے خاندانوں میں تشکیل پا چکے تھے (۱) قحطان (۲) عدنان سب عربی قبائل کا تعلق انہی دو سے تھا۔ قحطانیوں کا بہت بڑا حصہ مسیحیت کا پیروکار تھا اور بحران نجران یا بحرین شام اور عراق میں سکونت پذیر تھا اور کچھ حصہ بت پرست تھا اوس وخزرج دو قبیلے جو یثرب میں رہائش رکھتے تھے۔ اسی میں سے تھے۔ عدنانی جنہوں نے اعلان اسلام کے بعد دنیائے عرب کی رہبری کی باگ دوڑ سنبھالی تھی آغاز سے ہی دین حنیف کے پیرو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے لیکن بعد میں عمرو بن لحی نے ایک بت لاکر بیت اللہ میں رکھ دیا اور عدنانیوں کو بت پرست بنا دیا پھر کیا تھا دوسرے بت بھی لائے جانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے عبادت خانہ بت خانہ میں تبدیل ہوگیا۔ عجیب بات تھی کہ باوجود شدید عربی تعصب کے عدنانیوں کی طرف سے عمرو بن لحی کی بدعت کے مقابلے میں کوئی ردعمل نہ ہوا بلکہ سب بت پرستی پر سرخم ہو گئے اور بت پرستی ایک رسمی مذہب بن گئی عمرو نے کچھ اور بدعتیں بھی اپنی طرف سے یادگار چھوڑیں جن کی پذیرائی ہوئی۔ قرآن مجید نے بھی ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا بھی ایک بدعت تھی جو عربوں میں مقبول ہوئی اور اس کے خلاف کوئی ردعمل نہ ہوا۔ قریش کی عورتوں علاوہ عربی خاندانوں کی عورتوں کا بیت اللہ کے ارد گرد عریاں طواف کرنے کی بدعت رواج پذیر تھی۔

۹ ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا مناسک حج کا حصہ ہے۔ لیکن قریش کے لئے اس کا ساقط ہونا بھی پسندیدہ بدعت تھی تکمیل اسلام کے بعد بھی ہم اس قسم کی بدعتیں دیکھ رہے

ہیں۔ جو بڑی مقبول ہیں مثلاً نماز تراویح، حرمت متعہ وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدنانی جدت پرست تھے اور جدید افکار کی پیروی میں تعصب سے کام نہیں لیتے تھے۔ لیکن یہاں ایک تضاد نظر آتا ہے اور ایسا سوال پیدا ہوتا ہے جو معاشرہ کے مشکل سوالات میں سے ہے اور کسی حد تک لاینحل بھی کہ اگر عدنانی حق پرست تھے تو اسلام کو ان کی طرف سے شدید مزاحمتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا جبکہ خود پیغمبرؐ اسلام بھی عدنانی تھے اور انہی کے ہم زبان اور ہم شہر بھی؟ عمرو بن لحی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کون سا امتیاز حاصل تھا کہ اس کا بت پرستی کا مذہب مورد قبول ہوا اور دین پیغمبرؐ اسلام کو رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عربی تعصب وہاں تو خاموش رہا اور یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں جاگ اٹھا۔

اسلام

بشریت کے تاریک ترین زمانہ میں ایک عظیم اور پختہ ارادے والا ندا کا رنجات بشر کے لئے اٹھا اس نے اپنی تمام قوتیں اس راہ میں صرف کر دیں۔ اپنی ہر شے سے دست بردار ہو گیا اور حتیٰ کہ اپنی ہستی کو بھی قربان کر دیا۔

یہ حضرت محمدؐ تھے جو وحدانیت اور یگانہ پرستی کی دعوت کے لئے ڈٹ گئے۔ جنہوں نے ہدایت بشر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ جنہوں نے ظلم وستم کا مقابلہ کرتے ہوئے ستمگری کے بدنما چہرہ سے نقاب نوچ لیا۔ جنہوں نے بشریت کو وہ بہترین تحفہ دیا جو چشم بشر نے نہ پہلے دیکھا تھا نہ دیکھے گی اور گوش بشر نے اس سے برتر نہ سنا تھا نہ سنے گا۔ اس عظیم ہستی کا تحفہ انسان کو خوش بختی کی راہ دکھانا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت تھی جو ہر

شعبہ زندگی کے ہر زمانہ میں فرد و معاشرہ کی خوش بختی کی راہ تھی اس کا نام انہوں نے اسلام رکھا۔ اسلام یعنی ہمیشہ کی آسائش، ہمیشہ بہتر زندگی، زندگی میں خوش رہنا اور موت کے بعد بھی خوش رہنا۔ اسلام اس لئے آیا کہ جھوٹ وفریب کا قلع قمع کردے۔ فقر واحتیاج کو اکھاڑ پھینکے۔ بشر سے انسان بنائے تاکہ اسے خود پسندی اور حیوانیت سے بالاتر کردے۔ اسے خوبیوں اور نیکیوں سے آراستہ کردے۔ اسلام آیا تاکہ نسل پرستی کو ختم کردے اور انسان سے ہر قسم کے تعصب کو خواہ وہ خاندان پرستی کا ہو، قبیلہ پرستی کا ہو یا باطل دین پرستی کا ختم کردے کیونکہ وہ ناپسندیدہ ہے اور انسانیت کے ساتھ سازگار نہیں کیونکہ تعصب خود پرستی سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ راہ حق میں ہو۔ حق دوستی اس وقت تک پسندیدہ ہے جب تک حق کی حمایت کے لئے ہو نہ کہ خودنمائی کے لئے حق کی طرف سے اس لئے دفاع کہ میرا دین ہے میرا آئین ہے میرے باپ کی میراث ہے۔ میرے اقرباء واحباب کا پسندیدہ ہے، خود پرستی ہے یہ دفاع اس وقت پسندیدہ ہے جب حق اور صرف حق کے لئے ہو میں حق کے لئے ہو نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ اسلام نے طبقاتی نظام کو ختم کرکے مساوات و برابری کے آئین کو جاری کیا۔ طبقاتی برتری، سرمایہ داری اور ڈکٹیٹر شپ کو بے قدر کردیا۔

اسلام اس لئے آیا کہ بشر کو پاک کرے اور خواہشات وغضب کی سرداری کو اس کے مغز سے دور کرکے اس عدل وانصاف کو اس کی جگہ جاگزیں کرے۔ اسلام اس لئے آیا کہ بت پرست کو خدا پرست بنائے اور جو شخص اپنے آپ کو ایک فرد استثنائی سمجھتا ہے اسے خطا کار کہے، سیاہ بختوں کو نیک بخت کرکے ذلیل وخوار کو باوقار، کمزور کو توانا اور معاشرے کے بیمار پیکر کا علاج کرسکے۔ اسلام نے کسی پر جبر نہیں کی اور نہ ہی جبری دعوت دی ہے۔ اسی طرح مال کا لالچ دے کر بھی دعوت نہیں دی بلکہ اس نے سچائی اور درستی کی

دعوت دی ہے اور اس درستگی کا آغاز اندر ذات سے کیا کیونکہ یہ کام طاقت واذیت سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس طرح ناممکن ومحال ہے۔ اسلام محبت سے ظاہر ہوا، محبت سے بڑھا، دشمن کے ساتھ بھی ویسی ہی مہربانی کی جیسی دوست کے ساتھ کیونکہ وہ دونوں کی خوش بختی چاہتا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت کے پیغمبر تھے اور رحمت کے رسولؐ۔ محبت کے ساتھ دعوت اسلام کا پیغام لے کر اٹھے اور اس راہ میں اتنی تکالیف اور مشکلات اٹھائیں کہ خود فرماتے ہیں ''کسی پیغمبر نے میری طرح رنج وتکلیف نہیں اٹھائی'' اگر آپؐ قہر وغلبہ کے پیغمبر ہوتے تو اس طرح رنج والم سے دوچار نہ ہوتے۔ سب لوگ آپؐ سے ڈرتے تھے دوست ہوں یا دشمن اور اسی طرح سب لوگ آپؐ کی خوشنودی و رضا کے طلبگار ہوتے تھے اگر آپؐ کی دعوت اسلام بذریعہ طاقت ہوتی تو کوئی تکلیف نہ اٹھاتے بلکہ در پے آزار لوگوں کو ناکام بنا کر نابود کر سکتے تھے اچانک حملوں یا خفیہ قتلوں سے سرداران قریش کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے تھے مکہ کو مسخر کر سکتے تھے اور بت پرستوں کے حیلے بہانوں کا جواب دے سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا کیونکہ وہ مہر محبت کے پیغمبر ہے نہ کہ قہر کے۔ انہوں نے اس وقت تک تلوار کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا جب تک ان کے سامنے تلوار نہیں سونتی گئی یا تلوار اٹھانا ہی محبت بشریت کا تقاضا تھا تلوار نہ اٹھانا انسان کے ساتھ دشمنی کے مترادف تھا۔ آپؐ نے اتنے رنج اٹھائے، اتنی تلخیاں برداشت کیں کہ صحیح وسالم ہونے کے باوجود زیادہ عمر زندہ نہ رہ سکے اور ان کی ظاہری زندگی جلدی ختم ہوگئی۔ آپؐ سب کے لئے بہتر زندگی کے خواہاں تھے نہ کہ صرف اپنے لئے۔ ان کی عقلی و فکری سطح اس سے بلند وبرتر تھی کہ وہ صرف اپنے لئے بہتر زندگی کی تگ ودو کریں اس کے باوجود کہ آپؐ کی سطح عقلی، فکری اور انسانی عالی ترین درجہ پر تھی آپؐ اپنی ذات کے لئے کسی امتیاز کے خواہاں نہیں ہوئے لوگوں کی جہالت اور نادانی سے آزردہ خاطر نہیں

ہوئے بلکہ ان کی جہالت کو بارگاہ ایزدی میں بہانہ بنا کر ان کے لئے ہدایت کی دعا فرماتے تھے۔ سفر ہو یا گھر جنگ ہو یا صلح، وہ ہر جگہ مہربان تھے اور اس کا صلہ جو لوگوں سے مانگا وہ بھی محبت ہی تھی اور بس اور یہ جزا و صلہ خود لوگوں کے فائدہ اور محبت کے لئے تھا تو کیا یہ صلہ آپ کو دیا گیا؟ اور ان کی محبت کا جواب محبت سے دیا گیا؟

قریش کی مزاحمت

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی دعوت کا آغاز محبت سے فرمایا اور مبنی بر مہر و محبت تعلیمات دنیائے بشریت کے لئے ارزاں فرما کر پیغمبر محبت اور رحمت اللعالمین کے لقب سے ملقب ہوئے لیکن یہ تعلیمات اسلام دو طبقوں کو نہایت شق اور گراں گزریں (۱) قریش (۲) یہودی۔ یہ دونوں گروہ بڑی شدت سے اسلام کی پیش رفت کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے محبت الٰہیہ کے جواب میں قہر و تر شروئی اور دعوت حق کے مقابلے میں سختیوں کا اظہار کیا۔ اگر ان دو گروہوں اور ان کے حلیفوں کی ماجراجوئی آڑے نہ آتی تو بڑی تیزی سے پورا جہاں اسلام کے زیر اثر قرار پاتا اور تمام عالم میں عدل آسمانی بپا ہو جاتا۔ قریش اپنے آپ کو ایک منفرد اور ممتاز طبقہ سمجھتے تھے اور اسی لئے اپنے واسطے ایک استثنائی شخصیت کے قائل تھے شاید اس لئے کہ وہ عرب تھے یا قریش تھے یا مکہ کے مقدس شہر کے باسی تھے یا خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے یا آقا زادے اور نسل حضرت اسماعیلؑ سے شمار ہوتے تھے۔ قریش کا مذہب بت پرستی تھا سوائے چند لوگوں کے وہ سب بت پرست تھے اور خود پرست بھی۔ اسلام خدا پرستی کی دعوت دیتا ہے اور بت پرستی اور خود پرستی سے مقابلہ کرتا ہے۔ عربوں کا دماغ کئی قسم کے تعصبات کی آماجگاہ تھا مثلاً خاندانی تعصب، ملی تعصب، علاقائی

تعصب اور دیگر تعصبات حقیقت میں تعصب خود پرستی سے پیدا ہوتا ہے اور متعصب آدمی اپنی آن کے لئے غیر معمولی اہمیت کا قائل ہوتا ہے اپنی نسل کو برترین نسل سمجھتا ہے۔ اپنے شہر و دیار، اپنے قبیلہ و خاندان، اپنی زبان و مذہب اور کام کو برتر سمجھتا ہے اور کسی طرح بھی دوسرے کی برتری کو قبول نہیں کرتا۔ ابوجہل سے کہا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسا سمجھتے ہو؟ اس نے کہا راست گو، درستگار، پاکدامن حتیٰ کہ کوئی ناپسندیدہ خصلت ان کے اندر نہیں پاتا تو ان لوگوں نے کہا پھر ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے ہو تو کہنے لگا ہم بنو مخزوم بنو عبد مناف کے ساتھ برابری رکھتے تھے انہوں نے شجاعت کا مظاہرہ کیا تو ہم نے بھی کیا۔ انہوں نے سخاوت و جوانمردی کی تو ہم نے بھی کی غرضیکہ انہوں نے جو خوبی کی ہم نے بھی انجام دی اور کمتری کا شکار نہ ہوئے لہٰذا اب مناسب نہیں کہ ان میں سے پیغمبر ہو اور ہم مخزومی اپنے میں سے پیغمبر نہ رکھتے ہوں۔ اسلام نے ہر قسم کے تعصب کے خلاف جہاد کیا، خود پرستی، نسل پرستی اور علاقہ پرستی کو للکارا۔ خدا پرستی اور انسانیت کی دعوت دی ثروت و زر پرستی کو ٹھکرا کر خدا کی طرف دعوت دی عرب کے ثروت مند اور سرداران قبائل اپنے لئے کئی امتیازات کے قائل تھے اور قریش تو سراپا امتیازات تھے۔ جہالت و نادانی، انتقام طلبی اور غارتگری جہاں عرب کو گھیرے ہوئے تھی۔ عرب علم و ثقافت کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ اگر کسی قبیلہ سے کوئی فرد قتل ہو جاتا تو قاتل قبیلہ کا مال، جان، مرد، عورت، سبھی مقتول کے خاندان کے ہر فرد کے لئے مباح اور روا تھے۔ یہی قانون تھا جنگ بسوس جو کئی سال تک جاری رہی عربوں کے اسی وحشیانہ انتقام کا نمونہ تھی۔ قرآن حکیم نے اس زمانہ کو جو دور جاہلیت کا نام دیا ہے بلاوجہ نہیں تھا۔ عرب غارتگری، دوسروں کے حقوق کی پامالی پر فخر کرتے تھے۔ اسلام ایسے ماحول میں ظاہر ہوا اور ایسے لوگوں کے ساتھ اس کا واسطہ پڑا جو اسلام کے شخصی امتیازات کو ختم کرنے جہالت و نادانی کو نابود کرنے۔ تعصب کو اکھاڑ پھینکنے،

غارتگری کو بے دست و پا کر کے بٹھانے اور عفو و درگزر کو انتقام کی جگہ رائج کرنے کے لئے آیا تھا اس کے مقابلہ میں قریش کی طرف سے سب سے پہلی مخالفت حرمت بت پرستی کے دفاع کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ بت پرستی کیا ہے اپنے سے گھٹیا درجہ کی مخلوق کے سامنے انسان کی عاجزی اور انکساری کا نام ہے۔ خواہ وہ پتھر ہو یا درخت گائے ہو یا آگ، اسلام کی دعوت مساوات، متکبرین کے ساتھ اس کا مقابلہ، بے نواؤں اور مستضعفوں کے حقوق کی طرف سے دفاع، مظلوموں اور زحمت کشوں کی نجات کے لئے اس کی بپا خواستگی قریش کو قطعاً پسند نہ تھی۔ چنانچہ عربوں نے اسلام کے مقابلے میں جتھ بندی کی تو قریش اس کی صف اول میں آن کھڑے ہوئے۔ تعجب تو یہ ہے کہ اسلام عرب سے اٹھا مگر عربوں نے اس کا استقبال نہ کیا لیکن دیگر مذاہب جو آج کل دوسروں میں ظاہر ہوئے یا ہو رہے ہیں مورد استقبال قرار پاتے ہیں کیوں؟ پیغمبر اسلام ؐ اگر عرب و قریش سے نہ ہوتے تو عرب کیا کرتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال مکہ میں دعوت اسلام دی۔ بہت کوشش کی، تکلیفیں برداشت کیں، ناروا باتیں سنیں لیکن سرداران قریش میں سے نہ تو کوئی بت پرستی سے دست بردار ہوا اور نہ ہی آپ ؐ پر ایمان لایا۔ چند مادی لحاظ سے فقیر و بے نوا افراد جو ایمان لائے وہ بھی قریش کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنے تو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ آخر کار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مکہ میں نہ ٹھہر سکے اور بحکم خدا مدینہ ہجرت فرما گئے قریش پھر بھی ان کی دشمنی اور اسلام کی عداوت و مقابلے سے دست بردار نہ ہوئے بلکہ آپ ؐ کے ساتھ برسرپیکار ہو گئے اور خطرناک جنگوں کا آغاز کر دیا۔ انجام کار پیغمبر اسلام ؐ نے تاریخ کے بہترین فوجی شاہکار کے ذریعہ بغیر کشت و خون کے شہر مکہ کو فتح کر لیا اور بت پرستی اور ظلم و خود پرستی کا مرکز سرنگوں ہو گیا۔ اس دن سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منادی کی آواز

کو سنا جو کہہ رہا تھا ''آج فتح مکہ کا دن'' محبت، دوستی اور امن و آشتی کا دن ہے'' پھر خطہ عرب قدرت حق کے سامنے سر تسلیم ہوگیا۔ بت پرستی ہمیشہ کے لئے عربوں سے رخصت اور شہر مکہ جو بت پرستی کا ٹھکانا تھا خدا پرستی کا مرکز بن گیا۔ آپ کی کامیابی مقصد کی کامیابی تھی نہ کہ شخص کی کیونکہ آپ اس کامیابی سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں رکھتے تھے چنانچہ نہ دشمن سے انتقام لیا نہ فتح مندی کی یادگار قائم کی نہ کامیابی کا محل تعمیر کیا اپنے آپ کو فاتح نہ کہا۔ فتح کے دن جشن عمومی منانے کا اعلان نہ کیا۔ محفل منعقد نہ کی تا کہ شعراء آپ کی ستائش میں قصیدے پڑھیں اور دوسرے لوگ مبارکبادیاں پیش کریں اور تحائف لائیں۔ اگر پیغمبر اپنی دعوت اسلام سے دست بردار ہو جاتے تو امیر اور ثروت مند بن جاتے ان کے بے انتہا مقاصد بر آتے اور رسول اسلام کی بجائے شاہ عرب بن جاتے۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ اس دعوت خدا پرستی سے دست بردار ہو جایئے آپ کو رئیس شہر، مالدار اور ثروت مند بنا دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ شکست کے بعد قریشیوں نے آپ کے خلاف کینہ دل میں رکھا اور موقع ملنے پر بڑی بے رحمی سے آپ سے انتقام لیا۔ انہوں نے جامہ اسلام اوڑھ لیا۔ اسلام کے نام سے اسلام کو پامال کیا اور جو کر سکتے تھے کیا۔ آپ کی اولاد تہ تیغ کیا، آپ کی بہو بیٹیوں کو قید کیا۔ خود غرضی، جہالت اور تعصب ان کے دماغوں پہ اس قدر چھایا ہوا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے پیغمبر کو نہ پہچان سکے بلکہ آپ کو اقتدار طلب اور اسلام کو حصول اقتدار کا پھندا کہتے تھے۔ رہبران قریش میں سے ابوسفیان ایک دن مسجد نبوی کے اندر مسلمانوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور انہیں بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کرنے لگا۔

''محمدؐ کس وجہ سے مجھ پر غالب آ گئے'' پیغمبرؐ نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ''خدا کے ذریعے سے'' اسلامی تاریخ میں قریش کی باگ دوڑ جب بنی

امیہ کے ہاتھ میں آئی تو قبائل قریش بنی امیہ کے رنگ میں رنگے گئے اور انہوں نے بنی امیہ کی حصول اقتدار کی کوشش میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا تا کہ اسلام کے نام پر نابودئی اسلام کے لئے کام کر سکیں جس دن حضرت عمر کی جگہ عثمان نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو ابو سفیان حضرت حمزہؑ سید الشہداء کے مزار پر جا کر ان کی قبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا ''حمزہ اٹھو اور دیکھو کہ جس چیز پر ہم آپ لڑتے تھے اب وہ ہمارے بچوں کے ہاتھ میں ہے'' رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کی انتقام جوئی آپ کی وفات کے بعد شروع ہوئی اور ہجرت کے اکسٹھویں سال اپنے عروج پر پہنچی۔ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے انتقام لیا۔ دختر پیغمبر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے انتقام لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے حسنؑ سے انتقام لیا' حضرت امام حسینؑ سے انتقام لیا حتیٰ کہ حضرت زینبؑ وام کلثومؑ سے بھی انتقام لیا۔

یہودیوں کی مزاحمت

دوسرا طبقہ جو اسلام کے خلاف برسر پیکار تھا وہ یہودی تھے جو تعصب وخود پسندی کا شکار تھے اور اپنے آپ کو سب سے افضل سمجھتے تھے کیونکہ وہ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد سے تھے جو جناب سارہ کے بیٹے تھے۔ نہ جناب ہاجرہ کے جو کنیز تھیں اور انہیں میں سے انبیاء سرمایہ دار اور ثروت مند تھے۔ ثقافت کے لحاظ سے عربوں سے بالاتر تھے کیونکہ کتب سماویہ سے استفادہ کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ نسل حضرت اسماعیل سے ایک خاتم الانبیاء پیغمبر ظاہر ہوگا لیکن یہ دانست ان کے لئے نقصان کا سبب بن گئی کہ تعصب وخود پسندی نے انہیں اس علم و دانش کی پیروی' اتباع حق اور پیغمبر آخر الزمانؐ پر ایمان لانے سے محروم

رکھا۔ کتب سماویہ کی یہ پیشین گوئی ان کے لئے سعادت کی بجائے شقاوت ثابت ہوئی اور ان کو گمراہی کے گڑھے میں پھینک کر جنایت پیشہ بنا دیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ والد پیغمبر اسلامؐ کے قتل کی سازش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور انہیں روسیاہی نصیب ہوئی کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ مکہ معظّمہ آئے تا کہ حضرت عبداللہ کو قتل کر دیں اور اس طرح پیغمبر اسلامؐ کے دنیا میں آنے کے سبب ظاہری والد کو ہی ختم کر دیں تا کہ پیغمبر اکرم پیدا ہی نہ ہوں۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ حضرت عبداللہ کو اکیلے پا کر قتل کریں اور ایک دن یہ موقع انہیں مل بھی گیا جبکہ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ تنہا اطراف مکہ کے پہاڑوں پر گئے ہیں انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا مگر ہاشمی جوانوں نے مردانہ وار اپنا دفاع کیا اسی اثنا میں کچھ لوگ ان کی مدد کو آ گئے اور یہودی بھاگ گئے۔ اس سے قبل یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ بھی دشمنی کا مظاہرہ کر چکے تھے جبکہ انہوں نے کچھ رومی سپاہیوں کو ان کے قتل پر آمادہ کیا اور اس باغ میں بھیج دیا جہاں حضرت مسیحؑ اپنے حواریوں کے ساتھ تشریف فرما تھے مگر خدا کو یہ پسند نہیں تھا اس نے انہیں یہودیوں کے چنگل سے نجات دی۔ پھر انہوں نے حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں کے ساتھ دشمنی کی چنانچہ یہودی وزیر مسیحیوں کو پکڑوا کر آگ میں ڈلوا دیتا تھا مگر یہودیوں کو حضرت عیسیٰؑ کی نسبت پیغمبر اسلامؐ سے زیادہ دشمنی تھی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اسرائیلی تھے جبکہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسماعیلی تھے۔ انہوں نے بارہا ان کے قتل کی سازشیں کیں مگر خداوند عالم کو یہ بات پسند نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ سلامت رہے۔ یہودیوں کا ایک گروہ ظہور اسلام سے کئی سو سال پہلے مدینہ کو اپنا مسکن بنا کر اپنے میزبان اہل مدینہ کے سات خیانت کر چکا تھا کیونکہ انہوں نے مدینہ کے اندر تفرقہ اندازی کی سیاست کو اپنا کر اوس وخزرج کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کی جان کا پیاسا بنا دیا اور ان کے درمیان آتش جنگ بھڑکا دی، قتل و

غارت کا بازار گرم ہوا جس سے صرف یہودیوں کو فائدہ ہوا اور بس یہ دونوں قبیلے جو ایک ہی نسل سے تھے ایک دوسرے کو مارتے تھے تاکہ یہودی زندہ رہیں۔ برسر جنگ فریقین کو سرمائے کی ضرورت تھی یہودی ان کی پیداوار یا ان کی ملکیت اشیاء کو اونے پونے خرید کر ان کی جنگی ضروریات پورا کرتے تھے۔ چنانچہ یہودی مدینہ کے بیشتر نخلستانوں کے مالک بن گئے۔ مدینہ پر مکمل کنٹرول میں تھوڑی ہی کسر رہ گئی تھی کہ نجات دہندۂ بشریت تشریف لائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اوس وخزرج کو یہودیوں کے چنگل سے نجات دی لیکن اس سے یہودیوں کی آنحضرتؐ سے دشمنی اور بڑھ گئی اور وہ نابودئ اسلام کے لئے کمر بستہ ہو گئے کیونکہ یہودی ثروت طلبی اور حسد کی ذہنیت کے مالک تھے۔ مدینہ کی طرف ہجرت رسولؐ سے اس ذہنیت پر زد پڑی اور یہودی اپنی خواہشات سے محروم ہو گئے۔ مدینہ کی دولت ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی اوس اور خزرج، یہودیوں کے غلام بننے کی بجائے آقا بن گئے۔ یہودی اپنی آرزوؤں کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکیں مگر اپنے بچوں کو مسلم دشمنی کی تربیت دے کر اسلام دشمنی ان کے لئے میراث چھوڑ گئے۔ انہوں نے نابودی اسلام و مسلمین کے بے کار نقشے بنائے جو کبھی اپنے ہاتھوں کبھی دوسروں کے ہاتھوں اور کبھی خود منافق مسلمانوں کے ہاتھوں جاری کرتے رہے۔ یہودیوں نے جو اپنے آپ کو اہل علم ونظر سمجھتے تھے اور اخبار سماویہ کی بنا پر کہتے تھے کہ جو ہم جانتے ہیں دوسرے اس سے ناواقف ہیں۔ جب یہ دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ نہ صرف ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ جانتے ہیں بلکہ وہ ان سے بدرجہا زیادہ چیزوں سے آشنا ہے تو ان کا جذبۂ رشک وحسد جاگ اٹھا اور ان کے ساتھ دشمنی کرنے لگے جب رسول خداؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سب لوگوں کی طرح اپنی سیرت کے مطابق یہودیوں کے ساتھ مہر ومحبت سے پیش آئے لیکن یہودیوں نے اس محبت کا جواب سرد مہری، خیانت، دشمنی اور اسلام کے خلاف

سازش کی صورت میں دیا اور کفار قریش کے ساتھ مخالفت اسلام پر عہد و پیمان باندھا کئی مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار ہوئے مگر شکست سے دوچار ہوئے تو بھانپ گئے کہ اس اعلانیہ دشمنی سے کام نہیں بنتا چنانچہ انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مسلمانوں کا لباس پہن کر قریش کے ساتھ ہمقدم ہوئے اور اندر سے پیکر اسلام پر حملہ کیا۔ منافقت کے لباس میں اسلام کے خلاف قریش کے ساتھ یہ ان کی دوسری ہمکاری اور تعاون تھا۔

صحابہ کرامؓ

صاحب عربی زبان میں ساتھی کو کہا جاتا ہے اور اصحاب یا صحابہ اس کی جمع ہے۔ اصحاب کا معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء اور آپؐ کے ساتھی ہے لیکن تاریخ اسلام میں یہ لفظ خاص معنی رکھتا ہے کہ صحابی وہ ہے جو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لایا ہو اور آپؐ کی زیارت کی ہو صحابہ کو فضیلت و شرف ایمان کی بنا پر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جو جنگ بدر سے پہلے ایمان لائے۔

۲۔ وہ لوگ جو جنگ بدر کے بعد فتح خیبر تک ایمان لائے۔

۳۔ وہ لوگ جو فتح خیبر کے بعد فتح مکہ تک ایمان لائے۔

۴۔ وہ لوگ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

۵۔ وہ لوگ جو قرآن میں منافق کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ان پانچ میں سے اسلامی شرف و فضیلت کے لحاظ سے ہر پہلا گروہ دوسرے سے برتر اور افضل جو کہ سابق الاسلام ہیں۔ یہ لوگ اس وقت ایمان لائے جبکہ اسلام نہایت کمزوری کے عالم میں تھا اور سیاسی برتری اقتصادی کسی بھی قسم کی قدرت و طاقت

نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ سب قوتیں اسلام کے خلاف کمر بستہ تھیں' تاریخ اسلام نے سابقین کے حق میں انصاف نہیں کیا کیونکہ اس نے سب کو ایک آنکھ سے دیکھا اور سب کو صحابی کے نام سے پکارا۔ اموی اور عباسی دور میں تو مسلمانوں نے ذرا آگے قدم بڑھایا اور پانچوں گروہوں کو عادل کہا حالانکہ وہ خود ایک دوسرے کے بارے میں یہ نظریہ نہیں رکھتے تھے۔

منافقین اور دورخے لوگ

جولوگ اسلام کی طرف بڑھے مگر ایمان نہ لائے قرآن نے ان کو منافق کا نام دیا۔ یہ کئی گروہ تھے کچھ یہود سے کچھ قریش سے کچھ اہل مدینہ سے اور کچھ اہل حجاز کے دوسرے علاقوں سے چنانچہ کچھ شناخت شدہ تھے اور کچھ ناشناختہ لیکن آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ باہم دشمن بھی تھے لیکن اسلام و مسلمانوں کے مقابلے میں دشمنی کے لحاظ سے ایک تھے۔ یہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور اسلام نے جو تکلیفیں اس گروہ سے اٹھائیں وہ کم نہ تھیں جس قدر قرآن نے اس گروہ کے خطرے سے آگاہ کیا ہے اس قدر مشرکوں اور کافروں کے خطرے سے آگاہ نیں کیا۔ ان منافقین نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مسلمانوں کے نام سے اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کیا۔ کافر تو دشمن کے لباس میں تھے مسلمانوں پر راہ نہ پا سکتے تھے کیونکہ یہ لوگ پہچانے جاتے تھے لیکن چہرہ منافقین جامۂ اسلام پہنے ہوئے تھے دوستی کا اظہار کرتے تھے اور دنیائے اسلام کے اندر رہ کر سوچ سمجھ کر دشمنی کرتے تھے۔ اندرونی دشمن کو پہچاننا مشکل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کیساتھ مقابلہ کرنا اور اس کے حملوں کا دفاع کرنا بہت سخت ہوتا ہے چونکہ وہ غافلگیرانہ

چونٹیں لگاتا ہے تو ان کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟ ان دو چہرہ لوگوں نے سب سے پہلے اسلام و مسلمانوں کے نام پر مسجد اور اپنے لئے پناہ گاہ بنائی۔ اس کو نابودی اسلام کے لئے مرکز بنایا اور اسلام کے نام پر اسلام کا قلع قمع کرنا شروع کر دیا اس مسجد کو قرآن نے مسجد ضرار کہا اور پیغمبر اسلامؐ نے اس کو گروا کر ویران کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے نابودی اسلام کے لئے کئی منصوبے بنائے اور ان پر عمل درآمد بھی کیا تاکہ مسلمانوں کو دین سے منحرف کریں چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تو معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر بھاگ کھڑے ہوتے تاکہ لشکر اسلام کے جذبے کو کمزور کر کے سپاہ اسلام کو شکست سے دوچار کر سکیں کبھی مسلمانوں کو محض وہمی خطرات سے ڈراتے' مالی نقصانات کی طرف متوجہ کرتے غرضیکہ ان کے درمیان زہر گھولتے رہے اور کوشش کرتے کہ ان کی وحدت واتحاد کو پارہ پارہ کر کے اسلام کی ترقی کے لئے رکاوٹ بن جائیں جب پیغمبر اسلامؐ تبوک کی طرف جانا چاہ رہے تھے تو ان منافقین نے صحرا نشین بدوؤں کے ساتھ مل کر سازش تیار کی کہ پیغمبر اسلامؐ اور مجاہدین اسلام کی عدم موجودگی میں مسلمان عورتوں اور بچوں پر حملہ کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیں اور مرکزیت اسلام کو ختم کر دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سازش سے باخبر ہو گئے۔ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو مرکز کا نگہبان اور اپنا جانشین بنا کر مدینہ کو اس بہت بڑی سازش سے بچالیا کبھی منافقین پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے جعلی حدیثیں وضع کرتے اور اسلامی دستور اور احکام کہتے تھے جبکہ اندرونی طور پر کافروں کے ساتھ روابط رکھتے تھے۔

رسول خداؐ کے حالات زندگی اور جنگیں

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ کی ولادت ہبوط آدمؑ سے چھ ہزار ایک سو تریسٹھ سال بعد ہوئی جبکہ حضرت محمدؐ کی عمر چھ سال کو پہنچی تو جناب آمنہ عبدالمطلب کے پاس آئیں اور کہا کہ میرے ماموں جو بنی عدی بن النجار میں سے ہیں وہ مدینہ میں رہتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں جا کر انہیں مل آؤں اور محمدؐ کو بھی ساتھ لے جاؤں تا کہ میرے رشتہ دار اسے دیکھ لیں۔ عبدالمطلبؑ نے جناب آمنہؑ کو اجازت دی اور نبی اکرمؐ کو ساتھ لے کر ام ایمن جو حضورؐ کی مربیہ تھی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں اور دارالنابغہ میں کہ جہاں جناب عبداللہؑ والد نبی اکرمؐ دفن تھے ایک مہینہ قیام کیا اور اپنے رشتہ دار سے ملاقات کی۔ جب وہاں سے مکہ کی طرف کوچ کیا تو دوران سفر مقام ابواء میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے جناب آمنہ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور وہیں وفات پائی اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا اور موجودہ زمانہ میں جناب آمنہؑ کی قبر جو مکہ میں بتائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ انہیں ابواء سے مکہ منتقل کیا گیا تھا۔ جب جناب آمنہؑ کی وفات ہوگئی تو ام ایمن آپؐ کو مکہ لے آئیں۔ عبدالمطلب نے آپؐ کو گلے لگایا اور رونے لگے اور اس کے بعد خود ان کے کفیل بنے اور کبھی حضورؐ کے بغیر دستر خوان نہ بچھاتے اور نہ کچھ کھاتے۔ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کے لیے ہر روز خانہ کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے قبیلہ میں سے کوئی شخص اس پر قدم نہ رکھ سکتا تھا۔ جب عبدالمطلبؑ گھر سے باہر نکلتے تو اس مسند پر جا کر بیٹھتے اور ان کے قبیلہ کے افراد اس مسند کے گرد زمین پر آ بیٹھتے لیکن رسول اکرمؐ جب آتے تو وہ مسند پر آ بیٹھتے اور عبدالمطلبؑ انہیں اپنی گود میں لے کر ان کا بوسہ لیتے اور کہتے میں نے اس سے زیادہ پاکیزہ بوسہ اور زیادہ نرم جسم نہیں دیکھا اور ا ے ۶۱ء

میں جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوگئی تھی تو عبدالمطلبؑ نے وفات پائی۔ منقول ہے کہ جب ان کی موت قریب آئی تو انہوں نے ابوطالبؑ کو بلایا اور ان سے نبی اکرمؐ کے متعلق بہت سفارشیں کیں اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا زبان، مال اور ہاتھ سے اس کی مدد کرنا۔ قریب ہے کہ وہ سردار قوم ہوگا۔ پس عبدالمطلبؑ نے ابوطالبؑ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے عہد لیا۔ پھر فرمایا کہ اب موت میرے لیے آسان ہوگئی۔ پھر حضور اکرمؐ کو اپنے سینے سے لگایا اور رونے لگے اور اپنی بیٹیوں سے کہا کہ مجھ پر گریہ کرو اور مرثیہ پڑھو تاکہ مرنے سے پہلے میں سن لوں۔ پس آپ کی چھ بیٹیوں نے ان کا مرثیہ الگ الگ پڑھا۔ عبدالمطلبؑ یہ سن کر وفات پا گئے اور اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور عبدالمطلبؑ کی مدح میں کافی روایات ہیں۔ منقول ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو بدا کے قائل تھے اور قیامت کے دن بہترین بادشاہوں میں انبیاء کی ہیئت میں مبعوث ہوں گے۔ نیز روایت ہے کہ عبدالمطلبؑ نے زمانہ جاہلیت میں پانچ سنتیں مقرر کیں جو اللہ نے اسلام میں جاری کیں۔ پہلی یہ کہ انہوں نے باپ کی بیویاں بیٹوں پر حرام کیں اور خدا نے قرآن میں آیت نازل کی۔ ولا تنکحوا مانکح ابائکم من النساء. (جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں ان سے نکاح نہ کرو) دوسری یہ کہ انہیں خزانہ ملا تو اس کا پانچواں حصہ راہ خدا میں دیا۔ خدا نے حکم دیا۔ واعلموا انما غنتم من شیءٍ فان للہ خمسہ. (جان لو کہ جو تمہیں نفع ملے اس کا اللہ کا پانچواں حصہ ہے)۔ تیسرا یہ کہ جب چاہ زمزم کھودا تو اس کا سقایہ حاج (حاجیوں کے پانی پلانے کے لیے) قرار دیا۔ خدا کا حکم ہوا۔ اجعلتم سقایۃ الحاج (قرار دیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا) چوتھا یہ کہ آدمی کا خون بہا ۱۰۰ اونٹ مقرر کیے۔ خدا نے یہ حکم بھی نازل کیا۔ پانچویں سنت یہ ہے کہ قریش کے نزدیک طواف کے چکروں کی تعداد معین نہیں تھی۔ عبدالمطلبؑ نے سات چکر قرار دئے۔ خدا نے بھی ایسا ہی حکم دیا۔

عبدالمطلبؑ جو انہیں کھیلتے تھے۔ بتوں کی عبادت نہیں کی جو جانور لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اس کا گوشت آپ نے کبھی نہیں کھایا اور کہتے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر باقی ہوں **بعد میں** وہ اشعار ذکر ہوں گے جو عبدالمطلبؑ کے **متعلق** امام رضاؑ نے فرمایا اور ۵۷۱۶ء میں کہ جب آپؐ کی عمر بارہ سال دو ماہ اور دس دن کی ہوگئی تھی تو ابوطالب نے تجارت کے لیے شام کی طرف جانے کا قصد کیا۔ روایت ہے کہ جب ابوطالبؑ نے شام کے سفر کا ارادہ کیا تو رسولؐ خدا نے ان کے ناقہ کی مہار پکڑ لی اور کہا کہ چچا مجھے کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ نہ میرا باپ ہے اور نہ ماں۔ ابوطالبؑ رونے لگے اور حضورؐ کو ساتھ لے گئے اور جب ہوا گرم ہو جاتی تو ایک بادل ظاہر ہوتا اور وہ آپ کے سر پر سایہ کرتا۔ اثناء راہ میں ایک راہب کے گرجے کے قریب پہنچے کہ جس راہب کو بحیرا کہتے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ بدل حرکت کر رہا ہے وہ اپنے گرجے سے اترا اور اس نے کھانے کا انتظام کیا اور انہیں کھانے کی دعوت دی۔ پس جناب ابوطالبؑ اور باقی ساتھی گرجے کی طرف گئے اور حضرت رسولؐ کو سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ جب بحیرا نے دیکھا کہ بادل تو قافلہ کے پڑاؤ پر رکا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ کوئی ایسا شخص بھی اہل قافلہ میں سے ہے جو یہاں نہ آیا ہو۔ کہنے لگے سوائے ایک بچہ کے جسے ہم سامان کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ جب پوچھا تو وہ کوئی اور بات ہے بحیرا کہنے لگا یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص میرے کھانے پر نہ آئے۔ اسے بھی بلاؤ۔ جب آپؐ کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا گیا اور حضرتؐ گرجے کی طرف روانہ ہوئے تو بادل بھی ساتھ چلنے لگا تو بحیرا نے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابوطالبؑ کا بیٹا ہے۔ بحیرا نے ابوطالبؑ سے پوچھا یہ آپ کا بیٹا ہے۔ فرمایا یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے کہا اس کا باپ کہاں ہے؟ فرمایا: ابھی یہ پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس کا باپ فوت ہوگیا۔ بحیرا کہنے لگا کہ اسے اپنے شہر کی

طرف واپس لے جاؤ کیونکہ اگر یہودیوں نے اسے پہچان لیا جس طرح میں نے پہچانا ہے تو وہ اسے قتل کردیں گے اور واضح ہو کہ اس کی شان بلند ہے اور یہ اس امت کا نبی ہے جو تلوار کے ساتھ خروج کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ یہاں اختلاف ہے کہ ابوطالبؑ پھر شام گئے تھے یا بحیرا کی بات سن کر وہیں سے آنحضرتؐ کے ساتھ پلٹ آئے یا حضرت کو واپس بھیج دیا اور خود شام کی طرف گئے۔ (بحیرا کا نام جرجیس بن ابی ربیعہ تھا اور وہ شریعت حضرت عیسٰی پر رہبانوں کی طرح رہتا تھا اور بہت بزرگ آدمی تھا)۔

۶۱۸ء میں جب کہ آپؐ کی عمر پچیس سال تھی آپ نے جناب خدیجہؑ سے نکاح کیا۔ وہ مخدرہ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب کی بیٹی تھیں۔ پہلے انہوں نے عتیق بن عائذ مخزومی سے نکاح کیا اور اس سے ہند بن ابوہالہ پیدا ہوا اور جب ابوہالہ کی وفات ہوئی تو خدیجہؑ کے پاس اپنے اور اپنے شوہر کے مال سے بڑی دولت و ثروت جمع ہوگئی۔ اسے اپنا سرمایا قرار دے کر بشرط مضاربہ تجارت کی اور وہ بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ منقول ہے کہ اسی ۸۰ ہزار اونٹوں پر ان کے مال کی تجارت ہوتی تھی اور دن بدن ان کا مال بڑھتا گیا اور ان کا نام مشہور ہوا اور ان کے مکان کی چھت پر حریر سبز کا قبہ بنا تھا کہ جس کی طنابیں ریشم سے بنی تھیں اور اس میں کئی تصویریں تھیں کہ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ جناب خدیجہؑ کی شادی صرف رسول اکرمؐ سے ہوئی تھی اور پہلی دو شادیوں کے قصے بناوٹی ہیں اور زیب داستان کے لیے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک روایت بھی موجود ہے۔ رسول اللہؐ سے آپ کی شادی کا واقعہ مفصل ہے۔ یہاں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔ شیخ کلینی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ نے چاہا کہ جناب خدیجہؑ بنت خویلد سے نکاح کریں تو ابوطالبؑ اپنے رشتہ داروں اور قریش کے ایک گروہ کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے جو

کہ جناب خدیجہؓ کا چچا تھا۔ پس پہلے جناب ابوطالبؑ نے گفتگو کی اور خطبہ ادا کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ حمد و ثنا اس خدا کے لئے سزاوار ہے جو خانہ کعبہ کا رب ہے کہ جس نے ہم کو اولاد ابراہیمؑ اور ذریت اسماعیلؑ قرار دیا ہے اور ہمیں حرم جائے امن و امان میں جگہ دی ہے اور ہمیں تمام لوگوں پر حاکم بنایا ہے اور ہمیں اپنے اس گھر کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ لوگ اطراف دنیا سے جس کا قصد کرتے ہیں اور اس حرم کے ساتھ کہ ہر جگہ کے میوے وہاں لاتے ہیں اور ہمیں برکت دی ہے اس شہر میں جس میں ہم آباد ہیں۔ پس تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ کا قریش کے جس شخص سے تقابل کرو وہ اس سے بڑھ کر ہے اور کسی شخص کا اس سے قیاس نہیں ہوگا مگر یہ اس سے عظیم تر ہے اور مخلوق میں کوئی اس کا نظیر و مثل نہیں اور اگر اس کے پاس مال کی کمی ہے تو مال دنیا خدا کی عطا ہے جسے اس نے اپنے بندوں پر بقدر ضرورت جاری کیا ہے اور وہ سایہ کی طرح ہے جو جلدی پلٹ جاتا ہے۔ اسے خدیجہؓ کی طرف رغبت ہے اور خدیجہؓ بھی اسے چاہتی ہے۔ ہم آئے ہیں کہ تجھ سے اس کی خواستگاری کریں اس کی خواہش و رضا کی بناء پر اور جو حق مہر تم چاہو ہم اپنے مال سے دیں گے اور رب کعبہ کی قسم اس کی شان بلند و قدر و منزلت اونچی ہے۔ اس کی رائے کامل ہے۔ پس ابوطالبؑ خاموش ہو گئے۔ ورقہ جو خدیجہؓ کا چچا تھا اور قسیسین اور بڑے علماء میں سے تھا۔ وہ گفتگو کرنے لگا چونکہ وہ ابوطالبؑ کے جواب دینے سے قاصر تھا۔ متواتر سانس لیتا اور اس گفتگو میں واضح اضطراب تھا اور وہ صحیح جواب نہیں دے سکتا تھا۔ جب یہ حالت جناب خدیجہؓ نے دیکھی تو انہوں نے حضرتؐ کے وفور شوق میں شرم و حیا کا کچھ پردہ اٹھایا اور زبان فصیح کے ساتھ فرمایا اے میرے چچا اگرچہ تم زیادہ حق رکھتے ہو اس موقعہ پر گفتگو کرنے کا لیکن تمہیں مجھ سے زیادہ اختیار نہیں میں نے تزویج کی آپ سے اے محمدؐ اپنے نفس کی اور میرا مہر میرے ہی مال میں سے ہے اور اپنے چچا سے کہئے کہ وہ

ایک اونٹنی ولیمہ زفاف کے لئے نحر کریں۔ اور آپؐ جب چاہیں اپنی بیوی کے پاس تشریف لایئے۔ پس ابو طالبؑ نے فرمایا اے لوگو! گواہ ہو کہ خدیجہؑ نے محمدؐ سے اپنی تزویج کر دی ہے اور حق مہر کی خود ضامن ہوئی اور قریش میں سے ایک شخص کہنے لگا تعجب ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے حق مہر کی ضامن ہو رہی ہیں۔ جناب ابو طالبؑ کو غصہ آ گیا اور وہ کھڑے ہوئے اور جب ان کو غصہ آتا تو تمام قریش ان سے ڈرتے تھے اور ان کی سطوت و دبدبہ سے خوف کھاتے تھے۔ پھر فرمایا اگر دوسرے شوہر میرے بھتیجے کی طرح ہوں تو عورتیں گراں قیمت اور زیادہ مہر دے کر انہیں حاصل کریں اور اگر تم جیسے ہوں تو ان سے زیادہ حق مہر کا مطالبہ کیا جاتا ہے پس ابو طالبؑ نے ایک اونٹ نحر کیا اور اس دُرِ صدف نبوت و صدف گوہر خیر النساء کا ولیمہ کیا اور جب جناب خدیجہؑ حضرت محمدؐ کے نکاح میں آئیں تو عبداللہ بن غنم نے جو قریش میں سے تھا یہ اشعار تہنیت کے طور پر کہے:

هنئیا مرئیایا خدیجة قد جرت	لك الطیر فیما کان صل باسمد
تزروجت من خیر البریة کلها	ومن ذا الذی فیٰ الناس مثل محمد
به بشر البران عیسیٰ بن مریم	و موسی بن عمران نیا قرب موعدی
اقرت بـه الـکتـاب قدماً بانه	رسول من البصحا ھادٍ و مهتد

ترجمہ: مبارک ہو تجھے اے خدیجہؑ کہ تیرے ہمائے سعادت و نشان نے عرش عزت و شرف کے کنگرے کی طرف پروانہ کی ہے اور تو اولین و آخرین میں سے بہترین شخص سے بیاہی گئی اور دنیا میں محمدؐ جیسا شخص کہاں مل سکتا ہے۔ یہ وہ ہے کہ عیسیٰؑ و موسیٰؑ نے اس کی نبوت کی خبر دی ہے اور بہت جلدی ان کی بشارت کا اثر ظاہر ہو کے رہے گا اور سالہا سال سے سب پڑھنے اور لکھنے والے کتب آسمانی کے اقرار کر چکے ہیں کہ وہ ہے رسول بطحا جو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ ہے۔

۶۱۹۳ء میں جب کہ تیس سال رسول خداؐ کی ولادت کو گزر گئے تھے تو حضرت امیر المومنینؑ کی ولادت باسعادت ہوئی ۶۱۹۸ء میں جبکہ پینتیس سال آپؐ کی عمر کے گزر چکے تھے، قریش نے کعبہ کو خراب کیا اور از سر نو اس کی تعمیر کی اور اس کے طول و عرض میں اضافہ کیا اور ان کی دیواروں کو اتنا بلند کیا کہ وہ اپنی جگہ پر بھلا معلوم ہونے لگا اور ۶۲۰ء ستائیں رجب کو حضرت رسول اکرم محمدؐ بن عبداللہ چالیس سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور امام حسن عسکریؑ کی روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کی عمر چالیس سال کو پہنچی تو خداوند عالم نے آپؐ کے دل کو بہترین زیادہ خشوع کرنے والا، زیادہ مطیع اور تمام دلوں سے زیادہ بزرگ پایا۔ پس آپؐ کی آنکھوں کو مزید نور بخشا اور حکم دیا کہ آسمان کے دروازے کھول دئے جائیں اور ملائکہ فوج در فوج زمین کی طرف آنے لگے اور آنحضرتؐ انہیں دیکھتے تھے اور خدا نے اپنی رحمت کو ساق عرش سے لے کر آپ کے سر مبارک سے متصل کر دیا۔ پس جبرائیلؑ نازل ہوئے انہوں نے اطراف زمین و آسمان کو گھیر لیا اور آنحضرتؐ کا بازو ہلا کر عرض کیا کہ پڑھیے۔ آپؐ نے فرمایا کیا پڑھوں تو اس نے عرض کیا: اقرء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق۔ پس خدا کی وحی آپ تک پہنچائی۔ ایک اور روایت ہے کہ دوبارہ جبرائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور کرسی عزت و کرامت حضرتؐ کے لیے ساتھ لائے اور تاج نبوت اس سلطان سریر رسالت کے سر پر رکھا، لوائے حمد آپ کے ہاتھ میں دیا اور عرض کیا اس کرسی پر تشریف رکھیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا بجالائیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کرسی سرخ یاقوت کی تھی اور اس کا ایک پایا زبرجد کا اور دوسرا مروارید کا تھا پس جب ملائکہ واپس چلے گئے اور آپ کوہ حرا سے نیچے تشریف لائے تو انوار جلال نے آپ کو گھیر رکھا تھا اور کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ آپؐ کے چہرہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے اور جس

درخت، گھاس اور پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ آپؐ کو سجدہ کرتا اور زبان فصیح میں کہتا۔ السلام علیک یا نبی اللہؐ۔ السلام علیک یا رسول اللہؐ۔ اور جب جناب خدیجہؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ کے خورشید جمال کی نور سے گھر منور ہو گیا۔ جناب خدیجہؓ نے عرض کیا اے محمدؐ یہ کیسا نور ہے کہ جو میں آپؐ میں دیکھ رہی ہوں۔ فرمایا یہ نور نبوت ہے تم کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جناب خدیجہؓ نے عرض کیا مجھے تو کئی سال سے آپؐ کی نبوت کا علم و یقین ہے۔ پھر انہوں نے شہادت دی اور آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔ آپؐ نے فرمایا اے خدیجہؓ مجھے کچھ سردی محسوس ہو رہی ہے مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو جب آپ سو گئے تو خدا کی طرف سے ندا آئی۔ یا ایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر (کپڑا اوڑھ کر سونے والے اٹھو اور لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ اور اپنے پروردگار کے لیے۔ تکبیر کہو اور اس کی بزرگی بیان کرو۔) حضرت کھڑے ہو گئے اور اپنی انگشت مبارک کان میں رکھ کر کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر۔ تو آپؐ کی آواز ہر موجود تک پہنچی اور تمام موجودات آپؐ کے ہم آواز ہوئے اور ۶۱۰ء میں آپؐ نے اپنی نبوت کا اظہار کیا بعد اس کے کہ تین سال تک نبی اکرمؐ لوگوں کو مخفی طور پر دعوت فرماتے رہے اور ایک جماعت نے آپ کا طریقہ اپنا لیا تھا تو جبرائیلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین آنحضرت کو یہ حکم پہنچایا کہ آپ علی الاعلان دعوت دیجئے۔ پس حضرت کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو انذار کیا اور ڈرایا اور آنحضرتؐ نے لوگوں کو دین مبین کی دعوت کس طرح دی اور قرآن کس طرح پڑھا اور اس سلسلہ میں کیا کیا اذیتیں اور تکلیفیں آپ کو پہنچیں ان امور کی تفصیل اس مختصر کتاب کے بیان سے خارج ہے۔ دوسری طرف سے کفار قریش نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے اور شکنجوں میں جکڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جس شخص کو آزار پہنچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے اسے زبانی

تکلیف پہنچاتے اور جس کا کوئی قوم وقبیلہ نہ تھا اس کو عذاب وعتاب میں کھینچتے اور مکہ کی گرمی میں اسے بھوکا اور پیاسا کھڑا کرتے تھے اور اسے زرہ پہنا کر سورج کے سامنے کھڑے ہونے کا حکم دیتے تاکہ وہ نبی اکرمؐ سے علیٰحدگی اختیار کرے۔ ۶۲۰۸ء میں اصحاب پیغمبرؐ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی' چونکہ مسلمان جب کفار کے شکنجہ سے تنگ آ گئے اور کفار کے ظلم پر صبر نہ کر سکے تو حضرت رسولؐ خدا سے اجازت چاہی کہ ہم کسی اور شہر میں چلے جاتے ہیں۔ حضرتؐ نے انہیں اجازت دی کہ وہ حبشہ کے ملک کی طرف ہجرت کریں کیونکہ حبشہ کے لوگ اہل کتاب ہیں اور نجاشی بادشاہ حبشہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور یہ پہلی ہجرت تھی کہ جس میں بعض صحابہ حبشہ کی طرف گئے تھے اور بڑی ہجرت تو وہ تھی کہ جب رسولؐ خدا نے مدینہ کی طرف کوچ کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے عثمان بن عفان اور اس کی بیوی رقیہ' ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور اس کی بیوی سہلہ اور حبشہ میں ابو حذیفہ کو خدا نے محمد بن ابو حذیفہ دیا اور زبیر و مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار عبدالرحمٰن بن عوف ابو سلمہ اور اس کی بیوی ام سلمہ عثمان بن مظعون' عامر بن ربیعہ اور جناب جعفر بن ابی طالبؑ اپنی بیوی اسماء بنت عمیس کے ساتھ عمر بن سعید بن بن عاص اور اس کا بھائی خالد اور ان دونوں کی بیویاں بھی ساتھ تھیں اور عبداللہ بن جحش اپنی بیوی ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریٰ ابو عبیدہ جراح اور کچھ اور لوگ کہ جن میں سے مردوں کی تعداد اسی سے زیادہ تھی۔ یہ لوگ ماہ رجب میں مکہ سے نکلے دریا میں کشتی چلاتے ہوئے حبشہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اور ملک میں قریش کے کینہ اور مکر اور اس گروہ کے عذاب سے نجات حاصل کی اور نجاشی کے جوار میں امن سے رہنے اور خدا کی عبادت کرنے لگے اور حضرت ابو طالبؑ نے ان اشعار ذیل سے نصرت رسولؐ فرمائی اور نجاشی کو آمادہ کیا:

تعلم ملیک والحبش ان محمداً	نبی کموسیٰ و المسیح ابن مریم
اتی یھدیٰ مثل الذی اتیا	فکل یامر اللّٰہ یھدی و یعصم
و انکم تتلونہ فی کتابکم	بصدق حدیث لا حدیث المرحم

و انک مایاتیک منا عصابۃ بفضلک الا عاودو ابالتکریم

فلا تجعلو اللّٰہ ندٰ واسلموا فان طریق الحق لیس بظلم

ترجمہ: ''جان لے اے بادشاہ حبشہ کہ محمدؐ اسی طرح نبی ہیں جیسے موسیٰؑ و مسیحؑ ابن مریم تھے۔ وہ ہدایت لے کر آئے ہیں جیسے وہ دونوں لائے تھے ان میں سے ہر ایک حکم خدا سے ہدایت کرتا اور اس کے عذاب سے بچاتا ہے اور تم اس نبی کا واقعہ سچی بات کے طور پر پرانی کتابوں میں پڑھتے ہو۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں اور ہمارا جو گروہ بھی تمہارے فضل و کرم کے سبب تمہارے پاس آتا ہے وہ عزت تکریم کا عادی ہے۔ پس اللہ کا کسی کو مقابل نہ بناؤ کیونکہ حق کا راستہ تاریک نہیں ہے۔''

اور ۶۲۰۹ء میں جبکہ آپ کی بعثت کے پانچ سال گزر چکے تھے تو حضرت فاطمہ صلوٰت اللہ علیہا کی ولادت باسعادت ہوئی اور ۶۲۱۰ء میں آپ شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے اور اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں حبشہ پناہ گاہ موجود ہے اور مسلمانوں میں سے جو سفر کر کے وہاں پہنچ جاتا ہے وہ امن وامان میں رہتا ہے اور جو لوگ مکہ میں ہے وہ ابو طالبؑ کی پناہ میں سکون سے رہتے ہیں اور جناب حمزہؓ کا اسلام بھی ان کی تقویت کا سبب ہے تو انہوں نے ایک جلسہ کیا اور تمام قریش نے جناب رسولؐ اللہ کے قتل پر اتفاق کیا۔ جب ابو طالبؑ کو یہ خبر ملی تو انہوں نے اولاد ہاشم و عبدالمطلبؑ کو جمع کیا اور انہیں بال بچوں سمیت اس درہ میں سکونت دی جسے شعب ابی طالب کہتے تھے اور اولاد عبدالمطلبؑ نے جو مسلمان تھے اور جو غیر مسلمان

تھے سب نے حفظ قبیلہ اور ابو طالبؑ کی فرمانبرداری میں نصرت پیغمبرؐ کا دم بھرا سوائے ابولہب کے کہ جس نے انکار کیا اور دشمنوں سے مل گیا اور ابو طالبؑ نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حفاظت رسول کا بیڑا اٹھایا اور اس درہ کے دونوں طرف نگہبان مقرر کیے اور اپنے بیٹے علیؑ کو رات نبی اکرمؐ کی جگہ سلاتے اور جناب حمزہؓ ساری رات تلوار لے کر پیغمبرؐ کے گرد پھرتے رہتے۔ جب کفار نے یہ دیکھا اور سمجھ گئے کہ وہ آنحضرتؐ تک نہیں پہنچ سکتے تو ان کے بڑے لوگوں میں سے چالیس آدمی دارلندوہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے عہد و پیمان باندھا کہ اب اولاد عبدالمطلبؑ اور بنی ہاشم کے ساتھ نرمی نہ کی جائے اور نہ انہیں رشتہ دیں اور نہ رشتہ لیں اور ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچی جائے اور نہ ان سے کچھ خریدا جائے اور نہ ان کے ساتھ کوئی صلح کا رویہ رکھا جائے جب تک وہ پیغمبرؐ کو ان کے قبضہ میں نہ دے دیں تاکہ یہ انہیں قتل کر دیں۔ یہ عہد نامہ مکمل کر کے ایک صحیفہ میں تحریر کیا گیا اور اس پر مہر لگائی گئی اور ام اجلاس کے جو ابوجہل کی خالہ تھی کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ اسے حفاظت سے رکھے۔ قریش کے اس معاہدے سے بنی ہاشم شعب ابو طالب میں محصور ہو گئے اور اہل مکہ میں سے کسی شخص کو ان سے خرید و فروخت کی جرأت نہ رہی سوائے اوقات حج کے کہ جن دنوں ہر ایک سے جنگ کرنا حرام تھا اور اس وقت قبائل عرب مکہ میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ لوگ بھی شعب ابو طالبؑ سے باہر آتے اور کھانے کی چیزیں عربوں سے خرید کے شعب میں واپس چلے جاتے اور اگر معلوم ہو جاتا کہ قریش میں سے کسی شخص نے بنی عبدالمطلبؑ میں سے کسی کی قرابت کی وجہ سے کوئی چیز شعب کی طرف بھیجی ہے تو اس سے مزاحم ہوتے اور اگر شعب میں رہنے والوں میں سے کوئی باہر آتا اور ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو اسے سزا دیتے اور شکنجہ میں کستے اور جو لوگ کبھی ان کے لئے کھانے کی چیزیں بھیجتے ان میں سے ابوالعاص بن ربیع، ہشام بن عمرو تھے۔ حکیم بن حزام بن خویلد جو جناب خدیجہ کا بھتیجا تھا

اور منقول ہے کہ ابوالعاص گندم اور کھجور سے اونٹ پر لاد کر شعب کے قریب جاتا اور انہیں چھوڑ دیتا۔ اسی لیے نبی اکرمؐ فرماتے تھے کہ ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کیا کہ ابوالعاص چونکہ زینب کا شوہر تھا کہ جس کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ جناب خدیجہؓ یا ہالہ کی بیٹی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ تین سال تک معاملہ اسی طرح رہا اور کبھی کبھی بھوک کی شدت کی وجہ سے بنی عبدالمطلبؑ کے بچوں کی فریاد بلند ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض مشرکین اس عہد و پیمان پر نادم و پشیمان ہوئے اور ان میں سے پانچ افراد نے جو کہ ہشام بن عمرو۔ زہیر بن امیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد تھے۔ انہوں نے آپس میں عہد و پیمان باندھا کہ وہ اس معاہدہ کو توڑ دیں اور اس صحیفہ کو پھاڑ ڈالیں۔ دوسری صبح جب صنادید قریش کعبہ میں جمع ہوئے اور یہ پانچ افراد بھی آئے اور اس معاملہ میں گفتگو کرنے لگے تو اچانک ابوطالبؑ کا پیمانہ صبر ان زحمات و تکالیف کی وجہ سے لبریز ہو گیا ہے۔ جو انہیں شعب میں پہنچی ہیں اور اب اس لیے آئے ہیں کہ محمدؐ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ ابوطالبؑ نے گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ لوگو میں چاہتا ہوں ایسی بات کہوں کہ جس میں تمہاری بھلائی ہے۔ میرے بھتیجے محمدؐ نے خبر دی ہے کہ خداوند عالم نے دیمک کو مقرر کیا ہے کہ وہ اس صحیفہ میں جو ظلم و جور کی داستان لکھی ہے اسے کھا جائے اور خدا کے نام کو باقی رہنے دے۔ اب اس صحیفہ کو لے آؤ اگر وہ سچ کہتا ہے تو پھر تمہیں اس سے کوئی سر دکار نہیں اور اپنے مکر و کینہ سے باز آ جاؤ اور اگر وہ جھوٹ کہتا ہے تو ابھی میں اسے تمہارے سپرد کر دیتا ہوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ لوگ کہنے لگے بڑی اچھی بات ہے پس وہ گئے اور اس صحیفہ کو ام اجلاس سے لے آئے جب اسے کھول کے دیکھا تو تمام صحیفہ کو دیمک کھا گئی تھی سوائے لفظ "بسمک اللھم" کے جسے زمانہ جاہلیت میں سرناموں پر لکھا کرتے تھے۔ جب ان

لوگوں نے دیکھا تو شرمسار ہوئے۔ پس مطعم بن عدی نے صحیفہ کو پھاڑ دیا اور کہنے لگا ہم اس ظلم کرنے اور قطع رحمی کرنے والے صحیفہ سے بیزار ہیں۔ اس وقت ابو طالبؑ واپس شعب کی طرف چلے گئے۔ دوسرے دن وہ پانچ افراد قریش کے ایک گروہ کے ساتھ شعب میں گئے اور عبد المطلبؑ کی اولاد کو مکہ میں لے آئے اور انہیں ان کے مکانات میں ٹھہرایا اور وہ تین سال تک شعب میں رہے تھے لیکن مشرکین بعد اس کے کہ حضور اکرمؐ شعب سے باہر تشریف لائے اپنے پہلے عقیدہ پر باقی رہے اور آپؐ کی دشمنی سے دست بردار ہوئے اور جتنا ان سے ہوسکا آپ کو اذیت و تکلیف دینے میں کوشاں رہے کہ جس کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اور ۶۲۱۳ء میں جناب ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی وفات ہوئی۔ جناب ابو طالبؑ کی وفات چھبیس ۲۶ رجب بعثت کے دسویں سال کے آخر میں ہوئی اور حضرت رسول خداؐ ان کی مصیبت میں بہت روئے اور جب ان کا جنازہ لئے جا رہے تھے تو آپؐ ان کے جنازہ کے آگے آگے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اے چچا آپ نے صلہ رحمی کی اور میرے معاملہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ ابو طالبؑ کی جلالت شان اور ان کا نصرت و مدد رسولؐ کرنا اور ان کے باقی فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں آسکیں۔ تین دن کے بعد یا ایک روایت کی بنا پر پینتیس دن کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رسول خداؐ نے انہیں اپنے دست مبارک سے حجون مکہ میں دفن کیا اور آپؐ ابو طالبؑ اور خدیجہؑ کی وفات کے بعد اتنے غمگین ہوئے کہ بہت کم گھر سے باہر تشریف لاتے اور اسی لئے اس سال کا نام آپ نے عام الحزن رکھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے دونوں بزرگوں کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے:

اعینـی جـوا بـارك اللّٰـه فیكما	علـی هـالـكیـن مـاتری لهما مثلا
علـی سید البطحاء و ابن رئیسها	وسیـدة الـنسوان اوّل من صلی
مصـابهما اوجی لی الجو والهوا	فبتّ اقـاسی منهما الهم و الثكلی
لقـد نـصـرافی اللّٰـه دین محمد	علیٰ من بغی فی الدین قدر عیا الّا

ترجمہ: ''اے میری دونوں آنکھوں آنسو بہاؤ۔ خدا تم کو برکت دے ان دو مرنے والوں پر کہ تم نے جن کے مثل اور نظیر نہیں دیکھے بطحاء کے سردار اور اس کے رئیس کے بیٹے پر اور عورتوں کی سردار پر کہ جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی۔ ان کی مصیبت نے میرے لیے فضا کو تاریک بنا دیا ہے۔ میں ان کے ہم و غم اور رونے میں رات گزارتا ہوں۔ یقیناً ان دونوں نے اللہ کی محبت میں دین محمدؐ کی نصرت کی جو دین میں بغاوت کرے سو کرتا رہے۔ لیکن انہوں نے تو قرابت کا خیال رکھا۔''

حضور اکرمؐ نے ابو طالبؑ کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے:

ابـا طـالـب عصة المستجیر	وغیـث الـمحـول و نـورا لـظلم
لقـد هـدّ فـقـدكَ اهـل الـحفـاظ	فـصـلـی علیك ولـی الـنعـم
ولـقـاك ربك رضـوانـه	فقـد كـنت لـلـطهـر من خیر عـم

ترجمہ: اے ابو طالبؑ جو پناہ لینے والے کے لیے پناہ تھے اور قحط زدہ کے لیے ابر رحمت اور تاریکیوں کے لیے نور روشنی آپ کی موت نے محفوظ رہنے والوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ نعمتوں کے مالک کا آپ پر درود و رحمت ہو اور خدا آپ کو اپنے رضوان سے ملائے۔ بے شک آپ طاہر و مطہر رسولؐ کے بہترین چچا تھے۔''

ابو طالبؑ کی وفات کے بعد مشرکین عرب کی دشمنی آنحضرتؐ سے بڑھ گئی اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے لگے یہاں تک کہ اس قوم کے ایک بیوقوف نے ان کے اکسانے پر

ایک مٹھی مٹی اٹھا کر آپؐ کے سر پر ڈال دی اور آپؐ نے سوائے صبر وتحمل کے کوئی چارہ کار نہ دیکھا اور ۶۲۱۴ء میں آپؐ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور ۶۲۱۴ء ہی میں حضرت رسولؐ نے سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا اور یہ پہلی خاتون ہیں کہ جناب خدیجہؓ کے بعد جس سے حضورؐ نے شادی کی تھی اور جب تک جناب خدیجہؓ زندہ تھیں آپؐ نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا اور اسی سال آپؐ نے عائشہ کی خواستگاری کی اور اس وقت اس کی عمر چھ سال کی تھی اور اس کی رخصتی وزفاف ہجرت کے پہلے سال میں ہوا اور اسی سال میں انصار میں اسلام کی ابتداء ہوئی۔ ۲۶۱۵ء میں نبی اکرمؐ کو معراج ہوئی۔ واضح ہو کہ آیات کریمہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اکرمؐ کو ایک ہی رات میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور عرش علیٰ تک سیر کرائی اور عجائبات خلق آسمان آنحضرتؐ کو دکھائے اور رازہائے پنہانی اور معارف لامتناہی آنحضرتؐ پر القاء کیے۔ آپ نے بیت المعمور میں اور عرش کے نیچے عبادت الٰہی کی اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کی اور آپؐ جنت میں داخل ہوئے اور اہل جنت کے منازل کو دیکھا اور احادیث متواتر خاصہ وعامہ دلالت کرتی ہیں کہ آپ کا یہ عروج اور اوپر جانا جسم کے ساتھ تھا نہ صرف روح کے ساتھ اور عالم بیداری میں تھا نہ عالم خواب میں۔ اور قدماء علماء شیعہ کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی فرماتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو معراج جسمانی میں شک کیا ہے یا تو انہوں نے اخبار وآثار رسول خداؐ وآئمہ ہدیٰ کا تتبع نہیں کیا اور یا حجت خدا کے ارشادات پر اعتماد نہیں کیا اور غیر متدین حکماء کے شبہات پر وثوق کر لیا ہے ورنہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ شخص بااعتقاد کئی ہزار احادیث جو طرق مختلفہ سے اصل معراج اس کے کیفیات و خصوصیات کے متعلق سنے جو کہ تمام کی تمام ظاہر وصریح ہیں معراج جسمانی میں اور یہ

صرف استبعاد و وہم یا حکماء کے شبہات کی بنا پر تمام کا انکار کر دے اور ان کی تاویل کرے اور اگر عَرَجْتَ بِهٖ (لے گیا) بعض نسخوں میں عرجت بروحه (لے گیا روح کو) آیا ہے تو منافات نہیں رکھتا اور یہ اس طرح ہے جیسے آپ کہیں کہ۔ جئتک بروحی (میں اپنی روح کے ساتھ تیرے پاس آیا) اس بیان کے ساتھ کہ جس کے ذکر کی گنجائش نہیں اور اس کی تفصیل ہمارے شیخ علامہ نوری نے تحیۃ الزائر میں ذکر فرمائی ہے اور جاننا چاہیے کہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ البتہ ستر ہ رمضان کی رات کو یا اکیس کی رات کو ہجرت سے چھ ماہ پہلے یا ماہ ربیع الاول میں بعثت سے دو سال بعد ہوئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ ام ہانی کا گھر تھا یا شعب ابوطالبؑ یا مسجد الحرام اور ارشاد قدرت ہے۔ سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصیٰ الخ. یعنی منزہ ہے وہ خدا کہ جس نے اپنے بندہ کو سیر کرائی رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف وہ مسجد کہ جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی ہے تا کہ ہم اسے اپنی عظمت و جلال کی نشانیاں دکھائیں بے شک خدا سننے والا جاننے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسجد الحرام سے مراد مکہ معظمہ ہے کیونکہ تمام مکہ محل نماز اور محترم ہے اور مشہور یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ وہ مسجد ہے جو بیت المقدس میں ہے اور بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد بیت المعمور ہے جو چوتھے آسمان پر ہے او وہ دور ترین مسجد ہے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا معراج ایک دفعہ ہوئی یا اس سے زیادہ۔ احادیث معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی دفعہ ہوئی اور یہ اختلاف جو احادیث معراج میں ہے اس کو متعدد معراجوں پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ علماء نے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت رسولؐ کو ایک سو بیس مرتبہ آسمان پر لے گیا اور ہر مرتبہ آنحضرتؐ کو حضرت امیر المومنینؑ اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کی ولایت و امامت کے متعلق باقی فرائض کی نسبت زیادہ تاکید

فرمائی۔ بوصیری شاعر کہتا ہے:

سریت من حرام لیلا الی حرم	کما سری البدر فی داج من الظلم
فظلت ترقی الی ان نلت منزلةً	من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم
وقد متك جمیع الانبیاء بھا	والرسل تقدیم مخدوم علی خدم
و انت تخترق السبع الطباق بھم	فی موکب کنت فیه صاحب العلم
حتّی اذا لم تدع شاء و المستبق	من الدنو لا مرقی لمستنم

ترجمہ: آپؐ رات کو ایک حرم سے دوسرے حرم کی طرف گیا جس طرح چودھویں کا چاند رات کے وقت تاریکیوں میں چلتا ہے۔ بس تو بلند ہوتا گیا یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل کو پایا کہ جیسے پایا اور نہ اس کا قصد کیا جاسکتا ہے اور تو تمام انبیاء و رسل کے آگے تھا جس طرح مخدوم خادموں سے آگے ہوتا ہے اور تو سات طبق کو پھاڑ کر آگے نکل گیا ایسے موکب میں کہ جن کا تو صاحب علم تھا وہاں پہنچا کہ سبقت کرنے والے کے لیے قرب کی جگہ نہ باقی چھوڑی اور نہ بلندی پر جانے والے کے لیے کوئی سیڑھی۔

۶۲۱ء میں مدینہ کے لوگوں نے دوبارہ عقبہ میں بیعت کی اور انہوں نے رسولؐ خدا سے عقد بیعت اور شرط متابعت استوار کی کہ وہ آنحضرتؐ کی اپنی جان اور جسم کی طرح حفاظت و نگہبانی کریں گے اور جو چیز وہ اپنے لیے پسند کرتے وہ آپ کے لیے بھی پسند کریں گے۔ جب یہ معاہدہ پختہ ہوگیا تو مدینہ کے لوگ اپنے وطن کو واپس چلے گئے اور کفار قریش کو پیغمبرؐ کے ساتھ ان کے اس عہد و پیمان کی خبر ملی تو یہ چیز ان کے کینہ اور مکر و فریب کی زیادتی کا باعث ہوئی۔ معاملہ شوریٰ تک پہنچا۔ ان کے عقلمند اور تجربہ کار چالیس افراد دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ شیطان قبیلہ نجد کے ایک بوڑھے کی شکل میں ان میں داخل ہوگیا اور تبادلہ افکار اور اظہار نظریات کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ ہر قبیلہ کا ایک

بہادر شخص منتخب کیا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دی جائے۔ وہ سب اکٹھے ہو کر آنحضرتؐ پر حملہ کریں اور ان کا خون بہائیں تا کہ آپ کا خون تمام قبائل میں پھیل جائے اور پیغمبرؐ کے قبیلہ میں یہ طاقت نہ ہو کہ وہ تمام قبائل کا مقابلہ کر سکیں۔ مجبوراً معاملہ خون بہا پر جا پڑے گا۔ پس سب نے اس پر اتفاق کیا اور اس مہم کے سر کرنے میں لگ گئے۔ پھر وہ اشخاص جو اس کام کے لئے تیار کئے گئے تھے ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو رات کے وقت آپ کے مکان کے گرد آ گئے اور کمین گاہ میں بیٹھے تا کہ جب پیغمبرؐ اپنے بستر پر جا کر لیٹیں تو ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ خداوند عالم نے نبی اکرمؐ کو اس واقعہ کی خبر کر دی اور آیہ مبارکہ۔ واذیمکربکم الذین کفرو ۔(اور جب تجھ سے کافر مکر کرنے لگے) نازل فرمائی اور حکم دیا کہ امیر المومنینؑ کو اپنے بستر پر سلا کر شہر سے نکل جائیں تو آپؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ مشرکین قریش آج رات مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور خداوند عالم نے مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اور غار ثور کی طرف جانے کا فرمان ہوا ہے اور یہ کہ تمہیں حکم دوں کہ میرے بستر پر سو جاؤ تا کہ انہیں معلوم نہ ہو کہ میں چلا گیا ہوں تم کیا کہتے ہو اور کیا کرو گے؟ امیر المومنین علیہ السلام نے عرض کیا: "اے خدا کے نبیؐ میرے آپ کے بستر پر سو جانے سے آپ کی جان تو سلامت رہے گی۔" "ہاں" امیر المومنینؑ ہنسے اور سجدہ شکر بجا لائے اور یہ پہلا سجدہ شکر تھا جو اس امت میں واقع ہوا تھا۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر عرض کیا کہ آپ جائیے جہاں کا آپ کو حکم ملا ہے میری جان آپ پر فدا ہو اور آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں میں اسے دل و جان سے قبول کروں گا اور ہر معاملے میں خدا سے توفیق چاہوں گا۔ پس آپ نے جناب امیرؑ کو گلے لگایا اور بہت روئے اور انہیں سپرد خدا کیا اور جبریلؑ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور گھر سے باہر لے آئے اور حضرت نے یہ آیت پڑھی۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشیناھم فھم

لایبصرون " اور مٹھی بھر خاک ان کے چہروں پر پھینک دی اور فرمایا شاہت الوجوہ یہ چہرے قبیح ہو جائیں اور غار ثور کی طرف چل پڑے اور ایک روایت ہے کہ ام ہانی کے گھر تشریف لائے اور صبح کی تاریکی میں غار ثور کی طرف متوجہ ہوئے ادھر حضرت امیر المومنین آنحضرت کے بستر پر لیٹ گئے اور آپ کی چادر اوڑھ لی۔ کفار قریش نے چاہا کہ اس رات گھر میں کوئی جائیں۔ ابولہب جوان کے ساتھ تھا وہ مانع ہوا اور کہنے لگا کہ میں رات کو تمہیں اندر جانے نہیں دوں گا کیونکہ اس گھر میں بچے اور عورتیں ہیں۔ رات کو اس کی حراست ونگہبانی کریں۔ صبح کے وقت اس پر حملہ کر دیں گے۔ جب صبح کے وقت انہوں نے اس کام کا ارادہ کیا تو حضرت امیر المومنینؑ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انہیں للکارا۔ وہ کہنے لگے اے علیؑ ! محمدؐ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم انہیں میرے سپرد کر گئے تھے تم انہیں شہر سے نکالنا چاہتے تھے وہ خود چلے گئے پس وہ لوگ علیؑ سے دستبردار ہو کر نبی اکرمؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور خداوند عالم نے یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل فرمائی۔ " ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه " کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی رضا کے بدلے اپنا نفس بیچتے ہیں پس حضرت پیغمبر اکرمؐ تین دن تک غار ثور میں رہے اور چوتھے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور بارہ ربیع الاول بعثت کے تیرھویں سال مدینہ منورہ میں وارد ہوئے اور رسول اکرمؐ کی ہجرت مدینہ مسلمانوں کی تاریخ کی ابتدا ہے۔ اور ہجرت کے پہلے سال پانچ ماہ یا آٹھ ماہ کے بعد حضرت رسول خداؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات بھائی چارہ قائم کیا اور امیر المومنینؑ کو اپنا بھائی قرار دیا اور اسی سال کے ماہ شوال میں حضرت عائشہ کے ساتھ زفاف کیا۔

۲ھ کے حالات وواقعات

ہجرت کے دوسرے سال مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ ہو گیا اور اسی سال حضرت فاطمہؑ کی شادی جناب امیر المومنینؑ سے ہوئی۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ اسی سال سورہ ھل اتی شان اہل بیت میں نازل ہوئی۔ اور خداوند عالم نے بہشت کے بہت سے نعمات کو اس سورہ میں ذکر کیا ہے لیکن حور العین کا ذکر نہیں فرمایا' شاید جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے جلالت ملحوظ تھی اور آخر شعبان ۲ ہجری میں ستر دن گزرنے کے بعد جنگ ابوا ہوئی ابوا ایک بڑے گاؤں کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے اور وہیں جناب آمنہ کی قبر ہے اور وہیں ایک اور گاؤں ہے جسے دوان کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو جنگ دوان بھی کہتے ہیں اور اس جنگ میں معاملہ صلح کو پہنچ گیا اور رسول اکرمؐ جنگ کئے بغیر واپس آ گئے اور اس جنگ کے علمبردار جناب حمزہ تھے۔ یہ معلوم رہے کہ جب رسول خداؐ کی جنگ کسی لشکر کیلئے تیار کرتے اور خود بھی ان اس کے ساتھ جاتے تو اس کو غزوہ کہتے ہیں۔ آپ کے غزوات میں اختلاف ہے۔ انیس سے لے کر ستائیس تک بتائے گئے ہیں لیکن جنگ صرف نو غزوات میں ہوئی ہے۔ اور ماہ ربیع الاول میں غزوہ بواط پیش آیا اور وہ اس طرح ہوا کہ آنحضرتؐ دو سو صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے کاروان قریش کے قصد سے بواط تک تشریف لے گئے۔ دشمن سے دوچار ہوئے بغیر پلٹ آئے اور بواط ایک پہاڑ ہے جبال جہینہ میں سے رضوی کی طرف اور رضوی مکہ مدینہ کے درمیان ینبع کے نزدیک ایک پہاڑ ہے۔ کیسانیہ مذہب والے کہتے ہیں کہ محمد بن حنیفہ اس میں مقیم و زندہ ہیں۔ وہاں سے وہ خروج کریں گے اور غزوہ بواط کے بعد غزوہ ذوالعشیرہ پیش آیا۔ عشیرہ مکہ مدینہ کے درمیان ینبع کے نزدیک بنی مدلج قبیلہ کی جگہ ہے اور

وہ اس طرح ہوا کہ رسول خدا نے سنا کہ ابوسفیان قریش کے ایک گروہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام جا رہا ہے۔ پس آنحضرت صحابہ کی ایک جماعت کیساتھ اس کے پیچھے ذوالعشیرہ تک تشریف لائے۔ ابوسفیان سے آمنا سامنا ہوا لیکن بنی مدلج کے بڑے لوگ جو ذوالعشیرہ کے اطراف میں رہتے تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے صلح کر لی اور جمادی الثانی میں غزوہ بدرالاولیٰ پیش آیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرمؐ کو یہ اطلاع ملی کہ کرز بن جابر فہری قریش کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر آیا ہے اور وہ آنحضرت کے اونٹ اور باقی لوگوں کے چوپائے ہنکا کے مکہ لے گیا ہے۔ رسولؐ خدا نے علم جنگ حضرت امیرؑ کے سپرد کیا اور مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ منزل سفوان میں جو بدر کے اطراف میں ہے فروکش ہوئے اور تین دن وہاں آرام فرمایا اور ہر طرف سے مشرکین کے حالات کا تفحص کیا جب ان کی خبر نہ مل سکی تو آپؐ مدینہ واپس آ گئے اور اس وقت ماہ جمادی الثانی ختم ہو رہا تھا۔ نیز ۲ ہجری میں جنگ بدر کبریٰ پیش آئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار قریش مثلاً عتبہ وشیبہ، ولید بن عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، نوفل بن خویلد اور باقی صنادید قریش مکہ جنگجو افراد کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ کہ جنکی مجموعی تعداد نو سو پچاس تھی۔ نبی اکرمؐ سے جنگ کی تیاری کر کے مکہ سے روانہ ہوئے۔ آلات طرب اور گانے والی عورتیں لہو ولعب کے لئے اپنے ساتھ لائے۔ تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ان کے ساتھ تھے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوا تھا کہ ہر روز روساء قریش میں سے ایک شخص گھاس اور لشکر کا کھانا دے گا اور دس اونٹ نحر کرے گا۔ ادھر سے رسول خداؐ تین سو تیرہ صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکل کر علاقہ بدر میں پہنچے اور بدر ایک کنوئیں کا نام ہے کہ جس میں مشرکین کے لاشے پھینکے گئے تھے۔ جب حضورؐ بدر کے علاقہ میں پہنچ گئے تو حضورؐ جا بجا زمین کی طرف اشارہ فرماتے اور کہتے کہ یہ فلاں کے بچھڑنے کی

جگہ ہے اور صنا دید قریش میں سے ہر ایک کی قتل گاہ بتاتے تھے اور وہی ہوا جو آپ نے فرمایا۔ اس اثنا میں دشمن کا لشکر نمودار ہوا اور وہ ان کے سامنے ایک ٹیلہ پر اتر گیا اور لشکر پیغمبرؐ کو دیکھنے لگا۔ مسلمان ان کی نگاہوں میں بہت حقیر اور کم مقدار نظر آئے۔ چنانچہ مسلمانوں کی نگاہ میں وہ بھی کم نظر آئے ارشاد باری ہے:

" واذیریکموھم اذا التقیتم فی اعینکم قلیلا و یقللکم فی اعینکم لیقضی اللہ امرا کان مفعولاً "۔

(جب کہ تمہاری آنکھوں میں انہیں کم دکھایا۔ جب تمہاری مڈ بھیڑ ہوئی اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر دیا تا کہ پورا کرے خدا اس امر کو جو ہونے والا ہے) قریش لشکر پیغمبرؐ کو دیکھنے کے بعد اس ٹیلے پر اتر گئے۔ جب پڑاؤ ڈال چکے تو عمیر بن وہب کو ایک گروہ کے ساتھ بھیجا تا کہ لشکر اسلام کے حالات معلوم کرے اور انہیں شمار کرے۔ پس عمیر بن وہب گھوڑے پر سوار ہوا اور مسلمانوں کے چاروں طرف چکر لگانے کے بعد بیابان کی طرف گیا اور اچھی طرح سے دیکھا کہ شاید کہیں مسلمانوں نے اپنی فوج کمین گاہ میں بٹھا رکھی ہو۔ واپس آیا اور کہنے لگا کہ ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور ان کی کمین میں کوئی نہیں لیکن میں نے دیکھا ہے کہ یثرب کے اونٹ موت کو لاد کر اور زہر مہلک بار کر کے لے آئے ہیں کہ انہیں دیکھتے نہیں ہو کہ وہ خاموش ہیں اور سانپ کی طرح منہ سے زبان ہلاتے ہیں۔ ان کی پناہ گاہیں ان کی تلواریں ہیں وہ ہرگز جنگ کو پشت دے کر نہیں جائیں گے جب تک وہ اپنی تعداد کے برابر دشمن قتل نہ کرلیں۔ اس معاملہ کو خوب سمجھ لو کہ ان سے لڑنا آسان کام نہیں۔ حکیم بن حزام نے جب یہ گفتگو سنی تو عتبہ سے خواہش کی کہ لوگوں کو جنگ سے باز رکھو۔ عتبہ نے کہا کہ اگر کر سکتے ہو تو ابن حنظلہ سے کہو کہ آیا لوگوں کو جنگ سے روک سکتے ہو کہ محمدؐ اور اس کے ساتھی جو تیرے ابن عم یعنی رشتہ دار ہیں۔ ان سے

جنگ نہ ہو۔ حکیم ابوجہل کے پاس گیا اور اسے عتبہ کا پیغام سنایا، ابوجہل کہنے لگا اس کے پھیپھڑے میں ہوا بھر گئی ہے۔ مراد یہ تھی کہ وہ ڈر گیا ہے اور اسے بددلی عارض ہوگئی ہے اور عتبہ اپنے بیٹے ابوحذیفہ کے بارے میں جو مسلمان ہوگیا ہے اور محمدؐ کے ساتھ ہے۔ ڈرتا ہے۔ حکیم نے ابوجہل کی گفتگو عتبہ کے سامنے نقل کی اور اچانک ابوجہل بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ گیا۔ عتبہ نے اس سے کہا اے بڑے بزدل مجھے بزدل بنا کر ننگ و عار دلاتا ہے۔ معلوم ہو جائے گا کس کا پھیپھڑا پھول گیا ہے۔ ادھر سے پیغمبر اکرمؐ نے اس لئے کہ مسلمانوں کے دل اپنی جگہ میں اور جنگ کا زیادہ خوف نہ ہو۔ ''وان جنحوا للسلم فاجنح لها'' اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ کے مفاد پر عمل کرتے ہوئے اگرچہ آپ جانتے تھے کہ قریش صلح نہیں کریں گے اس واسطے کہ عذر ختم ہو جائے قریش کو پیغام بھیجا کہ ہمارے دل میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم تم سے جنگ کرنے میں سبقت کریں کیونکہ تم لوگ ہمارے ہی قوم وقبیلہ سے ہو اور تمہیں بھی زیادہ مجھ سے دشمنی نہیں کرنی چاہئے اور مجھے عرب پر چھوڑ دو اگر میں غالب آیا تو بھی تمہارے لئے باعث فخر ہے اور اگر عرب نے مجھے ختم کر دیا تو تم اپنے مقصد کو تکلیف اٹھائے بغیر پالو گے۔ جب قریش نے یہ باتیں سنیں تو ان میں سے عتبہ بول اٹھا اور کہنے لگا۔ اے قریش جو شخص محمدؐ کے پیغام سے منہ پھیرے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اے قریش میری بات سنو اور محمدؐ کی رعایت کرو جو تمہارا سردار اور تم سے بہتر ہے یعنی اس کے پیغام کی عزت کرو۔ ابوجہل اس سے ڈرا کہ کہیں عتبہ کی باتوں میں آکر لوگ جنگ سے باز نہ آجائیں۔ کہنے لگا ہاں اے عتبہ یہ کیا فتنہ ہے جو تو پھیلانا چاہتا ہے۔ اولاد عبدالمطلب کے خوف سے تو واپس جانے کے حیلے تلاش کرتا ہے۔ عتبہ کو غصہ آگیا اور کہنے لگا میری طرف تو خوف کی نسبت دیتا ہے اور مجھے ڈرنے والا بتاتا ہے۔ پھر اونٹ سے اتر آیا ابوجہل کو گھوڑے سے نیچے کھینچ لیا اور کہنے لگا آؤ

تم اور ہم لڑتے ہیں تا کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ بزدل کون اور بہادر کون ہے۔ اکابر قریش آگے بڑھے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کر لیا۔ اس وقت جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور دونوں طرف سے مردان کارزار اور شجاعان روزگار جوش وخروش میں آگئے۔ پہلا شخص عتبہ تھا جس نے میدان کا قصد کیا، اس غصہ میں کہ ابوجہل نے اسے بزدلی کا طعنہ دیا تھا۔ پس اس نے بڑی مشکل سے زرہ پہنی اور اس کا سر بڑا تھا۔ پورے لشکر میں کوئی ایسا خود نہیں تھا جو اس کے سر پر ٹھیک آتا۔ مجبوراً اس نے عمامہ سر پر باندھ لیا اور اس نے اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو حکم دیا کہ میرے ساتھ میدان میں چلو اور جنگ کرو۔ پس تینوں افراد نے اپنے گھوڑے تیز کئے اور دونوں لشکر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔۔ انصار میں سے تین اشخاص ان کے مقابلہ میں گئے۔ عتبہ نے کہا تم کون لوگ ہو اور کس قبیلہ سے ہو؟ کہنے لگے ہم انصار میں سے ہیں۔ عتبہ کہنے لگا ہمارے کفو نہیں ہو ہم تم سے جنگ نہیں کرتے اور پکار کر کہا اے محمدؐ! ہمارے بنی اعمام میں سے کسی کو بھیج جو ہم سے جنگ کرے جو کہ ہمارا مدمقابل اور کفو ہو اور رسول خداؐ بھی نہیں چاہتے تھے کہ پہلے انصار جنگ کریں۔ پس آپؐ نے حضرت علیؑ، جناب حمزہؓ بن عبدالمطلبؑ اور عبیدہ بن حارث کو جنگ کی اجازت دی اور یہ تینوں بزرگوار غضبناک شیر کی طرح بڑھے۔ حمزہؓ نے کہا میں حمزہؓ بن عبدالمطلب، اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ عتبہ نے کہا کفو کریم ہو اور میں خلفاء کا شیر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ امیر المومنینؑ ولید سے دوچار ہوئے، حمزہؓ شیبہ سے اور عبیدہ عتبہ سے۔ پس امیر المومنینؑ نے یہ رجز پڑھا۔

میں دوحوضوں کے مالک عبدالمطلب اور ہاشم کا بیٹا ہوں جس نے بھوک کے سال کھانا کھلایا۔ میں اپنے عہد و میثاق کو پورا کروں گا اور حسب ونسب کی حمایت وحفاظت کروں گا۔

پس آپؑ نے ولید کے دوش پر تلوار ماری جو اس کے بغل کے نیچے سے باہر آ گئی اور اس کا بازو اتنا چوڑا اور بڑا تھا کہ جب اسے بلند کرتا تو اس کا چہرہ چھپ جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے وہ کٹا ہوا ہاتھ حضرت امیرؑ کے سر پر مارا اور اپنے باپ عتبہ کی طرف بھاگا۔ حضرتؑ اس کے پیچھے گئے اور اس کی ران پر دوسرا زخم لگایا کہ جس سے وہ فوراً مر گیا اور جناب حمزہؓ اور شیبہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور ایک دوسرے پر تلوار کے اتنے وار کیے اور ایک دوسرے کے پیچھے اتنے دوڑے کہ تلواریں بیکار ہو گئیں اور ڈھالیں ٹوٹ گئیں۔ پس تلواریں ایک طرف پھینک دیں اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے دور سے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اے علیؑ دیکھئے یہ کتا کس طرح آپ کے چچا پر غالب آ رہا ہے۔ حضرت علیؑ اس کی طرف گئے اور حمزہؓ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور چونکہ حمزہؓ کا قد شیبہ سے بڑا تھا لہٰذا فرمایا چچا اپنے سر کو نیچے کرو اور حمزہؓ نے سر نیچے کیا تو علیؑ نے تلوار مار کر شیبہ کا آدھا سر الگ کر دیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ باقی رہا عبیدہ تو وہ جب عتبہ کے قریب پہنچا تو یہ دونوں بڑے بہادر اور شجاع تھے تو دونوں نے اچانک ایک دوسرے پر حملہ کر دیا اور عبیدہ نے عتبہ کے سر پر تلوار لگائی جو اس کے نصف سر تک چلی گئی اس طرح عتبہ نے نیچے سے تلوار عبیدہ کے پاؤں پر ماری جس سے ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ ادھر جناب امیرؑ جب شیبہ کے کام سے فارغ ہوئے تو عتبہ کا قصد کیا۔ ابھی اس میں کچھ رمق باقی تھی کہ اس کی جان بھی لے لی تو حضرتؑ نے ان تینوں کے قتل میں شرکت کی یہی وجہ تھی کہ آپ نے معاویہ کے مقابلہ میں اسے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میرے پاس وہ تلوار موجود ہے کہ جس سے میں نے تیرے بھائی، تیرے ماموں اور تیرے نانا کو بدر کے دن کاٹا تھا۔ پس حضرت علیؑ حمزہؓ کے ساتھ مل کر عبیدہ کو اٹھا کر حضرت رسولؐ کی خدمت میں لے آئے۔ رسول خداؐ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اتنا روئے کہ آپؐ کے آنسو عبیدہ کے چہرہ پر

بہنے لگے اور عبیدہ کی پنڈلی سے مغز بہہ رہا تھا۔ بدر سے واپسی پر روحاء یا صفراء کے علاقہ میں آپ کی شہادت ہوئی اور وہیں دفن ہوئے اور عبیدہ عمر میں آنحضرتؐ سے دس سال بڑے تھے اور خداوند عالم نے یہ آیت ان چھ افراد کے متعلق نازل کی جن میں سے دو دو ایک دوسرے سے لڑے تھے۔

''ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق رؤ سھم الحمیم''

یہ دو دشمن ہیں جنہوں نے اللہ کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑا کیا۔ پس جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے تیار کئے گئے اور انکے سروں پر گرم پانی ڈالا گیا۔ خلاصہ یہ کہ ان تین افراد کے قتل ہونے سے کفار کے دل میں رعب بیٹھ گیا۔ ابوجہل کفار کو جنگ پر اکساتا تھا اور شیطان سرقہ بن مالک کی شکل میں قریش سے کہنے لگا میں تمہارا ہمسایہ ہوں اپنا علم مجھے دے دو۔ پس میسرہ کا جھنڈا لے کر صف لشکر کے سامنے دوڑنے لگا اور کفار کو جنگ پر قوی دل بنانے لگا۔ ادھر سے نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے کہا ''غضوا ابصارکم وعفوا علی النواجد'' آنکھیں نیچے کرلو اور دانت پیس لو اور اپنے اصحاب کی قلت کو دیکھ کر ہاتھ دعا کیلئے بلند کئے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کی تو خداوند عالم نے ان کی مدد کے لئے فرشتے نازل فرمائے۔

ارشاد ہوا: ''ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ''

تحقیق تمہاری اللہ نے بدر میں مدد و نصرت کی۔ جب تم ذلیل تھے خدا کے اس قول تک ''ویمددکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ وھو یبین '' اور پانچ ہزار علامت دار فرشتوں کے ساتھ خدا نے تمہاری مدد کی۔ پس عظیم ہونے لگی۔ جب شیطان کی نگاہ جبرئیلؑ پر پڑی اور صفوف ملائکہ کو دیکھا علم پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ منبہ بن حجاج نے

اس کا گریبان پکڑا اور کہنے لگا اے سراقہ کہاں بھاگ رہے ہو یہ کتنا غلط کام ہے جو اس وقت تم کر رہے ہو اور ہمارے لشکر کو توڑ رہے ہو۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا مجھ سے دفع ہو جا میں کچھ دیکھ رہا ہوں جو تو نے نہیں دیکھا۔ خدا فرماتا ہے:

''فلما ترأت الفئتان نکص علیٰ عقبیہ وقال انی بری منکم انی اری مالا ترون ......الخ'' جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو وہ پچھلے قدموں مڑ گیا اور کہنے لگا میں تم سے بری ہوں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب علیہ السلام مثل غضب ناک شیر کے ہر طرف حملہ کرتے تھے اور مردو مرکب وسوار و رہوار کو زمین پر گراتے یہاں تک کہ چھتیس بہادروں کو واصل جہنم کیا اور حضرتؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے قریش پر تعجب ہے کہ جب وہ ولید بن عتبہ سے میری جنگ دیکھ چکے ہیں اور انہوں نے آنکھوں سے دیکھا کہ میرے ایک ہی وار سے حنظلہ بن ابوسفیان کی دونوں آنکھیں باہر آ گئیں تو وہ کس طرح مجھ سے لڑنے کی جرأت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ستر افراد صنادید قریش میں سے قتل ہو گئے کہ جن میں سے عتبہ و شیبہ، ولید بن عتبہ، حنظلہ بن ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، عاص بن سعید، نوفل بن خویلد اور ابوجہل تھے۔ جب ابوجہل کا سر پیغمبرؐ کی خدمت میں لے آئے تو آپ نے سجدہ شکر کیا۔ پس کفار کو شکست ہوئی اور مسلمان ان کے پیچھے دوڑے اور ان کے ستر آدمی قید کر لیے۔ یہ واقعہ سترہ رمضان کا ہے اور نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط بھی قیدیوں میں داخل تھے۔ حضورؐ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا اور یہ دونوں آپؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔ عقبہ وہی شخص ہے کہ جس نے امیہ بن خلف کو خوش کرنے کے لئے حضرتؐ کے چہرہ پر تھوکا تھا اور روایت ہے کہ جب نضر بن حارث امیر المومنینؑ کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کی بہن نے اس کے مرثیہ میں قصیدہ کہا کہ جس کے تین شعر یہ ہیں:

''اے محمدؐ آپؐ اپنی قوم میں شریف خاتون کے بیٹے ہیں اور باپ بھی آپؐ کا شریف تھا۔ آپؐ کو ضرر نہ ہوتا اگر احسان کرتے اور بعض اوقات سخت غیظ وغصہ میں انسان احسان کرتا ہے۔ نضر قرابت قریبہ رکھتا تھا۔ ان میں سے جنہیں آپؐ نے قید کیا اور زیادہ حقدار تھا آزادی کا اگر اس کو آزاد کیا جاتا۔''

جب یہ مرثیہ آپؐ نے سنا تو فرمایا' اگر میں نے اس کے اشعار سن لئے ہوتے تو اس کو قتل نہ کرتا۔

اور ۲ھ پندرہ شوال جبکہ ہجرت کو بیس مہینے گزر چکے تھے۔ غزوہ بنی قینقاع پیش آیا اور قینقاع مدینہ کے یہودیوں کا ایک گروہ تھا۔ جاننا چاہیے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت کے ساتھ کفار تین اقسام پر تھے۔ ایک قسم وہ تھے کہ جن سے حضرتؐ نے عہد لیا تھا کہ وہ حضرتؐ سے جنگ نہ کریں اور آپؐ کے دشمنوں کی مدد بھی نہ کریں اور یہ بنی قریظہ' بنی نضیر اور بنی قینقاع یہودی تھے۔ اور دوسری قسم ان کفار کی تھی جو حضرتؐ سے جنگ کرتے اور حضرتؐ سے دشمنی رکھتے تھے یہ کفار قریش تھے اور تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہیں آپؐ سے کوئی سروکار نہیں تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں کہ آپؐ کا انجام کار کیا ہوتا ہے جیسے عام طوائف عرب تھے لیکن ان میں سے بعض باطنی طور پر آپؐ کے امر کا ظہور چاہتے تھے۔ مثلاً قبیلہ خزاعہ اور بعض کا معاملہ برعکس تھا مثلاً بنی بکر اور کچھ لوگ ایسے تھے جو ظاہراً آپؐ کے ساتھ اور باطن میں آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ تھے۔ مثلاً منافقین اور یہود کے تینوں گروہوں نے دھوکہ دیا اور سب سے پہلے جنہوں نے معاہدہ کو توڑا وہ بنی قینقاع تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی قینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت ایک زرگر کی دوکان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس زرگر نے یا کسی دوسرے یہودی نے بطور تمسخر اس کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا اور اسے گرہ لگا دی۔ اس عورت کو خبر نہ ہوئی جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کی پشت

ننگی ہوگئی اور یہودی ہنسنے لگے۔ اس عورت نے فریاد بلند کی۔ جب ایک مسلمان نے دیکھا اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا یہودی ہر طرف سے جمع ہو گئے اور انہوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت حضورؐ کو معلوم ہو گیا تو آپ نے یہودیوں کے بڑے لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم نے کیوں پیمان شکنی کی ہے۔ خدا سے ڈرو اور تمہیں خوف ہونا چاہیے کہ جو کچھ مصیبتیں قریش پر پڑی ہے وہ مصیبت تم پر بھی آ سکتی ہے اور میری رسالت کو تسلیم کرو کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ میری بات سچی ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے اے محمدؐ ہمیں نہ ڈراؤ اور قریش کی جنگ اور ان پر غلبہ سے نہ اتراؤ کیونکہ آپ نے ایسے لوگوں سے جنگ لڑی ہے جنہیں جنگ کے قوانین معلوم نہیں تھے اور اگر ہم سے پالا پڑا تو آپ کو جنگ کے طریقے معلوم ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دامن جھاڑ کر چل دیے۔ اسی وقت جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علی سواء . یعنی اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کی طرف پورے طور پر جنگ کی آگ پھینک دیں۔ پس آپ نے ابولبابہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور علم جناب حمزہؓ کے سپرد کیا اور لشکر تیار کر کے ان کی طرف چل دیے۔ گروہ یہود میں چونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے حصاروں اور قلعوں میں پناہ لی اور پندرہ دن تک محصور رہے یہاں تک کہ وہ تنگ آ گئے اور رعب وخوف ان کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ مجبوراً وہ راضی ہوئے کہ اپنے حصار سے باہر آئیں اور حکم خدا کے سامنے گردن جھکائیں۔ ارادہ تھا کہ انہیں قتل کریں اور یہ سات سو جنگجو تھے۔ عبداللہ بن ابی نے جو مسلمانوں کے درمیان ایک مرد منافق تھا درخواست کی کہ ان کے حق میں احسان فرمائیں اور اس نے بہت اصرار کیا تو حضرتؐ نے ان کے خون بہانے سے درگزر کیا لیکن وہ حضرتؐ کے حکم سے جلاوطن کیے گئے اور ان کا مال و اسباب قلعے اور جائدادیں وہیں رہ گئیں اور وہ ملک شام کے شہر اوزعات کی طرف چلے گئے۔

۲ ھ ماہ شوال میں غزوہ قرقرۃ الکدر پیش آیا وہ بنی سلیم کی پانی کی جگہ ہے۔ مدینہ سے تین منزل دور۔ اس جنگ کی وجہ یہ ہے کہ رسول خداؐ نے سنا کہ بنی سلیم اور بنی غطفان نے صلاح و مشورہ کے بعد طے کیا ہے کہ وہ قریش کے خون کے بدلے مدینہ پر شب خون ماریں۔ پس حضرتؐ نے علم لشکر حضرت امیر المومنینؑ کو دیا اور دو سو صحابہؓ کے ساتھ آپ دو دن میں وہاں پہنچے۔ آپؑ کے وہاں پہنچنے سے پہلے وہ لوگ جا چکے تھے اور ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا اور حضرتؑ واپس پلٹ آئے۔ اور کچھ مورخین نے یہ جنگ تیسرے سال میں ذکر کی ہے۔ ۲ھ کے ذیقعد کے آخری ہفتے میں یا ذی الحج میں غزوہ سویق پیش آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابوسفیان نے جنگ بدر کے بعد نذر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا اور تیل نہیں لگائے گا جب تک محمد مصطفیؐ اور ان کے اصحاب سے اس کا بدلہ نہ لے لے۔ پس وہ دو سو آدمیوں کے ساتھ مکہ سے عریض تک پہنچا جو مدینہ کے اطراف میں واقع ہے اور وہاں ایک انصاری معبد بن عمرو نامی اور اس کے ایک آدمی کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ایک دو مکان اور چند درخت خرمے کے جلائے اور یہ سمجھ لیا کہ میں اپنی نذر کے مطابق عمل کر لیا ہے۔ پس فوراً واپس چلا گیا۔ جب یہ خبر حضرت محمد مصطفیؐ کو ملی تو آپؐ نے ابولبابہ کو اپنا نائب بنایا اور دو سو مہاجر و انصار کے ساتھ ابوسفیان کا پیچھا کیا۔ جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ لشکر کے ساتھ تیزی سے آ رہے ہیں تو وہ ڈر گیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ستو کے تھیلے جو زاد راہ کے طور پر ان کے پاس تھے وہ پھینک دیں تاکہ بھاگنا ان کے لیے آسان ہو جائے۔ مسلمان ان کے پیچھے پہنچ گئے اور وہ تھیلے انہوں نے اٹھا لیے اس لیے اس کو غزوہ سویق کہتے ہیں۔ پس حضرت رسولؐ نے قرقرۃ الکدر تک ان کا پیچھا کیا۔ جب نہ مل سکے تو واپس مدینہ پلٹ آئے اور اس جنگ کی مدت پانچ دن رہی اور بعض علماء کے نزدیک یہ تیسرے سال ہجری میں تھی۔

۳ھ کے حالات وواقعات

۳ھ میں غزوہ غطفان پیش آیا اور اس کو غزوہ ذی امر اور غزوہ انمار بھی کہتے ہیں یہ نجد کے علاقے میں ایک جگہ ہے۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ رسولؐ خدا کو یہ معلوم ہوا کہ بنی ثعلبہ ومحارب مقام ذی امر میں جمع ہوئے ہیں تا کہ اطراف مدینہ کو تاراج کریں اور مال غنیمت حاصل کریں اور حارث کا بیٹا جس کا نام دعثور تھا وہ ان کا سردار تھا۔ پس نبی اکرمؐ ساڑھے چار ہزار افراد کے ساتھ تیزی سے ذی امر مقام میں پہنچ گئے۔ دعثور اپنے آدمیوں سمیت پہاڑوں پر بھاگ گیا اور ان میں سے کوئی بھی نہ ملا سوائے ایک شخص کے جو بنی ثعلبہ میں سے تھا مسلمان اسے پکڑ کر خدمت پیغمبرؐ میں لے آئے۔ حضرتؐ نے اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو وہ اسلام لے آیا۔ پس سخت بارش ہوئی یہاں تک کہ لشکریوں کے بدن اور کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ لوگ ہر طرف بکھر گئے اور اپنے اپنے سامان کی اصلاح میں لگ گئے۔ نبی اکرمؐ نے اپنا لباس اتارا اور اسے نچوڑ کر ایک درخت کی ٹہنیوں پر ڈال دیا اور اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ اچانک دعثور حضرتؐ کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلوار لیے ہوئے آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا اے محمدؐ آج تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے حضرتؐ نے فرمایا: ''خدا'' فوراً جبرائیلؑ نے اس کو گھونسا مارا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ چاروں شانے چت ہو گیا۔ حضرتؐ نے وہ تلوار اٹھالی اور اس کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟'' کہنے لگا کوئی بھی نہیں۔ میں نے جان لیا ہے کہ آپؐ پیغمبرؐ ہیں۔ پس اس نے شہادتیں زبان پر جاری کیے۔ آپؐ نے اس کی تلوار اس کے حوالہ کر دی۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ خداوند عالم نے یہ آیت اسی موقعہ پر نازل فرمائی۔ یا ایها الذین آمنوا اذکر وا نعمة الله

علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم (اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب کہ ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک لئے) پس نبی اکرمؐ مدینہ کی طرف واپس تشریف لائے اور اس سفر کی مدت اکیس دن تھی اور ۳ھ میں ایک قول کی بناء پر ۱۴ ربیع الاول کو کعب بن اشرف یہودی مارا گیا وہ ایسا شخص تھا کہ جتنا اس سے ہوسکتا وہ مسلمانوں کو آزاد پہنچاتا اور اس نے نبی اکرمؐ کی ہجو بھی کی تھی۔

اور ۳ھ ہی میں غزوہ بحران پیش آیا اور وہ فرع کے اطراف میں ایک جگہ ہے اور فرع اطراف ربذہ میں ایک مقام ہے اور اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرمؐ کو بتایا گیا کہ بنی سلیم کا ایک گروہ بحران میں جمع ہوا ہے اور وہ کوئی مکاری کرنا چاہتا ہے آپ تین سو افراد کے ساتھ اس کی طرف بڑھے۔ بنی سلیم اپنے علاقہ میں منتشر ہو گئے اور حضرتؐ دشمن سے آمنا سامنا کیے بغیر واپس لوٹ آئے ۳ھ میں امام حسینؑ کی ولادت ہوئی اور اس سال ہی آپ نے حفصہ سے ماہ شعبان میں اور زینب بنت خزیمہ سے ماہ رمضان میں نکاح کیا۔ اور ۳ھ ماہ شوال میں غزوہ احد پیش آیا۔ احد مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک مشہور پہاڑ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ بدر کے بعد قریش بہت غصہ میں تھے اور ان کے سینے مسلمانوں کے بغض و کینے سے بھرے ہوئے تھے اور لگاتار وہ تیاری میں رہے اور لشکر تیار کرتے رہے یہاں تک کہ پانچ ہزار کا لشکر فراہم کر لیا کہ جس میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے۔ پس نبی اکرمؐ سے جنگ کرنے کے ارادہ سے مدینہ کی طرف انہوں نے کوچ کیا اور عورتوں کا ایک گروہ بھی ساتھ لیا جو اپنے مقتولین پر گریہ کرتی اور ان کا مرثیہ کہتی تھیں تا کہ ان کا بغض و کینہ جوش میں آئے اور دلوں میں جذبہ انتقام بھڑکے۔ ادھر سے پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی جنگ کی تیاری کی اور اپنے لشکر کے ساتھ احد

میں تشریف لے آئے اور جنگ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب اور لشکر کی صف آرائی کی۔ آپؐ نے لشکر کو اس طرح رکھا کہ کوہ احد پشت پر اور جبل عینین بائیں طرف اور مدینہ روبرو ہو۔ چونکہ عینین میں ایک شگاف تھا کہ اگر دشمن چاہتا تو وہاں سے حملہ کر سکتا تھا۔ عبداللہ بن جبیر کو پچاس کمان داروں کے ساتھ وہاں کھڑا کر دیا تا کہ دشمن کو اس شگاف سے گزرنے سے روکیں اور فرمایا اگر ہمیں فتح وغلبہ ہو جائے اور ہم مال غنیمت لوٹنے لگیں تو تمہارا حصہ بھی رکھ لیں گے۔ تم فتح یا شکست کی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب آپ صفوں کو درست کر چکے تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

ایها الناس اوصیکم بما اوصانی به الله فی کتابه من العمل بطاعته و التنا هی عن محارمه قد بین لکم الحلال و الحرام غیران بینهما شبهاً من الا مرلم یعلمها کثیر من الناس الا من عصم فمن تر کها حفظ عرضه و دینه و من وقع فیها کان کا الراعی الی حنیب الحمی اوشک ان یقع فیه و لیس ملک الا وله رحمی و ان حمی اللّٰه محارمه و المومنین من المومنین کالراس من الجسدا ذا اشتکی تداعی علیه سائر جسنده و السلام علیکم.

ترجمہ: "اے لوگو! میں تمہیں وہ وصیت کرتا ہوں جو اپنی کتاب میں خدا نے مجھے کی ہے یہ کہ اس کی اطاعت کرتے ہوئے عمل کیا جائے اور اس کے محرمات سے روکا جائے۔ خدا نے تمہارے لیے حلال وحرام کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ مگر ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں کہ جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے مگر وہ جسے خدا بچالے جو شخص ان کو چھوڑ دے اس نے اپنی عزت و دین کو محفوظ کر لیا اور جو ان میں جا پڑے تو وہ مثل اس شخص کے ہے جو کسی کے کھیت سبزہ زار کے قریب اپنے چوپائے چرا رہا ہو۔ قریب ہے کہ وہ اس میں

داخل ہو جائیں کوئی ایسا بادشاہ نہیں کہ جس نے کوئی محفوظ جگہ نہ قرار دی ہو۔ یاد رکھو خدا جس جگہ سے لوگوں کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ اس کے محرمات ہیں اور ایک مومن کو دوسرے مومنین سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہے۔ جب اس میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن پکار اٹھتا ہے۔ والسلام علیکم۔"

ادھر سے مشرکین نے صف آرائی کی تو خالد بن ولید نے پانچ سو افراد کے ساتھ میمنہ لے لیا۔ عکرمہ بن ابو جہل پانچ سو افراد کے ساتھ میسرہ پر تھا۔ صفوان بن امیہ' عمرو بن عاص کے ساتھ سواروں کا سپہ سالار ہو گیا۔ عبداللہ بن ربیعہ تیر اندازوں کا قائد تھا اور یہ سو آدمی تیر انداز تھے اور جس اونٹ پر ہبل بت کو لاد کر لائے تھے۔ وہ ان کے آگے تھا اور عورتیں لشکر کے پیچھے تھیں۔

علم لشکر طلحہ بن ابی طلحہ کو دے رکھا تھا۔ حضرت رسولؐ نے پوچھا کہ ان کا علم کس کے ہاتھ میں ہے۔ بتایا گیا کہ قبیلہ بنی عبدالدار کے۔ تو آپؐ نے فرمایا ہم زیادہ وفا کرنے کے حقدار ہیں۔ پس آپؐ نے معصبؓ بن عمیر کو بلایا جو بنی عبدالدار میں سے تھا اور علم نصرت اس کے ہاتھ میں دیا۔ مصعبؓ نے علم لیا اور وہ حضرتؐ کے آگے آگے رہا۔ پس طلحہ بن ابی طلحہ جو کبش کتیبہ (لشکر کا مینڈھا) تھا اور علم مشرکین اٹھائے ہوئے تھا گھوڑا بڑھا کر مبارز طلب ہوا۔ کوئی شخص اس کے مقابلہ کی جرات نہ کر سکا۔ امیر المومنینؑ شیر نر کی طرح تلوار لے کر آگے بڑھے اور رجز پڑھا۔ طلحہ کہنے لگا اے قصمم بہادروں کی کمر توڑنے والے مجھے معلوم تھا کہ تمہارے علاوہ میرے مقابلہ میں کوئی نہیں آئے گا۔ پس حضرتؑ پر اس نے حملہ کیا اور آپؑ پر تلوار لگائی کہ حضرت نے ڈھال سے اس کے وار کو روکا پھر ایسی تلوار اس کے سر پر لگائی کہ اس کا مغز سر سے باہر آ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا اور وہ ننگا ہو گیا۔ اور علیؑ سے پناہ مانگی آپ واپس پلٹ گئے۔ رسول خدا اس کے قتل سے خوش ہوئے۔ حضورؐ

نے تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کی آواز بلند کی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی مصعب نے علم لیا۔ امیر المومنینؑ نے اسے بھی قتل کیا۔ پھر بنی عبدالدار کا ایک ایک شخص علم لیتا اور قتل ہوتا گیا یہانتک کہ بنی عبدالدار میں سے کوئی شخص باقی نہ رہا جو علمدار بن سکے۔ اس قبیلہ کے ایک غلام نے جس کا نام صواب تھا اس علم کو اٹھایا۔ امیر المومنینؑ نے اسے بھی واصل جہنم کیا۔ روایت میں ہے کہ یہ غلام حبشی تھا اور جسم کی بزرگی میں گنبد کی طرح تھا اور اس وقت اس کے منہ سے کف جاری تھا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور وہ کہتا تھا کہ میں اپنے سرداروں کے بدلے محمدؐ کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ مسلمان اس سے ڈر گئے اور اس کے مقابلہ میں جانے کی کسی کی جرأت نہ تھی۔ امیر المومنینؑ نے اس کو ضربت لگائی اور کمر کے پاس سے اس طرح دو ٹکڑے کر دیا کہ اس کا اوپر والا حصہ جدا ہو گیا اور اس کا نچلا حصہ اسی طرح کھڑا تھا۔ مسلمان اسے دیکھتے اور ہنستے تھے۔ پس مسلمانوں نے حملہ کیا اور کفار کو منتشر کر دیا اور وہ شکست کھا گئے مشرکین میں سے ہر شخص ایک طرف بھاگ گیا اور وہ اونٹ جس نے ہبل کو اٹھا رکھا تھا گر گیا اور ہبل منہ کے بل گر پڑا۔ پس مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ وہ تیر انداز جو پہاڑ کے شگاف پر موجود تھے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان لوٹ مار میں مشغول ہیں تو انہوں نے مال غنیمت کے حرص وطمع میں اپنی جگہ سے حرکت کی۔

عبداللہ بن جبیر نے منع کیا وہ نہ مانے۔ لوٹ مار کے لیے انہوں نے دشمنوں کی لشکر گاہ کا ارادہ کیا۔ عبداللہ دس سے کم افراد کے ساتھ وہاں رہ گیا۔ خالد بن ولید نے عکرمہ بن ابو جہل کے ساتھ دو سو افراد کو لے کر کمین گاہ سے عبداللہ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ کو اس کے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا اور وہاں سے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور مشرکین کا علم سیدھا ہو گیا اور بھاگنے والوں نے جب اپنے علم کو قائم دیکھا تو وہ اپنی صفوں

کی طرف واپس آ گئے اور شیطان جعیل بن سراقہ کی شکل میں نکل آیا اور پکارنے لگا: الا ان محمداً قد قتل (آگاہ رہو کہ محمد قتل ہو گئے) مسلمانوں میں اس خبر سے دہشت پھیل گئی اور وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے، یہاں تک کہ حذیفہ کے باپ یمان کو خود انہوں نے قتل کر دیا اور رسول خداؐ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ امیر المومنینؑ رسولؐ خدا کے سامنے جنگ کر رہے تھے اور جس طرف سے دشمن حضورؐ کا قصد کرتا آپ اسے دفع کرتے۔ یہاں تک کہ نوے زخم آپ کے سر، چہرہ، سینہ، شکم، ہاتھ اور پاؤں پر لگے اور لوگوں نے سنا کہ منادی آسمان سے ندا کر رہا ہے۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الّا ذوالفقار۔ جبرائیلؑ نے پیغمبرؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ مواسات اور جوانمردی جسے علیؑ آشکار کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ وانہ منی انا منہ کیوں نہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ جبرائیل نے کہا اور میں تم دونوں میں سے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ عبداللہ بن قیمہ جو مشرکین میں سے تھا تلوار لے کر حضرتؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ چونکہ مصعبؓ بن عمیر علمدار لشکر رسولؐ تھا۔ پہلے اس نے مصعب پر حملہ کیا اور اس کا دایاں بازو قلم کر دیا۔ مصعب نے علم بائیں بازو میں پکڑ لیا۔ اس نے اس کا بایاں بازو بھی قلم کر دیا۔ ابن قیمہ نے مصعب کی شہادت کے بعد کئی پتھر لے کر حضرتؐ کی طرف پھینکے۔ اچانک ایک پتھر آپؐ کی پیشانی پر لگا اور پیشانی زخمی ہوگئی اور خود کے کئی حلقے آپؐ کی پیشانی میں دھنس گئے اور خون آپؐ کے چہرے پر بہنے لگا۔ آپؐ اس خون کو صاف کرتے تھے تا کہ وہ زمین پر نہ گرے اور آسمان سے عذاب نازل نہ ہو اور آپؐ فرماتے کس طرح وہ قوم فلاح و نجات پا سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا حالانکہ وہ انہیں خدا کی طرف بلاتا ہے اور عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ کے لب و دندان پر مارا اور کسی نے آپؐ پر تلوار کے وار کیے لیکن چونکہ آپؐ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں یہ وار کارگر نہ ہوئے۔ منقول ہے کہ اس وقت آپؐ

پر ستر زخم تلوار کے لگے لیکن خدا نے آپ کو محفوظ رکھا۔ اس سختی و زحمت کے باوجود اس مظہر رحمت نے اس قوم پر نفرین نہیں کی بلکہ فرماتے تھے۔ **اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون.** خدایا میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔ اسی جنگ میں وحشی جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جناب حمزہ بن عبدالمطلب کی کمین گاہ میں بیٹھا جب آپ شیر غضب ناک کی طرح حملہ کر رہے تھے اور کفار سے جنگ میں مصروف تھے تو اس نے اپنا ہتھیار جنگ ان کی طرف پھینکا وہ آپ کی کمر میں لگا اور مثانہ کے پار ہو گیا۔ اس زخم نے آپ کو بے کار کر دیا اور آپ زمین پر گر کے شہید ہو گئے۔ پس وحشی آپ کے قریب آیا اور آپ کے جگر کو چاک کر کے آپ کا جگر نکال کر ہندہ زوجہ ابوسفیان کے پاس لے گیا اس نے چاہا کہ اس میں سے کچھ کھا لے منہ میں رکھا تو خداوند عالم نے اسے سخت کر دیا تا کہ آنحضرتؐ کے اجزائے بدن کافر کے جسم سے نہ ملیں مجبوراً اس نے پھینک دیا۔ اسی لیے ہندہ جگر خوارہ مشہور ہو گئی۔ پس جتنے زیور اس کے پاس تھے وہ اس وحشی کو دے دئے اور خود جناب حمزہؓ کی لاش پر آئی۔ آپؓ کے کان اور بدن کے کچھ اور اجزاء کاٹ لیے تا کہ انہیں اپنے ساتھ مکہ لیجائے۔ باقی عورتیں اس کی اقتدا میں قتل گاہ میں آئی اور انہوں نے باقی شہداء کا مثلہ کیا۔ کسی کی ناک کاٹی۔ کسی کا پیٹ چاک کیا اور کاٹے ہوئے اجزاء کو دھاگے میں پرو کر کنگن بنائے۔ ابوسفیان جناب حمزہؓ کی لاش پر آیا اور اپنے نیزہ کی نوک آپ کے منہ میں چھبو کر کہنے لگا اے نافرمان اس تکلیف کو چکھ'' جلیس بن حلقمہ نے جب دیکھا تو پکارا اپنے مقتول پسر عم کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ ابوسفیان شرمسار ہوا اور کہا کہ یہ لغزش مجھ سے ہو گئی ہے۔ اس کو مخفی رکھو۔ بہر حال اس جنگ میں اصحاب رسولؐ میں سے ستر آدمی شہید ہوئے۔ جنگ بدر میں قریش کے قید ہونے والے افراد کی تعداد میں جنہیں مسلمانوں نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ اپنی خواہش کے مطابق ان سے فدیہ لیا تھا اور انہیں چھوڑ دیا تھا تا کہ ان

کے بدلے دوسرے سال اتنی مقدار میں ان میں سے شہید ہوں۔ بہر حال جب رسول خداؐ کی شہادت کی خبر مدینہ میں منتشر ہوئی تو چودہ عورتیں اہل بیت اور ان کے عزیزوں کی مدینہ سے نکلیں اور میدان جنگ میں پہنچیں۔ سب سے پہلے جناب فاطمہؑ نے اپنے باپ کو ان زخموں میں آ کر دیکھا اور آنحضرتؐ کو گلے لگا کر بہت گریہ کیا۔ نبی اکرمؐ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ امیر المومنینؑ اپنی ڈھال میں پانی لے کر آئے اور جناب فاطمہؑ نے رسول خداؐ کے سر اور چہرہ کے خون کو دھویا اور چونکہ خون نہیں رکتا تھا تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم پیغمبرؐ پر باندھ دی اور اس کے بعد نبی اکرمؐ ان زخموں کو بوسیدہ ہڈیوں کا دھواں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ زخموں کے نشان ختم ہو گئے۔ علی بن ابراہیم قمی نے روایت کی ہے کہ جب جنگ رک گئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کون ہے جو ہمیں جناب حمزہؓ کے حالات بتائے۔ حارث بن صمہ نے کہا مجھے ان کی قتل گاہ معلوم ہے۔ جب حارث اس جگہ پہنچا اور حمزہؓ کی وہ حالت دیکھی تو نہ چاہا کہ حضرتؐ کو اس کی اطلاع دے۔ حضرت نے جناب امیرؑ سے فرمایا یا علیؑ اپنے چچا کو تلاش کرو۔ حضرت امیرؑ نے حضرت حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں کبھی کسی جگہ کھڑا نہیں ہوا جہاں مجھے زیادہ غصہ آیا ہو اس جگہ سے اگر خدا نے میری نصرت کی تو میں حمزہؓ کے بدلے ان کے ستر افراد کا مثلہ کروں گا اور ان کے اعضاء کاٹوں گا۔ پس جبرائیلؑ نازل ہوا اور یہ آیت لے کر آئے: **لئن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين** یعنی عقاب کرو تو اتنا عقاب کرو جتنا تمہیں کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں صبر کروں گا اور انتقام نہ لونگا۔ پس حضرتؐ نے وہ چادر جو بردیمانی آپؐ کے دوش پر تھی حمزہؓ پر ڈال دی اور وہ چادر جناب حمزہؓ کے جسم پر پوری نہ آتی تھی۔ اگر سر پر ڈالتے تو پاؤں ننگے رہ جاتے تھے اور اگر پاؤں

چھپاتے تو سر ننگا ہو جاتا تو آپؑ نے ان کا سر ڈھانپ دیا اور پاؤں پر گھاس ڈال دی اور فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خاندان عبدالمطلب کی خواتین اندوہناک ہو جائیں گی تو میں حمزہؓ کو اس طرح رہنے دیتا اور صحرا کے درندے اور فضا کے پرندے ان کا گوشت کھاتے اور وہ قیامت کے دن ان کے شکم سے محشور ہوتے کیونکہ جتنی مصیبت زیادہ ہوتی ہے اس کا ثواب اتنا ہی زیادہ ملتا ہے۔ پس آپؐ نے حکم دیا کہ مقتولین کو جمع کیا جائے پھر ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں دفن کر دیا اور جناب حمزہؓ پر نماز میں آپؐ نے ستر تکبیریں کہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا حمزہؓ کا جسم ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے اور عبداللہ بن عمرو بن حرام جو جابر کا باپ تھا عمرو بن جموح کے ساتھ قبر میں دفن ہوا اور اسی طرح جو شخص جس کے ساتھ مانوس تھا دو دو تین تین ایک قبر میں دفن کئے گئے اور جو زیادہ قرأت قرآن کرتے تھے انہیں ایک دوسرے کے قریب رکھتے تھے اور شہداء کو ان کے انہیں کپڑوں میں جو خون آلودہ تھے سپرد خاک کیا اور آنحضرتؐ نے فرمایا انہیں ان کے کپڑوں اور خون کے ساتھ لپیٹ دو کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں زخمی ہوا ہے وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ تو خون جیسا ہوگا لیکن اس سے مشک وعنبر کی خوشبو آئے گی لیکن ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جناب حمزہؓ کو کفن پہنایا کیونکہ کفار نے انہیں برہنہ کر دیا تھا اور ایک روایت ہے کہ عبداللہ اور عمرو کی قبر چونکہ سیلاب گزرنے کی جگہ پر تھی۔ ایک دفعہ سیلاب آیا اور وہ ان کی قبر بہا لے گیا تو عبداللہ کو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ زخم کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ جب ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم سے خون بہنے لگا۔ مجبوراً ہاتھ دوبارہ اس زخم پر رکھا گیا۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے چھبیس سال بعد اپنے باپ کو قبر میں بغیر تغیر وتبدل کے پایا۔ ایسا معلوم ہوتا گویا سویا ہوا ہے اور حرمل کے پتے جو اس کی پنڈلی پر لوگوں نے ڈالے تھے وہ اسی طرح تازہ تھے۔ بہرحال

جب نبی اکرمؐ شہداء کے دفن سے فارغ ہوئے تو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جس قبیلہ کے قریب سے گزرتے تو مرد اور عورتیں باہر نکل آتے اور آپؐ کی سلامتی پر شکر کرتے اور اپنے مقتولین کا خیال دل میں نہ لاتے۔ پس کبیشہ سعد بن معاذ کی والدہ حضرتؐ کے پاس آئی۔ اس وقت اس کے بیٹے سعد نے حضرتؐ کے گھوڑے کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ سعد نے عرض کیا یارسولؐ اللہ میری ماں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا مرحبا۔ جب کبیشہ نزدیک آئی تو رسول خداؐ نے اس سے اس کے بیٹے عمرو بن معاذ کی تعزیت کی تو وہ کہنے لگی یارسول اللہؐ جب میں نے آپؐ کو صحیح وسالم دیکھ لیا ہے تو کوئی مصیبت اور تکلیف مجھ پر ثقیل نہیں۔ پس حضرتؐ نے دعا فرمائی کہ ان میں سے باقی رہنے والوں کا حزن و ملال دور ہو اور خدا انہیں ان کی مصیبت کا عوض اور اجر عظیم عطا فرمائے اور آپؐ نے سعد سے فرمایا کہ اپنی قوم کے زخمی لوگوں سے کہو کہ وہ میرے ساتھ نہ چلیں اور اپنے گھروں میں جا کر زخموں کا علاج کریں۔ پس سعد نے زخمیوں سے کہا جو کہ تیس افراد تھے کہ چلے جاؤ اور خود سعد حضرتؐ کو دولت سرا تک چھوڑنے کے بعد واپس گیا۔ اس وقت کم ہی کوئی گھر ہوگا کہ جس سے گریہ و نالہ اور سوگواری کی آواز بلند نہ ہوئی ہو سوائے جناب حمزہؑ کے گھر کے۔ نبی اکرمؐ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: ولکن حمزہ لا بواکی له الیوم. یعنی باقی شہداء احد پر گریہ کرنے والیاں موجود ہیں لیکن آج حمزہؑ پر کوئی گریہ کرنے والا نہیں۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے جب یہ سنا تو انصار کی عورتوں سے کہا کہ اب اپنے مقتولین پر گریہ نہ کرو پہلے جا کر جناب فاطمہؑ کا حمزہؑ پر رونے میں ساتھ دو، پھر اپنے مقتولین پر رونا، ان عورتوں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپؐ نے ان کے گریہ و فریاد کی آواز سنی تو آپؐ نے فرمایا واپس جاؤ خدا تم پر رحمت نازل کرے تم نے مواسات و ہمدردی کی اور اس دن سے یہ دستور ہو گیا کہ اہل مدینہ پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پہلے

حمزہؓ کا نوحہ پڑھا جاتا ہے اور پھر اپنی مصیبت پر۔ یہ واقعہ ۱۵ شوال ۳ھ میں واقع ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ بروز جمعرات پانچ شوال کو قریش اُحد میں آئے تھے۔ اور جنگ ہفتہ کے دن ہوئی۔

غزوہ حمراۃ الاسد

یہ ایک جگہ ہے کہ جہاں سے مدینہ آٹھ میل ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ قریش کہیں دوبارہ نہ پلٹ آئیں اور مدینہ پر حملہ کر دیں حکم دیا اور بلال نے منادی کی کہ خدائے قادر وقاہر کا فرمان ہے کہ وہ لوگ جو جنگ احد میں حاضر تھے اور وہ زخمی ہوگئے ہیں وہ دشمن کی تلاش میں باہر چلیں۔ پس صحابہؓ نے علاج ومعالجہ کو چھوڑ کر زخموں کے ہوتے ہوئے ہتھیار جنگ لگا لیے اور علم لشکر حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں دیا۔ حالانکہ تاریخ میں ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ احد سے واپس آئے تو اسی زخم آپ کے جسم مبارک پر لگے ہوئے تھے کہ جن میں فتیلہ (بتی) داخل ہوجاتا تھا اور آپ ایک چمڑے پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب پیغمبر اکرمؐ نے آپ کو دیکھا تو رونے لگے۔ پس حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا اور وہاں چند دن قیام کر کے واپس پلٹ آئے اور واپسی پر معویہ بن مغیرہ اموی اور ابوعزۃ جمحی کو پکڑ کر مدینہ ساتھ لے آئے۔ اس دفعہ بھی وہ تضرع وزاری کرنے لگا تا کہ پیغمبرؐ اسے چھوڑ دیں تو حضرت نے فرمایا: لا یلدغ المومن من جعر مرتین. مومن ایک ہی بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ پس آپؐ نے اسے قتل کر دیا۔

۴ھ کے حالات وواقعات

اس سال عامر بن مالک بن جعفر نے جس کی کنیت ابو براء اور لقب ملاعبدالاسنہ (نیزوں سے کھیلنے والا) تھا اور جو قبیلہ بنی عامر میں صعصعہ کا حاکم تھا۔ اس نے نجد کے علاقہ سے مدینہ کا سفر کیا اور خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی بیعت اور متابعت کرنے میں کوئی خوف وہراس نہیں لیکن میری قوم بہت زیادہ ہے بہتر ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ساتھ کر دیں تاکہ وہ لوگوں کو آپؐ کی بیعت کی دعوت دیں۔ آپؐ نے فرمایا نجد کے لوگوں سے مامون نہیں مجھے خوف ہے کہ وہ انہیں کو تکلیف و آزار پہنچائیں۔ اس نے عرض کیا کہ یہ لوگ میرے جوار وامان میں ہوں گے۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کر سکتا۔ پس حضرتؐ نے ستر یا ایک قول کی بناء پر چالیس افراد صحابہ اخیار سے منتخب کیے کہ جن میں منذر بن عمر حرام بن ملحان اور اس کا بھائی سلیم۔ حارث بن صمہ، عامر بن فہیرہ، نافع بن بدیل بن ورقہ خزاعی، عمرو امیہ ضمری وغیرہ تھے جو کہ وجوہ صحابہ قاریان قرآن اور عابد و زاہد جو دن کو لکڑیاں جمع کر کے بیچتے اور ان کی قیمت سے اصحاب صفہ کے لیے کھانا خرید کر لاتے تھے اور راتیں نماز، تلاوت قرآن اور عبادت میں گزارتے تھے اور حجرات طاہرات کے لیے بھی لکڑیاں لاتے تھے۔ پس آپؐ نے اس سریہ میں منذر بن عمرو کو امیر بنایا اور بزرگان نجد اور قبیلہ بنی عامر کو خط لکھا کہ بھیجے ہوئے لوگوں کی تعلیم واحکام کی پذیرائی کریں۔

یہ لوگ سفر طے کر کے بڑمعونہ تک پہنچے جو کہ پانی کا ایک کنواں ہے۔ بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے علاقہ میں نجد کے قریب پس اس جگہ کو انہوں نے لشکر گاہ قرار دیا اور اپنے اونٹ عمرو بن امیہ اور ایک دوسرے انصاری کے سپرد کیے تاکہ وہ چرائیں اس وقت انہوں

نے پیغمبر اکرمؐ کا خط حرام بن ملحان کو دیا تا کہ وہ عامر بن طفیل بن مالک عامری جو عامر بن مالک کا بھتیجا تھا کو قبیلہ کے درمیان لے جا کر عامر کے حوالہ کرے۔ عامر نے قبول نہ کیا اور ایک قول ہے کہ اس نے خط لے کر پھینک دیا۔ حرام نے جب یہ عالم دیکھا تو فریاد کی۔ اے لوگو! میرے لیے امان ہے کہ میں پیغام رسولؐ پہنچاؤں ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ پیچھے سے ایک شخص نے آ کر اسے نیزہ مارا کہ وہ دوسری طرف نکل آیا۔ حرام نے کہا۔

"فزت برب الكعبة"

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا"۔ اس وقت عامر بن طفیل نے قبیلہ سلیم عصیہ۔ رعل اور ذکوان کو جمع کیا۔ بعد اس کے کہ قبیلہ بنی عامر نے ابو براء کی امان دینے کی وجہ سے اس کا ساتھ نہ دیا۔ عامر بن طفیل نے اس جتھے کو لے کر بئر معونہ پر پہنچ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کیا۔ سوائے کعب بن زید کے کیونکہ وہ اس جنگ میں کافی زخم کھا کر گر پڑا تھا۔ کفار نے خیال کہ وہ مارا گیا ہے لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا لیکن وہ بچ نکلا اور خندق میں شہید ہوا اور عمرو بن امیہ کو پکڑ لیا۔ عامر نے اس خیال سے کہ عمرو قبیلہ مضر میں سے ہے اسے قتل نہ کیا اور کہنے لگا کہ میری ماں پر ایک غلام کا آزاد کرنا واجب ہو چکا ہے۔ پس اس نے عمرو کی پیشانی کے بال کاٹ دئے اور اپنی ماں کی نذر کے مقابلہ میں اسے آزاد کر دیا۔ عمرو نے مدینہ کا راستہ لیا۔ جب وہ قرقرہ کے علاقہ میں پہنچا تو اسے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمی ملے جو کہ رسول خداؐ کی امان میں تھے لیکن عمرو کو معلوم نہیں تھا۔ جب وہ سو گئے تو اس نے اپنے ساتھیوں کے خون کے بدلے ان دو عامریوں کو قتل کر دیا۔ جب وہ مدینہ میں آیا اور یہ خبر پیغمبرؐ کو سنائی تو آپؐ نے فرمایا وہ تو میری امان میں تھے۔ ان کی دیت (خون بہا) دینا پڑے گی اور رسولؐ خدا بئر معونہ کے شہداء کی شہادت سے بہت ملول ہوئے۔ ایک ماہ

چالیس دن تک آپ قبیلہ وعل و ذکوان وعصیہ پر نفرین ولعنت کرتے رہے اور ان کے ساتھ قبیلہ بنی لحیان وعضل وقارہ کا اضافہ بھی فرماتے تھے۔ کیونکہ سفیان بن خالد ہذلی لحیانی نے عضل وقارہ کے ایک گروہ کو مکر وحیلہ سے مدینہ بھیجا تھا وہ مدینہ میں آئے اور اظہار اسلام کیا اور دس افراد صحابہ کبار میں سے مثلاً عاصم بن ثابت' مرثد بن ابی مرثد' خبیب بن عدی اور سات افراد دوسرے اپنے ساتھ لے گئے تاکہ وہ قبیلہ کے درمیان شریعت کی تعلیم دیں۔ جب وہ علاقہ رجیع میں پہنچے جو بنی ہذیل کے پانی کی جگہ ہے تو انہیں گھیر لیا اور ان میں سے سات افراد کو قتل کر دیا اور بقیہ تین افراد کو امان دی پھر ان سے بھی دھوکا کیا۔ آخر وہ بھی مارے گئے اور اس سریہ کو سریہ رجیع کہتے ہیں بہر حال حسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے ابو براء کی عہد شکنی کے متعلق اشعار کہے۔ ابو براء اتنا ملول ومحزون ہوا کہ وہ اسی غم واندوہ میں مرگیا اور عامر بن طفیل کو حضرتؐ کی نفرین کی وجہ سے اس کی بیوی سلولیہ کے ایک غدود اونٹ کے غدود کی طرح نکل آیا جس سے وہ ہلاک ہوئی۔

۴ھ میں ہی غزوہ بنی نضیر درپیش ہوا۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بنی نضیر کے یہودی ہزار آدمی تھے اور بنو قریظہ کے یہودی سات سو اور چونکہ بنی نضیر عبداللہ ابن ابی منافق کے ہم قسم تھے لٰہذا ان میں پوری طاقت تھی۔ پس وہ بنی قریظہ پر زیادتی کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے یہ عہد کیا تھا اور اسے سربمہر کیا تھا کہ قبیلہ بنی قریظہ بنی نضیر کا ایک شخص قتل کر دیں تو اس کے خون کا مطالبہ کرنے والی پوری دیت (خون بہا) لیں گے اور قاتل کو قتل بھی کریں گے اور اگر بنی قریظہ کا کوئی شخص قتل کر دیں تو وہ قاتل کے منہ پر تار کول مل کر اسے گدھے پر سوار کر کے پھرائیں گے اور اس سے آدھی دیت ملیں گے اور یہ سب مدینہ میں رہائش پذیر اور رسولؐ خدا کی امان میں تھے بشرطیکہ دشمنوں کو رسول خداؐ کے خلاف نہ ابھاریں اور اعدائے دین کا ساتھ نہ دیں۔ اچانک بنی قریظہ کے ایک شخص نے بنی نضیر کا

ایک آدمی قتل کر دیا۔ مقتول کے وارثوں نے چاہا کہ معاہدہ کی تحریر کے مطابق قاتل کو بھی قتل کریں اور خون بہا بھی لیں۔ اس وقت چونکہ اسلام قوت پکڑ چکا تھا اور یہودی کمزور تھے بنی قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور کہنے لگے یہ معاہدہ تورات کے مطابق نہیں اگر چاہو تو قصاص لے لو ورنہ خون بہا لو بالآخر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ حضرت رسول اکرمؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔ جب یہ مقدمہ آپؐ کے پاس لائے تو حضرتؐ نے اس معاہدہ کو جو تورات سے موافقت نہیں رکھتا تھا ختم کر دیا اور جس طرح بنو قریظہ کہتے تھے آپ کا حکم نافذ ہوا۔ اس سے بنی نضیر ناراض ہو گئے اور انہوں نے یہ دل میں ٹھان لی کہ جب موقع ملے تو وہ دھوکا کریں۔ یہاں تک کہ عمرو بن امیہ کا ان دو عامریوں کو قتل کرنے کا جو حضرت کی امان میں تھے واقعہ پیش آیا۔ حضرتؐ اس ارادہ سے کہ ان دو افراد کا خون بہا بنی نضیر سے لیں یا ان کی اعانت طلب کریں ان کے قلعہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہودی کہنے لگے جیسا آپ حکم دیں ہم ویسا کرنے کے لیے حاضر ہیں لیکن ہماری استدعا ہے کہ آپؐ ہمارے قلعہ میں تشریف لے چلیں اور آج ہمارے ہاں مہمان رہیں۔ حضرتؐ نے قلعہ کے اندر جانا مناسب نہ سمجھا لیکن آپؐ سواری سے اتر کر آئے اور ان کے قلعہ سے پشت لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودی کہنے لگے محمدؐ کبھی اس آسانی کے ساتھ ہمارے ہاتھ نہیں آ سکتے۔ ایک شخص قلعہ کے اوپر جائے اور وہاں سے پتھر آپؐ کے سر پر پھینک دے اور ہمیں ان کی زحمت و تکلیف سے نجات دلائے۔ فوراً جبرائیلؑ نے ان کے منصوبے کی خبر کر دی۔ رسول خداؐ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپؐ مدینہ میں آئے تو محمدؐ بن مسلمہ سے فرمایا کہ بنی نضیر کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے اور اپنے معاہدہ کو توڑ دیا ہے لہٰذا میرے شہر سے نکل جاؤ۔ اگر دس دن کے بعد تم میں سے ایک شخص بھی یہاں نظر آیا تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہودی کوچ کرنے کے لیے تیار

تھے کہ عبداللہ بن ابی نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم میرے قسم ہو قطعاً اپنے گھروں سے باہر نہ جاؤ۔ اپنے قلعے دفاع کے لیے محکم کرلو میں اپنی قوم کے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کے لیے حاضر ہوں۔ اگر جنگ کرو گے تو ہم لڑیں گے اور اگر جانا پڑا تو مل کر جائیں گے۔ ارشاد قدرت ہے:

''الم ترا الی الذین نافقو الیقولون لاخوانھم الخ''

(کیا دیکھتے نہیں ہو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے نفاق کیا وہ اپنے بھائیوں سے کہتے تھے) یہودی اپنے قلعوں کو مضبوط کرنے لگے اور نبی اکرم کو پیغام بھیجا کہ آپؐ کو جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے ہم اپنے گھرں سے باہر نہیں جاتے۔ جب یہ پیغام حضرت تک پہنچا تو آپؐ نے تکبیر کہی اور اصحاب نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پس علم لشکر حضرت امیر المومنینؑ کو دیا اور انہیں آگے بھیج دیا اور خود تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے چلے اور عصر کی نماز بنی نضیر میں جا کر پڑھی اور ان کا محاصرہ کرلیا۔ عبداللہ ابن ابی نے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مثل شیطان کے جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا اور جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں میں تو عالمین کے رب کا خوف رکھتا ہوں۔

یہودی پندرہ دن تک محاصرہ کی تنگی برداشت کرتے رہے۔ حضرت نے حکم دیا کہ ان کے کھجوروں کے درخت جڑوں سمیت اکھاڑ دو۔ سوائے کھجوروں کی ایک قسم کے جسے عجوہ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں اس حکم کی حکمت یہ تھی کہ یہودی اس علاقہ میں رہنے سے دل برداشتہ ہو جائیں جب یہودیوں پر معاملہ سخت ہو گیا تو مجبوراً جلاوطنی کے لیے تیار ہو گئے اور پیغام بھیجا ہمیں امان دیجئے کہ ہم اپنے اموال و اسباب اٹھا کر چلے جائیں۔ حضرتؐ نے فرمایا جتنا بوجھ تمہارے اونٹ اٹھا سکیں اس سے زیادہ نہیں لے جانے دوں گا۔ وہ راضی نہ ہوئے چند دن کے بعد راضی ہو گئے۔ حضرتؐ نے فرمایا چونکہ پہلے تم نے سرتابی کی

تھی۔ اب جو کچھ ہے وہ سب چھوڑ کر چلے جاؤ۔ یہودی ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ اب جان بچانی بھی مشکل ہو جائے گی اور اس پر تیار ہو گئے لیکن اس غصہ میں کہ یہ گھر اب مسلمانوں کے فائدہ کے لیے رہ جائیں گے اپنے ہاتھ سے اپنے گھروں کو خراب کر گئے۔ خداوند عالم فرماتا ہے وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھ اور مومنین کے ہاتھوں خراب کر رہے تھے بس عبرت حاصل کرو۔ اے آنکھوں والوں۔ رسول خداؐ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ انہیں لا دو اور تین تین افراد کو ایک اونٹ اور ایک مشک پانی کی دے دو اور ایک قول ہے کہ ان کے پاس چھ سو اونٹ تھے۔ آپ نے اجازت دے دی جتنا اٹھا سکتے ہیں ان پر لاد کر لے جائیں۔ وہ دف بجاتے اور گاتے ہوئے بازار مدینہ سے گزرے۔ یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہاں سے چلے جانے کا ہمیں کوئی افسوس اور خوف نہیں۔ اس وقت ان کا ایک گروہ شام کی طرف دوسرا اوزعات کی طرف اور تیسرا خیبر کی طرف گیا اور ان کے اموال حضورؐ کے قبضہ میں آگئے کہ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں اور جسے چاہیں عطا فرمائیں۔

پس پیغمبر اسلامؐ نے انصار کو اختیار دیا کہ اگر چاہو تو یہ اموال میں مہاجرین میں تقسیم کرا دوں۔ اور انہیں حکم دوں کہ تمہارے گھروں کو چھوڑ دیں ارا اپنے کام کے خود کفیل ہو جائیں ورنہ تمہیں بھی اس غنیمت میں حصہ دوں اور تمہارا معاملہ کو اپنے گھر لے جائے اور اسے اپنے مال میں شریک قرار دے اور اس کے معاش کا کفیل بنے۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے عرض کیا آپؐ یہ سارا مال فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیں ہم اس پر راضی ہیں اور اس طرح انہیں اپنے گھروں میں بھی رکھے رہیں گے اور اپنے اموال میں انہیں اپنا شریک و حصہ دار سمجھیں گے اور تمام انصار نے ان کا اتباع کیا۔ حضرتؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ خدایا انصار پر رحم فرما۔ انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور یہ آیت کریمہ بھی انہیں کے حق میں نازل ہوئی:

"والذین تبوؤ الدار والایمان...... الخ"

رسولؐ خدا نے وہ مال مہاجرین میں تقسیم کیا اور انصار میں سے سوائے سھل بن حنیف اور ابودجانہ کے اور کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ یہ دونوں مال میں انتہائی تہی دست تھے اور ان کے مرابع (منازل) مزارع (زرعی زمینیں) کنویں اور نہریں امیر المومنینؑ کو بخش دئے اور آنحضرت نے ان کو اولاد فاطمہ علیہا السلام پر وقف کر دیا۔

۵ھ کے حالات وواقعات

۵ھ میں حضرت رسول خداؐ نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا اور اس کے زفاف کے وقت آیت حجاب نازل ہوئی اور ۵ھ میں غزوہ مریسیع واقع ہوا۔ مریسیع ایک کنویں کا نام ہے جہاں بنی مصطلق آکر اترتے تھے اور وہ بنی خزاعہ کا پانی تھا۔ مکہ مدینہ کے درمیان قدید کے علاقہ میں اس غزوہ کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں اور مصطلق جذیمہ بن سعد کا لقب ہے اور وہ خزاعہ کی ایک لڑکی ہے اور اس قبیلہ کا سردار اور قائد حارث بن ابی ضرار تھا اور اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ حارث بن ابی ضرار نے رسول خداؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ایک جماعت کو تیار کر لی تھی۔ جب پیغمبر اکرمؐ کو یہ خبر ملی تو آپؐ نے لشکر تیار کیا اور پیر کے دن شعبان کو مدینہ سے چلے اور ازواج میں سے ام سلمہ اور عائشہ آپ کے ساتھ تھیں۔ راستہ میں ایک خوفناک وادی میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو جبرائیل نازل ہوئے۔ عرض کیا اے رسولؐ خدا کفار جنوں کی ایک جماعت نے اس وادی میں مشورہ کیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر ہو سکے تو آپؐ کے لشکر کو کوئی آزار پہنچائیں۔ پس رسول خداؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کو بلایا اور ان سے جنگ

کرنے کے لیے بھیجا۔ امیر المومنینؑ نے ان پر فتح حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مریسیع کے علاقہ میں پہنچے اور حارث اور اس کی قوم کے ساتھ جہاد کیا۔ صفوان جو کہ مشرکین کا علمبردار تھا' قتادہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک شخص مالک نامی اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ حارث کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے ان پر پیچھے سے حملہ کیا اور ان کے دس آدمی قتل کر دیئے اور مسلمانوں میں سے ایک آدمی شہید ہوا۔ بہر حال تین دن تک جنگ جاری رہی اور کفار کا ایک گروہ مارا گیا۔ کچھ بھاگ گئے اور باقی اسیر ہوئے۔ ان کی دو سو عورتیں بھی قید ہوئیں اور دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑ بکریاں مال غنیمت لشکر کو ملا۔ ان عورتوں میں برہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی بھی تھی جو ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی۔ ثابت نے اس سے کہا کہ وہ اپنی قیمت ادا کر دے اور آزاد ہو جائے۔ برہ نے رسول خداؐ سے خواہش کی کہ مال کتابت میں اس کی اعانت کریں۔ فرمایا ایسا کروں گا اور اس سے بہتر چیز کا' تیرے حق میں دریغ نہیں کروں گا۔ کہنے لگی بہتر کیا ہے۔ فرمایا تیرا مال کتابت ادا کروں اور پھر تجھ سے نکاح کر لوں۔ اس نے عرض کیا کوئی دولت اس کے برابر نہیں۔ آپؐ نے اس کے مال کتابت کی قسط ادا فرمائی اور اسے ثابت بن قیس سے لے لیا اور اس کا نام جویریہ رکھا اور اسے اپنی ازواج کی لڑی میں منسلک کیا۔ مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ جویریہ رسول خداؐ کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے تو کہنے لگے مناسب نہیں کہ رسولؐ کی بیوی کے رشتہ دار قید میں رہیں۔ پس جو عورت بنی مصطلق کی مسلمانوں کی قید میں تھی اسے آزاد کر دیا۔ عائشہؓ نے کہا ہم نے کبھی نہیں سنا کہ یہ فضل و برکت کسی عورت کے رشتہ داروں کو ملی ہو جو جویریہ کے عزیزوں کو نصیب ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ رسول خداؐ جنگ کے بعد چار دن تک اس علاقہ میں رہے پھر واپس چلے اور عبداللہ بن ابی منافق نے کہا:

"لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل"

اگر ہم مدینہ کی طرف پلٹ گئے تو زیادہ عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ یہ اشارہ تھا کہ میں عزت والا ہوں اور معاذ اللہ رسولؐ ذلیل ہیں۔ زید بن ارقم نے جو ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے تھے یہ فقرے سن لیے اور رسول خداؐ سے آ کر بیان کر دئے۔ عبداللہ حضورؐ کے پاس آیا اور قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا اور زید جھوٹ بولتا ہے۔ زید آزردہ خاطر ہوا تو سورہ۔ اذا جاءک المنافقون نازل ہوئی۔ زید کا صدق وسچائی اور ابن ابی کا نفاق واضح ہوا اور اس جنگ سے واپسی میں افک عائشہ کا واقعہ ہوا اور ماہ شوال ۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا اور اس کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قریش نے تمام عرب سے امداد طلب کی تھی اور ہر قبیلہ سے ایک گروہ جمع کیا تھا اور اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ جب رسول خداؐ نے بنی نضیر کے یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا تو ان کی دشمنی حضرتؐ سے زیادہ ہوگئی۔ پس یہودیوں کے بڑے لوگوں سے بیس افراد مثلاً حی بن اخطب سلام بن ابی حقیق کنانہ بن ربیع ھوذہ بن قیس اور ابو عامر راہب منافق مکہ میں گئے۔ اور ابوسفیان اور صنادید قریش میں سے پچاس افراد کے ساتھ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر معاہدہ کیا کہ جب تک زندہ ہیں محمدؐ کے ساتھ جنگ کرنے سے دست بردار نہیں ہوں گے اور اپنے سینے دیوار کعبہ کے ساتھ لگائے اور قسم کھا کر اس معاہدہ کو محکم کیا۔ اس کے بعد قریش اور یہودیوں نے اپنے ہم خیال لوگوں سے مدد طلب کی۔ ابوسفیان نے لشکر جمع کیا پھر وہ چار ہزار جنگی جوانوں کے ساتھ مکہ سے نکلا اور ان کے لشکر کے ساتھ ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ جب مرانظہر ان میں پہنچا تو دو ہزار آدمی قبیلہ اسلم، اشجع، کنانہ، فزارہ اور غطفان سے آئے اور پے در پے اس کو مدد ملتی رہی یہاں تک کہ جب مدینہ پہنچا تو اس کے ساتھ دس ہزار جنگی جوان جمع ہو گئے۔ ادھر جب یہ خبر رسول خداؐ کو پہنچی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سلمانؓ نے عرض کیا کہ ہمارے ملک

میں جب زیادہ لشکر کسی شہر پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ حفاظت کے طور پر اس شہر کے گرد خندق کھود لیتے ہیں تا کہ جنگ کا رخ ایک طرف سے ہو۔ حضرتؐ کو سلمان کی بات پسند آئی اور آپؐ نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ ہر دس آدمیوں کے ذمہ چالیس ہاتھ دوسری روایت کے مطابق دس ہاتھ آئے۔ نبی اکرمؐ خود بھی خندق کھودنے میں ان کی امداد کرتے تھے۔ ایک مہینہ میں خندق کھودنے کا کام ختم ہوا اور اس کے دس دروازے راستہ کے طور پر بنا دئے۔ نبی اکرمؐ نے حکم دیا کہ ہر دروازہ پر ایک مہاجر اور ایک انصار چند افراد کے ساتھ حفاظت کرے اور مدینہ کے حصار کو محکم کیا۔ عورتوں اور بچوں کو مال واسباب کے ساتھ وہاں جگہ دی۔ قریش کے آنے سے تین دن پہلے یہ کام مکمل ہو گیا۔ ادھر سے ابو سفیان نے حی بن اخطب کو بلایا اور کہا اگر نبی قریظہ کے یہودیوں کو محمدؐ سے منحرف کر سکے تو بڑا اچھا ہو گا۔ حی بن اخطب کعب بن اسد کے قلعہ کے دروازے پر آیا۔ کعب قبیلہ بنی قریظہ کا قائد تھا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب دروازہ کھولو میں عزت ابدی لے کر آیا ہوں۔ اشراف قریش اور سب قبائل متحد ہو گئے ہیں اور ابھی دس ہزار جنگی جوان پہنچ رہے ہیں۔ کعب نے کہا ہم نے محمدؐ کے پڑوس میں اچھائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا بے وجہ ہم ان سے معاہدہ کو نہیں توڑیں گے۔ بہر حال حی بن اخطب مکر وحیلہ سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور کعب کے دل کو نرم کر لیا اور قسم کھائی کہ اگر قریش واپس چلے گئے تو میں تیرے قلعہ میں آ جاؤں گا۔ جو مصیبت تجھ پر پڑے گی میں بھی جھیلوں گا۔ اسی وقت عہد نامہ محمدی کو لیا اور پھاڑ ڈالا اور ابوسفیان سے ملا اور اسے اس کی خوشخبری سنائی۔ چونکہ قریظہ کا اس موقع پر عہد شکنی کرنا جب کہ قریش کا لشکر پہنچ چکا تھا مسلمانوں کے لیے بڑی مصیبت تھی تو ان کے دل ٹوٹ گئے۔ پیغمبر اکرمؐ ان کی دل جوئی کرتے اور خدا کی طرف سے وعدہ نصرت دیتے۔ اس وقت لشکر کفار فوج در فوج ایک دوسرے کے پیچھے پہنچ رہا تھا۔ بعض مسلمانوں نے کہ جن کے دل کمزور تھے جب

اس لشکر کثیر کو دیکھا تو ان کی آنکھیں پتھرا گئیں اور ڈر کے مارے ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

"اذجاؤ کم من فوقکم ومن اسفل منکم و اذزاغت الابصار الخ"

بہر حال لشکر کفار خندق دیکھ کر حیران ہوا کیونکہ انہوں نے کبھی خندق نہیں دیکھی تھی۔ پس وہ خندق کے اس پار چوبیس دن تک یا ستائیس دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کیے رہے اور اصحاب پیغمبرؐ محاصرہ کی تنگی میں رنج و پریشانی میں گرفتار تھے۔ کچھ منافقین نے مسلمانوں کو ڈرایا اور سکھایا کہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت کا بہانہ کر کے مدینہ کی طرف جائیں۔ ارشاد قدرت ہے کہ ایک گروہ نبیؐ سے اذن چاہتا ہے یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں وہ تو صرف بھاگنا چاہتے ہیں۔ بہر حال محاصرہ کے دوران جنگ نہ ہوئی سوائے اس کے کہ تیر اور پتھر ایک دوسرے پر پھینکتے تھے۔ پس ایک دن عمرو بن عبدود، نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ، ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب، عکرمہ بن ابی جہل اور مرداس فہری جو سب کے سب بہادر، شجاع اور قریش کے شہسوار تھے وہ خندق کے کنارہ تک آئے اور ایک تنگ جگہ دیکھ کر جست لگائی اور ابوسفیان خالد بن ولید بہادر ان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ خندق کے کنارے لائن لگا کر کھڑے ہو گئے۔ عمرو نے آواز دی کہ تم لوگ بھی آ جاؤ۔ انہوں نے کہا تم اپنا کام کرو اگر ضرورت پیش آئی تو ہم بھی آ جائیں گے پس عمرو نے دیوانہ دیو کی طرح گھوڑے کو جولان دیا اور کچھ دیر میدان کے اردگرد چکر دیا اور گونجا اور مبارز طلب کیا۔ چونکہ عمرو کو فارس یلیل کہتے اور اسے ہزار جوان کے برابر سمجھتے تھے اور صحابہؓ نے اس کی شجاعت کے قصے سن رکھے تھے۔ مجبوراً کان علی رؤسھم الطیر۔ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے اور انہوں نے سر نیچے کر لیے اور عمر ابن خطاب نے عمرو بن عبدود کی شجاعت کے متعلق کچھ باتیں کہیں جن سے

صحابہ کے دل ٹوٹ گئے اور منافق زیادہ سرکش ہوئے۔ جب رسول خداؐ نے سنا کہ عمرو مبارز طلبی کو رہا ہے تو فرمایا کوئی دوست ایسا ہے جو اس دشمن کے شر کو روکے۔ علی مرتضیٰ نے کہا میں میدان میں جاتا ہوں اور اس سے مبارزت کرتا ہوں۔ حضرتؐ خاموش ہو گئے۔ عمرو نے دوبارہ پکارا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو میرے پاس آئے اور نبرد آزمائی کرے اور کہنے لگا اے لوگو! تمہارا خیال ہے کہ تم میں قتل ہونے والے بہشت میں جاتے ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں کیا تمہیں پسند نہیں کہ تمہارا کوئی شخص بہشت کا سفر کرے یا اپنے دشمن کو جہنم میں بھیجے۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو جولان دیا اور کہا کیا کوئی مقابل ہے اتنا پکارا کہ میری آواز بھاری ہے۔ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کون ہے جو اس کتے کو دفع کرے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ امیر المومنینؑ کھڑے ہو گئے اور کہا میں جاتا ہوں اور اسے دفع کرتا ہوں۔ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اے علیؑ یہ عمر بن عبدود ہے۔ علیؑ نے عرض کیا میں علی بن ابی طالب ہوں۔

پس نبی اکرمؐ نے اپنی زرہ جس کا نام زات الفصول تھا امیر المومنینؑ کو پہنائی اور اپنا عمامہ علیؑ کے سر پر باندھا اور ان کے حق میں دعا کی اور انہیں میدان کی طرف روانہ کیا۔ امیر المومنینؑ تیزی سے عمرو کی طرف بڑھے اور فرمایا: امیر المومنینؑ کے اشعار کا مفہوم یہ ہے۔ اے عمرو جلدی نہ کر کیونکہ تیری آواز کا جواب دینے کے لئے وہ آ گیا ہے جو تیرے مقابلہ سے عاجز نہیں جو درست نیت والا راہ حق کا آشنا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ تجھ پر برپا کروں نوحہ، جو جنازوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی شگاف ڈالنے والی ضربت سے کہ جس کا نام جنگوں کے بعد باقی رہ جائے۔ اسی وقت پیغمبرؐ نے فرمایا: برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ. مکمل ایمان مکمل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ پس امیر المومنینؑ نے عمرو کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اپنانے کی دعوت دی۔ یا اسلام قبول

کر لے یا نبی اکرمؐ سے جنگ کرنے سے دست بردار ہو جائے یا گھوڑے سے اتر آئے۔ عمرو نے تیسری چیز کو قبول کیا لیکن اندر ہی اندر وہ امیر المومنینؑ کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈر گیا۔ لہٰذا کہنے لگا اے علیؑ سلامتی کے ساتھ واپس چلے جاؤ کیونکہ ابھی میدان میں آنے والے بہادروں سے لڑنے کا تمہارا زمانہ نہیں آیا:

تیرے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے اور میں اسی سالہ جوان مرد ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے باپ سے میری دوستی تھی لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تمہیں قتل کروں اور میں نہیں سمجھتا کہ تمھارے چچازاد بھائی نے کس بناء پر تمہیں مجھ سے لڑنے کے لیے بھیج دیا ہے حالانکہ مجھ میں یہ قدرت ہے کہ میں تمہیں اپنے نیزہ پر اٹھا کر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دوں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا ان باتوں کو چھوڑ میں دوست رکھتا ہوں کہ تجھے راہ خدا میں قتل کروں۔ پس عمرو گھوڑے سے اتر آیا اور اپنے گھوڑے کو پے کیا اور تلوار سوت کر حضرت امیر المومنینؑ کے سر پر وار کیا اور ایک دوسرے سے سخت جنگ کی کہ زمین گرد وغبار سے تاریک ہوگئی اور دونوں طرف کے لشکر انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بالآخر عمرو نے موقع پا کر حضرت امیرؑ پر تلوار کا وار کیا۔ آپؑ نے سر پر سپر رکھی۔ عمرو کی تلوار نے سپر کو دو ٹکڑے کرتے ہوئے آپؑ کے سر مبارک پر زخم لگایا۔ آپؑ نے زخمی شیر کی طرح تلوار اس کے پاؤں پر ماری اور اس کا پاؤں کاٹ دیا۔ عمرو زمین پر گرا۔ حضرتؑ اس کے سینہ پر بیٹھ گئے تو وہ کہنے لگا اے علیؑ تم بڑی عظیم جگہ پر بیٹھے ہو۔ پھر کہنے لگا جب مجھے قتل کر لو تو میرا لباس نہ اتارنا۔ آپؑ نے کہا کہ یہ بات میرے لیے انتہائی آسان ہے۔ ابن ابی الحدید اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ جب امیر المومنینؑ عمرو سے ضربت کھا چکے اور شیر غضب ناک کی طرح عمرو پر حملہ آور ہوئے اور شمشیر سے اس کا سر پلید تن سے جدا کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا مسلمان آپؑ کے نعرۂ تکبیر سے سمجھ گئے کہ عمرو مارا گیا ہے تو

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی خندق کے دن کی ضربت قیامت تک کے جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ جب عمرو زمین پر گرا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے اور خندق عبور کرنے لگے تو نوفل بن عبداللہ خندق میں گر گیا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھر پھینکے۔ وہ کہنے لگا مجھے اس ذلت سے قتل نہ کرو کوئی آگے بڑھے اور مجھ سے جنگ کرے۔ حضرت امیرالمومنینؑ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور ہبیرہ کی زین کے قربوس پر آپؑ نے ضرب لگائی وہ اپنی زرہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پھر جابر نے کہا کہ عمرو کے قتل ہونے کا واقعہ کس قدر مشابہت رکھتا ہے جناب داؤدؑ کے جالوت کے قتل کرنے سے۔ بہر حال جب جنگ ختم ہوئی تو قریش نے کسی آدمی کو بھیجا کہ وہ عمرو اور نوفل کی لاش مسلمانوں سے خرید کر لے جائیں۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ وہ تمہارا مال ہے ہم مردوں کی قیمت نہیں لیتے۔ جب اجازت مل گئی تو عمرو کی بہن اس کی لاش کے پاس آ بیٹھی تو اس نے دیکھا کہ عمرو کی زرہ کہ جس کی عرب میں نظیر نہیں تھی اس کے باقی ہتھیار اور لباس عمرو کے بدن سے نہیں لیے گئے تو کہنے لگی "**ماقتله الا كفو كريم**" کہ عمرو کو کسی مردِ کریم نے ہی قتل کیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ میرے بھائی کا قاتل کون ہے۔ لوگوں نے بتایا علی بن ابی طالبؑ تو اس نے یہ اشعار کہے:

لوكان قاتل عمرو غير قاتله	لكنت ابكى عليه آخر الابد
لكن قاتله من لا يعاب به	من كان يدعىٰ ابوه بيضة البلد

ترجمہ: "اگر عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں آخر ابد تک اس پر گریہ کرتی لیکن اس کا قاتل وہ ہے کہ جس میں کوئی عیب نہیں پایا جاتا اور جس کا باپ شہر کا سردار تھا۔"

بہر حال قریش کے اس محاصرہ میں اصحاب نبیؐ کا معاملہ بڑا سخت تھا۔ ابو سعید خدری نے خدمت پیغمبرؐ میں عرض کیا جانیں لبوں پر آ گئی ہیں کیا آپ کوئی ایسی دعا تلقین کریں گے کہ جس سے اطمینان حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہو "اللّٰھم ستر عور اتنا و آمن دھوا تنا. منافقین نے زبان طنز و تشنیع دراز کی۔ نبی اکرمؐ مسجد فتح میں تشریف لائے اور دست دعا بلند کر کے عرض کیا یا صریخ المکرو بین الخ اور حق تعالیٰ سے دشمنوں کی شر سے مدد چاہی۔ خداوند تعالیٰ نے ہوا ان پر بھیجی کہ جس نے کفار کے لشکر میں تہلکہ مچا دیا ان کے خیمے اور دیگیں الٹ گئیں اور فرشتے ان کی خیموں کی میخوں کو اکھاڑتے اور ان کی طنابین کاٹتے تھے۔ یہاں تک کہ کفار کو ہول و ہیبت کی وجہ سے فرار بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور مشرکین کے شکست کھانے کا اہم سبب عمرو و نوفل کا قتل ہونا تھا۔ و کفی اللہ المومنین القتال و کان اللہ قویاً عزیز (کفایت کی خداوند عالم نے مومنین کی جنگ کی اور خدا قوی و غالب ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر نبی اکرم رحمتہ للعالمین نہ ہوتے تو یہ آندھی جو احزاب پر چلی تھی باد عقیم سے جو قوم عاد پر آئی تھی شدت سختی میں زیادہ ہوتی۔ حذیفہ سے منقول ہے کہ ابو سفیان نے کہا بہت دیر ہم اس شہر میں رہے ہیں۔ کتنی چوپائے یہاں ضائع کیے ہیں اور کوئی کام بھی نہیں بن سکا۔ یہودیوں نے بھی ہمیں دھوکہ دیا ہے اب دیکھو یہ آندھی ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مکہ کی طرف کوچ کریں اور اس مصیبت سے نجات پائیں۔ یہ کہہ کے چل کھڑا ہوا۔ قریش بھی اٹھے اور اپنا سامان بار کرنے میں مشغول ہوئے اور ابو سفیان سے جا ملے۔

اور ۵ھ میں ہی غزوہ بنی قریظہ پیش ایا اور وہ اس طرح کہ جب نبی اکرمؐ جنگ خندق سے فارغ ہوئے تو فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لا کے غسل فرمایا اور انگیٹھی منگائی تا کہ ہر مل کی دھونی لیں۔ جبرائیلؑ آئے اور عرض کیا۔ کیا آپؐ نے جنگ کے ہتھیار

اتار دئے ہیں حالانکہ ملائکہ ابھی تک لباس جنگ پہنے ہوئے ہیں۔ ابھی جنگ کی تیاری کیجئے اور بنی قریظہ کے یہودیوں پر چڑھائی کیجئے خدا کی قسم میں جا رہا ہوں تا کہ ان کے قلعوں کو مرغ کے انڈے کی طرح پتھر مار کر توڑ دوں۔ پس بلالؓ نے آنحضرتؐ کی طرف سے منادی کی کہ چلو اور نماز عصر بنی قریظہ میں ہو گی۔ پس پندرہ یا ایک قول کی بناء پر پچیس دن ان کے قلعہ کے گرد محاصرہ رہا اور روزانہ تیر اور پتھر سے جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ خدا نے یہودیوں کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور وہ اصحاب کے محاصرہ کی وجہ سے تنگ آ گئے اور اپنے قلعوں سے نیچے آئے اور اپنے حق میں سعدؓ بن معاذ کے فیصلے پر راضی ہوئے۔ سعد نے کہا میرا حکم یہ ہے کہ بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پس ان کے مرد قتل کر دئے گئے اور عورتیں قید کر لی گئیں اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ خداوند عالم کا ارشاد ہوا: و انزل الذین ظاھر وھم من اھل الکتاب من صیا صیھم وقدف فی قلوبھم الرعب فریقا یقتلون وتامرون فریقاً و اورثکم ارضھم و دیارھم و امو الھم و ارضاً لم تطؤھا و کان اللہ علیٰ کل شئٍ قدیراً.

ترجمہ: ''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی انہیں خدا نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان میں سے ایک گروہ قتل ہوا اور ایک گروہ کو تم نے قیدی بنایا اور ان کی زمین اور گھروں کا تمہیں وارث بنایا اور اس زمین کا بھی جسے تم نے نہیں روندا تھا اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔''

سعدؓ بن معاذ کی رگ اکحل پر جنگ خندق میں تیر لگا تھا اور خون نہیں رکتا تھا۔ سعدؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خون رک جائے تا کہ میں بنی قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں

سے دیکھ لوں تو اس وقت زخم کھلے نتیجہ یہ تھا کہ ان کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق ہوا اور اسی زخم سے وہ دار فانی سے چل بسے۔

اور ۵ھ میں ہی چاند گرہن لگا۔ یہودیوں نے شعبدہ بازی کی اور رسول خداؑ نے نماز پڑھی اور اسی سال غزوہ دومتہ الجندل پیش آیا۔ اس علاقہ میں شریر لوگوں کا ایک گروہ اکٹھا ہو گیا تھا جو گزرنے والوں اور قافلوں کو لوٹا کرتا تھا۔ رسول خداؑ ماہ ربیع الاول کی پچیس تاریخ کو ایک ہزار لشکر جرار لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ گئے اور مسلمان ان کے مال و مویشی لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے اور ربیع الثانی کی بیس تاریخ کو مدینہ واپس پہنچے اور دومہ شام سے پانچ منزل دور ایک جگہ ہے جبل طی کے نزدیک اور اس کی مسافت مدینہ تک پندرہ یا سولہ دن ہے چونکہ وہ پتھر سے بنا ہوا ہے۔ اس لیے اسے دومتہ الجندل کہتے ہیں کیونکہ جندل کا معنی پتھر ہے۔

۶ھ کے حالات و واقعات

ایک قول کی بناء پر اسی سال حج خانہ کعبہ فرض ہوا اور یہ آیت کریم نازل ہوئی ''واتموا لحج و العمرۃ للہ'' اور بعض نے کہا ہے کہ وجوب حج نویں سال ہجری میں ہوا اور اسی سال میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اور یہ اس طرح تھا کہ مدینہ میں خبر پہنچی کہ ایک گروہ غطفان بنی محارب انمار اور ثعلبہ کا جنگ کے ارادہ سے لشکر تیار کر رہا ہے۔ نبی اکرمؐ نے ابوذرؓ کو اپنا نائب بنایا اور جمادی الاول کی پندرہ تاریخ کو چار یا سات سو افراد کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں سے ذات الرقاع میں

جا کر پڑاؤ ڈالا۔ جب لوگ آپؐ کے ارادہ سے باخبر ہوئے تو ان کے دل میں بہت خوف پیدا ہوا۔ وہ بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ گزین ہو گئے اور زیادہ دہشت کی وجہ سے اپنی کچھ عورتیں بھی چھوڑ گئے۔ مسلمان وہاں پہنچے اور انہوں نے ان کی عورتوں کو کنیزی میں لے لیا۔ نماز کا وقت آیا تو مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں ہم نماز میں مشغول ہوں تو دشمن ہم پر اچانک حملہ نہ کر دیں کیونکہ دشمن دور و نزدیک سے نظر آ رہے تھے۔ اس وقت پیغمبرؐ نے نماز خوف پڑھی یہ آیت اس مقام پر نازل ہوئی:

"واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک الخ"

(جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو تیرے ساتھ ان میں سے ایک گروہ کھڑا ہو جائے۔ اس غزوہ کے نام ذات الرقاع میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں زخمی ہو گئے تھے تو کپڑوں کے ٹکڑوں سے پاؤں کو باندھے تھے اور ایک قول ہے کہ علم میں ٹکڑے تھے۔ بعض کہتے ہیں جو پہاڑ اس علاقہ میں تھا اس میں مختلف رنگ تھے۔ مثل مرقع کپڑے کے بعض نے اس درخت کا نام یہ بتایا ہے کہ جس کے قریب حضورؐ نے آرام فرمایا تھا۔ اس جنگ میں ایک ایسی عورت کو قید کیا گیا جس کا شوہر موجود نہیں تھا جب اس کا شوہر آیا تو آپؐ کے لشکر کے پیچھے روانہ ہوا۔ جب حضرت ایک مقام پر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کون ہماری پاسبانی کرے گا۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری نے کہا کہ ہم پہرہ دیں گے اور وہ درہ کے سرہانے پر کھڑے ہو گئے اور مہاجر سو گیا اور انصاری سے کہنے لگا تم رات کے پہلے حصہ میں پہرہ دو۔ میں آخری حصہ میں پہرہ دوں گا۔ پس انصاری نماز میں مشغول ہو گیا۔ اس عورت کا شوہر آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے۔ اس نے اس کو تیر مارا اور وہ تیر اس انصاری کے بدن پر لگا۔ انصاری نے تیر کھینچ لیا اور نماز نہ توڑی۔ اس نے دوسرا تیر مارا وہ بھی اس نے کھینچ کر پھینک دیا اور نماز نہ

توڑی۔ پھر اس نے تیسرا تیر امار اوہ بھی کھینچ کر رکوع وسجدے ادا کر کے اس نے سلام پھیرا اور اپنے ساتھی کو بیدار کر کے کہا کہ دشمن آیا ہے۔ اس عورت کے شوہر نے دیکھا کہ وہ مطلع ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ جب مہاجر نے انصاری کا حال دیکھا تو کہا سبحان اللہ پہلے ہی تیر کے وقت تو نے مجھے کیوں نہیں بیدار کیا۔ وہ کہنے لگا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا میں نے نہیں چاہا کہ اس کو توڑوں۔ جب پے در پے تیر آئے ہیں تو میں رکوع میں گیا اور نماز کو تمام کیا اور تجھے بیدار کیا ہے۔ اور خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ رسولؐ کی مخالفت ہو رہی ہے اور پاسبانی میں کوتاہی ہو گی تو میری جان چلی جاتی قبل اس کے کہ میں سورہ کو قطع کرتا۔

وہ مہاجر عمار یاسر تھے اور انصاری عباد بن بشر اور وہ سورہ سورہ کہف تھی۔

۶ھ میں غزوہ بنی لحیان پیش آیا اور لحیان ہذیل بن مدرکہ کا بیٹا تھا اور بنی لحیان دو گروہ تھے عضل اور قارہ چونکہ جس دن سے قبیلہ ہذیل نے عاصم بن ثابت خبیب بن عدی اور دوسرے اشخاص کو قتل کیا اور پیغمبرؐ سے دھوکا کیا تھا۔ حضورؐ کے دل میں یہ بیٹھ گیا کہ انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ پس آپؐ دو سو افراد کے ساتھ ان کی سرکوبی کیلئے مدینہ روانہ ہوئے جب بنی لحیان آپؐ کے ارادہ سے مطلع ہوئے تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ نبی اکرمؐ ایک دو دن ان کے علاقہ میں رہے اور عسفان تک جا کر واپس لوٹ آئے اور سفر کی مدت چودہ دن تھی۔

۶ھ ہی میں غزوہ ذی قرد پیش آیا اور اسے غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں یہ مدینہ کے قریب پانی کا ایک چشمہ ہے اور جنگ کی وجہ یہ تھی کہ رسول خداؐ کی بیس اونٹنیاں تھیں دودھ دینے والی جو غابہ میں چرا کرتی تھیں اور ابوذرؓ ان کے نگہبان و محافظ تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس افراد کی معیت میں انہیں لوٹ لیا اور ابوذرؓ کے بیٹے کو بھی شہید کر دیا اور

قبیلہ غفار کے ایک شخص کو بھی قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو قید کر لیا لیکن وہ عورت ان سے چھپ کر رسول اکرمؐ کی ایک اونٹنی پر سوار ہو کر راتوں رات مدینہ آ پہنچی۔ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو عرض کیا کہ میں نے نذر کی تھی جب میں نے نجات حاصل کر لی تو اس ناقہ کو نحر کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ برا بدلہ ہے جو تو اس اونٹنی کو دے رہی ہے تو اس پر سوار ہو کر آئی ہے اور اس نے تجھے تیرے گھر پہنچا دیا ہے اب چاہتی ہے تو اس کو نحر کرے اور فرمایا:

''لا نذر فی معصية ولا لاحد فيما لا يملك''

گناہ کی نذر ہو سکتی ہے نہ اس مال کی کہ جس کا انسان مالک ہی نہیں۔ بہر حال جب آپ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے آواز دی کہ اے خدا کی جماعت سوار ہو جاؤ پس آپؐ نے سوار ہو کر پانچ سو افراد کے ساتھ یا ایک قول کی بناء پر سات سو کے ساتھ کوچ کیا اور علم مقدادؓ کو دیا اور اسے آگے آگے بھیجا۔ مقدادؓ دشمن کے عقب میں گئے اور ان تک پہنچ گئے پس ابوقتادہ نے مسعدہ کو قتل کر دیا اور سلمہ بن اکوع پیدل پیچھے سے دشمنوں کو مارتا اور کہتا کہ یہ تیر لیتا جا اور جان لے کہ میں اکوع کا بیٹا ہوں اور یہ نامرد اور کمینوں کی موت و ہلاکت کا دن ہے۔ کفار بھاگ کر اس گھاٹی میں چلے گئے کہ جس میں چشمہ ذی قرد تھا۔ انہوں نے چاہا کہ پانی پئیں لیکن پیغمبرؐ کے لشکر کے خوف سے پانی پیئے بغیر وہاں سے **بھاگ کھڑے** ہوئے۔

۶ھ ہی میں رسول خداؐ نے عمرہ کے لئے ماہ ذیقعدہ میں جانے کا ارادہ کیا اور ستر اونٹ قربانی کے لیے ساتھ لیے اور مسجد شجرہ سے احرام باندھا اور ایک ہزار پانچ سو بیس یا چار سو افراد آپؐ کے ہمراہ تھے اور ازواج نبیؐ میں سے ام سلمہؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ جب یہ خبر مشرکین مکہ کو ملی تو انہوں نے مشورہ کیا اور طے کیا کہ پیغمبرؐ کو خانہ خدا کی

زیارت سے باز رکھا جائے اور رسول خداؐ مقام حدیبیہ میں جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے ایک کنوئیں کے پاس لشکر سمیت اترے کہ جس کنوئیں میں پانی کم تھا اور تھوڑی ہی دیر میں کنوئیں کا پانی ختم ہو گیا اور لوگوں نے آنحضرتؐ سے شکایت کی تو آپؐ نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر فرمایا کہ اس کنوئیں میں اس کو نصب کر دو۔ اتنا پانی اس میں سے ابلا کہ تمام لشکر اس سے سیراب ہوا۔ حدیبیہ جو کہ ایک بستی کا نام ہے اصل میں اس کنوئیں کا نام تھا جو وہاں ہے اور وہاں سے مکہ ایک منزل ہے بدیل بن ورقہ خزاعی قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قریش نے اتفاق کیا ہے کہ وہ آپ کو زیارت خانہ کعبہ سے روکیں۔ آپؐ نے فرمایا ہم جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں اور ہم اپنی اونٹ نحر کریں گے اور ان کا گوشت تمہارے لیے چھوڑ جائیں گے اور قریش جو ہمارے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں وہ نقصان میں رہیں گے۔ بدیل کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی آیا۔ آپؐ نے اس سے بھی وہی گفتگو کی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ در پردہ اصحاب پیغمبرؐ کو دیکھتا تھا اور پیغمبرؐ کی حشمت و دبدبہ جو ان کی نظروں میں تھا اس کا مشاہدہ کرتا رہا۔ جب قریش کے پاس پلٹ کر گیا تو کہنے لگا۔ اے لوگو میں کسریٰ و قیصر و نجاشی کے دربار میں گیا ہوں۔ کوئی بادشاہ رعیت اور لشکر کی نگاہ میں اس عظمت کا نہیں تھا جو یہ اپنا لعاب دہن پھینکتے ہیں تو لوگ اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کا پانی لینے کے لیے جان دے دیتے ہیں اور اگر ان کی داڑھی سے کوئی بال گرتا ہے تو وہ برکت کے طور پر اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور جب یہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو ہر ایک اس کے کرنے میں سبقت کرتا ہے اور جب محمدؐ بات کرتے ہیں تو وہ اپنی آواز کو دھیما کر لیتے ہیں اور کوئی

شخص تیز نگاہ سے ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا باوجود اس کے تمہیں وہ ایسی چیز کا حکم دے رہا ہے جس میں تمہاری بھلائی ہے لہٰذا تم اس کی بات کو قبول کرلو خدا کی قسم میں ایسا لشکر دیکھ آیا ہوں جو اپنی جان فدا کر دیں گے یہاں تک کہ تم پر غالب آ جائیں۔ بہر حال حضرتؐ نے عثمان کو مکہ بھیجا تا کہ قریش کو آپؐ کے مقصد سے آگاہ کرے اور مکہ میں جو مسلمان ہیں ان سے کہے کہ کشائش کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔

عثمان مکہ میں گیا اور عثمان کے بعد دس افراد مہاجرین میں سے اور بھی گئے۔ اچانک خبر آئی کہ عثمان ان دس افراد کے ساتھ قتل ہوگیا ہے اور شیطان نے یہ خبر لشکر اسلام میں پھیلا دی۔ آپؐ نے فرمایا یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا۔ جب تک قریش کو اس جرم کی سزا نہ دوں اور ببول کے درخت کے نیچے جو وہاں تھا آپؐ نے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی کہ وہ کہیں جائیں گے نہیں اور جنگ ہوگئی تو جنگ سے دست بردار نہیں ہوں گے اور اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں کہ خداوند عالم سورہ فتح میں فرماتا ہے:

لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ الخ

(بے شک خدا مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تیرے بیعت کر رہے تھے۔ اس بیعت سے قریش کے دلوں میں ایک ہول عظیم پیدا ہوا۔ سہیل بن عمرو اور حفص بن احنف کو انہوں نے بھیجا تا کہ قریش اور آنحضرتؐ کے درمیان مصالحت ہو جائے۔ پس آنحضرتؐ اور سہیل کے درمیان مصالحت ہوگئی اور صلح نامہ لکھا گیا کہ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہیں ہوگی اور طرفین ایک دوسرے کے مال و جان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور ایک دوسرے کے شہروں کی طرف بغیر کسی قسم کے تزاحم اور دہشت کے سفر کریں گے اور کفار میں سے جو مسلمان ہو

جائے اس سے قریش مزاحم نہیں ہوں گے اور جو شخص قریش کے ساتھ معاہدہ کرے مسلمان اس سے بغض و کینہ نہیں رکھیں گے اور آئندہ سال رسول خدا حج و عمرہ ادا کریں گے۔ لیکن مسلمان تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کریں گے اور اپنے ہتھیار نیام میں رکھیں گے اور جو شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر حضرتؐ سے وابستہ ہو چاہے مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپؐ اس کی پذیرائی نہیں کریں اور اسے واپس کریں گے اور آپ اسے اپنی پناہ میں نہیں رکھیں گے۔ صحابہؓ کا ایک گروہ اس صلح سے دل تنگ ہوا اور کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ رسولؐ کا یہ خواب کیوں درست نہیں ہوا کہ آپؐ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے گئے ہیں۔ عمرہ کیا ہے اور خانہ کعبہ کی چابی اپنے ہاتھ میں لی ہے اور مکہ فتح کیوں نہیں ہوا۔ عمر ابن خطاب کے دل سے یہ بات زبان پر آ گئی اور کہنے لگا:

"ماشككت فی نبوة محمد قط الا اليوم الحديبيه"

میں نے آپؐ کی نبوت پر شک کبھی نہیں کیا مگر حدیبیہ کے دن اور پیغمبرؐ سے کہنے لگا کہ ہم کس طرح اس ذلت کے سامنے جھکیں اور اس صلح پر راضی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا میں خدا کا رسولؐ ہوں اور کوئی کام اس کے حکم کے بغیر نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگا کہ آپؐ نے ہم سے کہا تھا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے اور عمرہ بجا لائیں گے وہ کیا ہوا۔ آپؐ نے فرمایا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال یہ کام انجام دیں گے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ تو فرمایا کیوں سیخ پا ہوتے ہو تمہیں دکھ نہ ہو تم خانہ کعبہ کی زیارت کرو گے اور طواف کرو گے جس طرح خدا فرماتا ہے: "لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق"

رسول کے حق و سچ خواب کو خدا نے سچ قرار دیا۔

۷ھ کے حالات وواقعات

فتح خیبر کا بیان

جس وقت رسول اکرمؐ حدیبیہ سے واپس آئے تو سورۃ فتح آپؐ پر نازل ہوئی اور اس میں فتح خیبر کی بشارت تھی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

"واثابھم فتحا قریبا"

اور پلٹی انکی طرف نزدیکی فتح۔ اور اس خیبر کے سات مضبوط قلعے تھے اور وہ ان ناموں کے ساتھ مشہور تھے۔ (۱) ناعم (۲) قموص (۳) کتیبہ (۴) شق (۵) نطاۃ (۶) وطیح (۷) سلالم۔ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد تقریباً بیس دن حضور اکرمؐ مدینہ میں رہے پھر جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور آپؐ ایک ہزار چار سو افراد کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودی جب آپؐ کے ارادہ سے مطلع ہوئے تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ ایک دن خیبر کے لوگ کھیتی باڑی کے کام کے لیے بیلچے اور ٹوکریاں لے کر اپنے قلعوں سے باہر نکلے۔ اچانک ان کی نگاہ لشکر پیغمبرؐ پر پڑی کہ اس لشکر نے قلعوں کے گرد پڑاؤ ڈالا ہوا ہے چیخ کر کہنے لگے خدا کی قسم یہ محمدؐ اور اس کا لشکر ہے یہ کہہ کر اپنے قلعوں میں بھاگ گئے۔ جب نبی اکرمؐ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا اللہ اکبر خیبر خراب و برباد ہوا۔ ہم جب کسی قوم کی ڈیوڑھی پر اتر پڑتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری حالت میں کٹتی ہے۔ دوسری طرف یہودی جنگ کے لیے تیار ہوئے اور انہوں نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ کتیبہ میں اکٹھے کر دیئے اور چوپاؤں کی گھاس اور اپنا خرچہ اور خوراک قلعہ ناعم میں جمع کر دیا اور سخت قسم کا حصار کھینچ دیا اور جنگی جوان قلعہ نطاۃ میں آ گئے۔ حباب بن منذر نے عرض

کیا کہ یہودی کھجور کے درختوں کو اپنی اولاد اور اہل وعیال سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ اگر آپؐ درختوں کو کاٹنے کا حکم دے دیں تو یہ زیادہ رنج واندوہ میں پڑ جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ پس صحابہؓ نے چار سو درخت کاٹ دیئے۔ بہر حال مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ جنگ کی اور کچھ قلعے فتح کر لیے اور قلعہ قموص کا محاصرہ کیا۔ وہ قلعہ سخت اور محکم تھا۔ حضرت رسول اکرمؐ دردِ شقیقہ میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے میدان میں نہ آ سکے۔ ہر روز ایک صحابی علم لے کر جاتا اور مبارزت کرتا اور شام کو فتح کیے بغیر واپس لوٹ آتا۔ ایک دن ابو بکر علم لے کر گیا اور شکست کھا کر واپس آیا۔ دوسرے دن عمر علم لے کر گیا اور وہ بھی شکست کھا کر واپس آیا جیسا کہ ابن ابی الحدید جو اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔ فتح خیبر کے متعلق قصیدہ کہتا ہے:

و ان انس لا انس الذین تقدما		وفرّ هما و الفرقد علما خوب
والفریة العظمیٰ وقدذھا بھا		ملا بس زل قوتھا وجلا بیب
لیشلھما من آل موسیٰ شمردل		طویل نجاد السیف اجید یعبوب
عذرتکما ان الحمام لمبغض		و ان بقاء النفس لنفس محبوب

نوٹ: (یہاں پر ان اشعار کا ترجمہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔)

شام کے وقت جب عمر واپس آیا تو نبی اکرمؐ نے فرمایا البتہ یہ علم کل ایسے شخص کو دوں گا جو کرار وغیر فرار ہوگا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اس کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور خداوند عالم اس کے ہاتھ پر خیبر فتح کرے گا۔ دوسرے دن صحابہ جمع ہوئے اور تمام کے تمام یہ خواہش رکھتے تھے کہ یہ دولت عظمیٰ ہمیں میسر ہو۔ آپؐ نے فرمایا: "علیؑ کہاں ہیں؟" عرض کیا گیا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں اور اٹھ نہیں سکتے۔ آپؐ

نے فرمایا ''انہیں لے آؤ۔'' سلمہ بن اکوع گیا اور آپؑ کا ہاتھ پکڑ کر پیغمبر اکرمؐ کے پاس لے آیا۔ حضرتؐ نے آپؑ کا سر اپنے زانو پر رکھ کر لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا۔ اسی وقت آپؑ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ حسان بن ثابت نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے:

وکان علی ارمد العین یبتغی	دواء فلما لم یحس مدا دیا
شفاه رسول اللّٰه منه بتغله	فبورك مرقبا و بورك راقیا
وقال ساعطی الرایة الیوم صارما	لیّاً محباً للرسول موالیا
یحب الهی و الاله یحبه	به یفتح اللّٰه الحصون الاوابیا
فاصفی بها دون البریة کلها	علیا و سماه الوزیر الموخیا

ترجمہ: ''اور علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے اور اس کی دوا چاہتے تھے لیکن کوئی علاج کرنے والا نہ تھا۔ ان کو رسولؐ نے اپنے لعاب دہن سے شفا بخشی۔ پس لعاب دہن جس میں ڈالا گیا اور جس نے ڈالا دونوں بابرکت تھے اور فرمایا عنقریب آج ایسے شمشیرزن بہادر کو علم دوں گا جو رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور میرے معبود کا دوست ہے اور خدا بھی اسے دوست رکھتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خدا سخت قلعوں کو فتح کرے گا۔ پس علیؑ کا انتخاب کیا سب لوگوں کو چھوڑتے ہوئے اور ان کا نام وزیر بھائی چارہ رکھنے والا رکھا۔''

پس علم امیر المومنینؑ کو دیا۔ امیر المومنینؑ علم لے کر دوڑتے ہوئے قلعہ قموص تک پہنچے۔ مرحب ہر روز کی عادت کے مطابق قلعہ سے باہر نکلا اور مست ہاتھی کی طرح میدان میں آیا اور رجز پڑھے:

قد علمت خیبرانی مرحب شاکی المسلاح بطل مجرب

''خیبر والے جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ مکمل جنگ کے ہتھیاروں سے

آراستہ تجربہ کار بہادر ہوں''

امیر المومنینؑ غضبناک شیر کی طرح اس کی طرف بڑھے اور فرمایا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ ضرغام آجام ولیث قسورہ

''میں وہ ہوں جسکا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا اور بیشہ کا شیر ہوں''

جب مرحب نے یہ رجز امیر المومنینؑ سے سنا تو اسے اپنی دایہ کی بات یاد آئی جس نے اس سے کہا تھا کہ تو ہر شخص پر غالب آئے گا سوائے اس کے جس کا نام حیدر ہوگا۔ اگر تو نے اس سے جنگ کی تو مارا جائے گا۔ لہٰذا مرحب بھاگ کھڑا ہوا۔ شیطان ایک یہودی عالم کی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا حیدر تو بہت سے ہیں تو کیوں بھاگ رہا ہے۔ پس مرحب تیزی سے واپس لوٹا اور چاہا کہ جلدی سے حملہ کرے اور حضرتؑ کے زخم لگائے لیکن امیر المومنینؑ نے اسے مہلت نہ دی اور ذوالفقار کی ایک ضربت سے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد ربیع ابن ابی الحقیق جو اپنی قوم کا نمایاں فرد تھا اور خیبر کا رہنے والا عنتر جو بہادری اور قوت میں مشہور تھا اور مرۃ و یاسر وغیرہ جو یہودیوں میں سے بہادر لوگ تھے ان سب کو قتل کیا۔ یہودی شکست کھا کر قلعہ قموص کی طرف بھاگے اور بڑی مضبوطی سے دروازہ بند کر لیا۔ امیر المومنینؑ تلوار لیے ہوئے دروازے کے پاس آئے اور اس کو پکڑ کر جھنجوڑا کہ پورا قلعہ لرز اٹھا۔ صفیہ بنت حی ابن اخطب اپنے تخت سے منہ کے بل زمین پر گر پڑی اور اس کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ حضرتؑ نے وہ دروازہ اکھاڑ کر اس کو اپنی سپر بنا لیا اور اس طرح تھوڑی دیر لڑتے رہے۔ یہودی بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے خندق پر اس دروازہ کا پل بنا دیا اور خود خندق میں کھڑے ہو گئے۔ تمام لشکر کو اس پل پر سے گزارا۔ پھر اسے اپنے پیچھے کی طرف چالیس ہاتھ کے فاصلے پر پھینک دیا۔ چالیس آدمی اس دروازہ کو حرکت نہ دے سکے۔

روایت ہے کہ فتح خیبر کے دن جعفر بن ابی طالبؑ سے واپس آئے اور رسولؐ خدا ان کے آنے سے خوش ہوئے اور انہیں نماز جعفر طیار سکھائی۔ حضرت جعفر طیار آپؐ کے لیے حبشہ سے کچھ ہدیے لائے تھے جن میں عطر اور لباس تھے اور ان میں ایک زرتار چادر بھی تھی جو آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ کو عطا فرمادی۔ آپؑ نے اس میں سے سونے کے تار الگ کیے جو ہزار مثقال تھے۔ آپ نے ان تاروں کو مدینے کے فقیروں میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ ۷ھ ہی میں عمرۃ القضا واقع ہوا اور وہ اس طرح کہ جب آپؐ خیبر سے واپس آئے تو مکہ کی زیارت کا قصد کیا اور ذیقعد کے مہینے میں حکم دیا کہ اصحاب مکے کے سفر کی تیاری کریں اور عمرہ حدیبیہ کی قضا کریں۔ پس وہ لوگ جو حدیبیہ میں موجود تھے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ عازم مکہ ہوئے۔ انہوں نے ہتھیاروں کے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے بھی اپنے ہمراہ لیے تاکہ اگر قریش عہد شکنی کریں تو ہتھیار کام دے سکیں۔ وہ ہتھیار انہوں نے چھپا رکھے تھے۔ آنحضرت قصویٰ نامی ناقہ پر سوار ہوئے اور کچھ اصحاب پیادہ اور کچھ سوار آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ اور تلواریں غلافوں میں حمائل کیے ہوئے تھے۔ یہ سب تلبیہ کہتے ہوئے ثنیّہ حجون سے مکے میں داخل ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے آپؐ کے ناقہ کی مہار تھام رکھی تھی۔ حضرت پیغمبر اسلامؐ اسی طرح مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور سواری پر طواف کیا اور جو چھڑی آپ کے ہاتھ میں تھی اس سے استلام حجر اسود فرمایا اور آپؐ نے حکم دیا کہ صحابہ طواف کی حالت میں قوت کا مظاہرہ کریں تاکہ کافر مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں اور یہ دوڑنے اور تیزی سے چلنے کا حکم مکے کے زائروں کے لیے اسی دن سے برقرار ہے۔ آپؐ تین روز تک مکے میں رہے پھر واپس لوٹ آئے۔ ۷ھ ہی میں رسول اکرمؐ نے ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ زفاف کیا۔ وہ پہلے عبداللہ ابن جحش کی بیوی تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھیں۔ دونوں میاں

بیوی حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ حبشہ میں ان کا شوہر عیسائی ہو کر مر گیا تھا لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں یہاں تک کہ ام حبیبہؓ کی خواستگاری کا خط رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نجاشی کو پہنچا۔ نجاشی نے ایک مجلس ترتیب دی۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب اور باقی مسلمانوں کو جمع کیا اور رسول خداؐ کی وکالت کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا نکاح ام حبیبہ کے ساتھ پڑھا۔ حضرت ام حبیبہؓ کی طرف سے خالد بن سعید بن عاص وکیل تھے۔ نکاح کے وقت نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا: الحمد اللہ الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار اشھدان لا الہ الّا اللّٰہ و ان محمداً عبدہُ و رسولہ‘ و انہ الذی بشربہ عیسیٰ ابن مریم اما بعد فان رسول اللّٰہ کتب الی ان ازوجہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان فاحببت الی ما دعا ھا الیہ رسول اللّٰہ و اصد قتھا اربعمأۃ دینار" پھر اس نے حکم دیا کہ چار سو دینار حق مہر حاضر لیا جائے۔ پھر حضرت خالد ابن سعید نے کہا: الحمد اللّٰہ احمدہ و استعینہ و استغفرہ و اشھد اٗن لا الہ الا اللّٰہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ ارسلہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون اما بعد فقد احببت الیٰ دعا الیہ رسول اللّٰہ و زوجت ام حبیبہ بنت ابوسفیان تبارک اللّٰہ لرسولہؐ۔ پھر حضرت خالد نے رقم اٹھالی۔ نجاشی نے حکم دیا کہ کھانا حاضر کیا جائے۔ تمام اہل مجلس نے کھانا کھایا اور پھر رخصت ہو گئے۔

8ھ کے حالات وواقعات

۸ھ میں جنگ موتہ پیش آئی۔ وہ علاقہ بلقاء کی ایک بستی ہے جو شام میں ہے۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ رسول اکرمؐ نے حضرت حارث ابن عمیر ازدی کو خط دے کر حاکم

بصریٰ (یہ شام کے علاقہ میں ایک قصبہ ہے) کے پاس بھیجا۔ جب وہ موتہ پہنچے تو شرجیل بن عمرو غسانی جو دربار قیصر کے بڑے لوگوں میں سے تھا ان کے سامنے آیا اور حضرت حارث کو قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول خداؐ کو پہنچی تو آپؐ نے حکم دیا کہ جنگ کے لئے لشکر تیار کیا جائے اور وہ جرف میں جائے۔ آپؐ خود بھی مقام جرف تک تشریف لے گئے۔ لشکر آپؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے لشکریوں کی تعداد شمار کی تو وہ تین ہزار نکلی۔ آنحضرتؐ نے سفید علم تیار کیا اور اسے حضرت جعفر طیار کے ہاتھ میں دے کر انہیں امیر لشکر مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ جعفر کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے اور عبداللہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو اختیار ہے جسے چاہیں امیر لشکر بنا لیں۔ ایک یہودی موجود تھا وہ کہنے لگا اگر آپ پیغمبرؐ ہیں اور آپؐ کی بات سچی ہے تو ان اشخاص میں سے کہ جن کا آپؐ نے نام لیا ہے کوئی ایک بھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔ کیونکہ انبیائے بنی اسرائیل اگر اس طرح سو آدمیوں کا نام بھی لیتے تب بھی وہ تمام شہید ہو جاتے۔ حضرتؐ نے حکم دیا کہ جس جگہ حارث کو شہید کیا گیا تھا وہاں جائیں اور کافروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کریں۔

پس مسلمان راستہ طے کر کے موتہ پہنچے۔ یہ خبر شرجیل کو ملی تو اس نے قیصر سے بڑی کمک مانگی۔ اس نے ایک لاکھ کے قریب فوج بھیجی جو اصحاب رسولؐ سے لڑنے کے لیے آئی۔ مسلمان جو شہادت کے خواہش مند تھے اور جنت میں جانے کی تمنا رکھتے تھے۔ وہ دشمن کی کثرت سے قطعاً مرعوب نہ ہوئے اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف بستہ ہو گئے۔ حضرت جعفر طیار اپنی صف سے آگے بڑھے اور پکار کر کہنے لگے۔ ”اے لوگو! گھوڑوں سے کود پڑو اور پیدل جنگ کرو“۔ یہ بات آپ نے اس لیے کہی تا کہ مسلمان پیادہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

پس آپ گھوڑے سے اترے اور آپ نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور علم لے کر ایک طرف سے حملہ آور ہونے لگے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور کافر گروہ در گروہ حملہ آور ہونے لگے۔ انہوں نے حضرت جعفر کے اردگرد حلقہ بنالیا اور تلواروں کے وار کرنے لگے۔ پہلے حضرت جعفر کا دایاں بازو قلم کیا۔ انہوں نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسی حالت میں جنگ جاری رکھی۔ پچاس کے قریب زخم ان کے جسم کے سامنے کی سمت آئے۔ پھر ان کا بایاں بازو بھی قلم ہو گیا۔ اس حالت میں بھی وہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم کو بلند کیے رہے۔ ایک کافر نے آپ کی کمر پر تلوار ماری اور انہیں شہید کر دیا۔ اب علم سرنگوں ہوا تو حضرت زید بن حارثہ نے علم اٹھالیا' جنگ کی اور جام شہادت پیا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور جہاد کر کے شہید ہوئے۔ حضرت جعفر کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ لوگ مختلف درختوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں اور جعفر ایک درخت سے خلق ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک دن جعفر سے فرمایا۔ تم خلقت اور خلق میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔ ابن بابویہ نے حضرت امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ خداوند عالم نے رسول اکرمؐ کی طرف وحی کی کہ میں جعفر بن ابی طالبؑ کی چار صفتوں کی قدر کرتا ہوں اور انہیں پسند کرتا ہوں۔ پس آنحضرتؐ نے جعفر کو بلایا اور ان سے چار چیزوں کے متعلق سوال کیا تو جعفر نے عرض کیا کہ اگر خدا نے آپؐ کو خبر نہ دی ہوتی تو میں ان باتوں کو ظاہر نہ کرتا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ جھوٹ بولنا جواں مردی اور مروت کے لیے مضر ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی عورت سے زنا نہیں کیا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں کسی کے حرم سے زنا کیا تو کوئی شخص میرے حرم سے زنا کرے گا۔ نیز میں نے کبھی

کسی بت کی پرستش نہیں کی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جب یہ سنا تو آنحضرتؐ نے جعفر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تم اس لائق ہو کہ خدا تمہیں دو پر عطا کرے کہ جن سے تم ملائکہ کے ساتھ پرواز کرو۔ حدیث سجاد میں ہے کہ رسول اللہ پر کوئی دن جنگ احد والے دن سے زیادہ سخت نہیں تھا کیونکہ اس دن آپؐ کے چچا حمزہ اللہ اور رسولؐ کے شیر شہید ہوئے تھے اور احد کے بعد موتہ کا دن تھا جس دن آپ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر ابن ابی طالبؑ شہید ہوئے۔

تذکرۂ جنگ ذات السلاسل

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یابس کے رہنے والے بارہ ہزار سوار جمع ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے سے عہد کیا کہ وہ محمدؐ اور علی علیہما السلام کو قتل کریں گے۔ جبرائیلؑ امین نے یہ خبر پیغمبرؐ اسلام کو پہنچائی اور آنحضرتؐ کو خدا نے یہ حکم دیا کہ ابوبکر کو چار ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لئے بھیجیں۔ پس آنحضرتؐ نے چار ہزار سوار کے ساتھ ابوبکر کو ان سے لڑنے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا اگر قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کر کے ان کے مردوں کو قتل کرنا اور عورتوں کو قیدی بنانا۔ یہ حکم پا کر حضرت ابوبکر روانہ ہوئے اور لشکر کو آہستہ آہستہ لے چلے۔ یہاں تک کہ وادی یابس میں پہنچ گئے اور انہوں نے دشمن کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ اسی اثناء میں لشکر کفار کے دو سوار ہتھیار لگائے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہنے لگے قسم ہے لات وعزیٰ کی اگر رشتہ داری مانع نہ ہوں تو تجھے تیرے ساتھیوں سمیت اس طرح قتل کرتے کہ دیر تک یہ بات یادگار رہتی۔ بہتر ہے کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اور عافیت کو غنیمت جانو کیونکہ ہمیں تم

سے کوئی سروکار نہیں ہم محمدؐ اور اس کے بھائی علیؑ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ پس ابوبکر نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ واپس لوٹ آئے۔ وہ لشکر لے کر رسول خداؐ کی خدمت میں واپس آ گیا۔ حضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ تو نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے۔ جو کچھ میں نے تجھ سے کہا تھا اس پر عمل نہ کر کے خدا کی قسم تو میرا نافرمان ہوا ہے۔ پھر آپؐ نے عمر کو ابوبکر کی جگہ مقرر کیا اور اس لشکر کے ساتھ وادی یابس کے لیے روانہ کیا۔ اس نے بھی وہی کیا جو ابوبکر نے کیا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ عمر ابن عاص کو بھی رسول اللہؐ نے امیر لشکر بنا کر بھیجا اور وہ بھی ناکام لوٹ آیا۔ اس کے بعد حضرت رسول اکرمؐ نے امیرالمومنینؑ حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور انہیں وہی حکم دیا جو ابوبکر و عمر کو اس سے قبل دیا تھا اور آپؑ فتح حاصل کریں گے۔ امیرالمومنینؑ مہاجرین وانصار کا لشکر ساتھ لے کر اس علاقہ کی طرف گئے اور ابوبکر وعمر کی رفتار کے برعکس تیزی کے ساتھ چلے یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے لشکر کفار اور یہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ آپؑ نے لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں دوسو افراد مسلح ہو کر لشکر کفر میں سے آئے اور حضرتؑ سے کہنے لگے آپؑ کون ہیں فرمایا میں علی ابن ابی طالبؑ پیغمبر خداؐ کا چچازاد بھائی ہوں۔ تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں تا کہ تم مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو آپؑ ہی کی تلاش میں تھے اب آپؑ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں ہم آپؑ کو اور آپؑ کے ساتھیوں کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ ہماری اور آپؑ کی وعدہ گاہ کل صبح کا وقت ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا تم پر وائے ہو تم ہمیں اپنے لشکر کی کثرت سے ڈراتے ہو میں خدا ملائکہ اور مسلمانوں کی مدد کا خواہاں ہوں "**لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**۔" جب رات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرو انہیں جو کھلاؤ اور زین کس کر تیار رکھو۔ جب صبح ہوئی

تو آپ نے اول وقت نماز صبح ادا کی اور ابھی سپیدہ سحری نمایاں بھی نہیں ہوا تھا کہ آپؐ نے ان پر چڑھائی کا حکم دے دیا اور ابھی آپؐ کے لشکر کا آخری حصہ میدان جنگ میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ کفار کے جنگی جوان ختم ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا گیا۔ ان کا مال بطور مال غنیمت لے لیا گیا اور لشکر ان کا مال و اسباب لے کر واپس آ گیا۔ پروردگار عالم نے سورہ والعادیات اس واقعہ کے متعلق نازل فرمائی۔ ''والعادیات ضبحاً.'' قسم ہے ان دوڑنے والے گھوڑوں کی جو دوڑتے وقت سانس لیتے ہیں۔ ''فالموریات قدحاً'' دوڑتے وقت جن کے سم پتھروں سے چنگاری نکالتے ہیں۔ علی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ وہاں کی زمین میں پتھر زیادہ تھے اور جب گھوڑوں کے سم ان پتھروں پر پڑتے تھے تو ان سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ ''فالمغیرات صبحاً'' قسم ان کی جو صبح کے وقت حملے کر رہے تھے۔ ''فاثرن به نقعًا فوسطن به جمعاً.'' پس اس قبیلے کے قریب غبار اڑاتے تھے اور کافروں کے ایک گروہ کو انہوں نے وہاں گھیرے میں لے لیا تھا۔ ''ان الانسان لربه لكنود وانه علىٰ ذالک لشهيد. و انه لحب الخير لشديد. بے شک انسان اپنے پروردگار کا ناشکر گزار ہے اور کنجوسی اور کفران نعمت پر خود گواہ ہے اور محبت و زندگانی میں سخت ہے۔ افلا يعلم اذا بعثر مافي القبور. وحصّل مافي الصد. وان ربهم يومئذٍ لخبير. کیا انسان نہیں جانتا کہ جس دن قبروں سے مردے نکالے جائیں گے اور دلوں کی راز آشکار کیے جائیں گے بیشک ان کا پروردگار اس روز ان کے افعال سے باخبر ہو گا۔ روایت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے پاس کپڑے کی ایک پٹی تھی۔ جب آپؑ کسی جنگ پر تشریف لے جاتے تو اس کو باندھ لیتے تھے۔ جب اس جنگ کے لیئے جانے لگے تو حضرت فاطمہؑ کے پاس آئے اور وہ پٹی مانگی۔ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ میرے باباؐ آپؑ کو کہاں بھیج رہے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا وادی الرمل کی طرف۔ حضرت فاطمہؑ اس

خطرناک سفر کی خبر سن کر رونے لگیں۔ اسی اثناء میں جناب رسول خداؐ تشریف لائے اور جناب فاطمہؑ سے پوچھا کیوں رو رہی ہو کیا تمہیں ڈر ہے کہ کہیں تمہارے شوہر شہید نہ ہو جائیں۔ انشاءاللہ وہ شہید نہیں ہوں گے۔ جناب امیرؑ نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا آپؐ نہیں چاہتے کہ میں شہید ہوکر جنت میں جاؤں۔ یہ عرض کر کے جناب امیرؑ روانہ ہوئے اور رسول اللہؐ ان کے ساتھ ساتھ ان کی مشایعت کیلئے مسجد احزاب تک تشریف لے گئے اور جناب امیرؑ جب آئے تو رسول اکرمؐ ان کے استقبال کے لئے صحابہ کے ہمراہ باہر تک تشریف لے گئے اور صحابہ راستے کے دونوں طرف صف بستہ کھڑے ہو گئے اور شاہ ولایت کی نظر خورشید رسالت پر پڑی تو گھوڑے سے اتر گئے اور تیزی سے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے قدموں کو چوما۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اے علیؑ! سوار ہو جاؤ کہ خدا اور رسولؐ تم سے راضی ہیں۔'' امیرالمومنین علیؑ کے فرط مسرت سے آنسو نکل آئے اور وہ اسی طرح اپنے گھر میں آ گئے اور مسلمان اپنا اپنا مال غنیمت لے گئے۔

آنحضرتؐ نے لشکر کے لوگوں سے سوال کیا کہ تم نے امیر لشکر کو کیسا پایا؟ کہنے لگے یارسول اللہؐ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی لیکن ایک عجیب بات دیکھی کہ جس نماز میں بھی ہم نے ان کی اقتدا کی ہے اس میں انہوں نے سورہ قل ہواللہ کی تلاوت کی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ آپ نے اپنی واجب نمازں میں سوائے قل ھواللہ کے اور کوئی سورۃ کیوں نہ پڑھی۔ آپؑ نے عرض کیا یارسول اللہؐ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سورۃ کو زیادہ پسند کرتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا خدا بھی تم کو دوست رکھتا ہے جس طرح تم اس سورۃ کو دوست رکھتے ہو۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت کا ایک گروہ آپؑ کے متعلق وہی کچھ کہے گا جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے تو میں آج آپؑ کی شان کے بارے میں کچھ باتیں ایسی کہتا جس کو سن لینے کے بعد جس گروہ

کے پاس سے بھی آپؑ گزرتے تو وہ گروہ آپؑ کے پاؤں کے نیچے کی مٹی برکت کے طور پر اٹھا لیتا۔ (نوٹ) کہ اس جنگ کو ذات السلاسل اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت امیرؑ نے جب دشمن پر فتح حاصل کی تو ان کے اکثر مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا اور جو مرد باقی تھے ان کو رسیوں اور زنجیروں سے باندھ دیا۔ اس لئے اسے ذات السلاسل کہتے ہیں۔ جہاں جنگ ہوئی تھی وہ مقام مدینہ سے پانچ منزل پر واقع ہے۔

فتح مکہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی اس کی شرائط میں یہ بات داخل تھی کہ دونوں طرف کے پڑوسیوں اور ہم خیال لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ قبیلہ بنی بکر اور کنانہ قریش کے حلیف تھے اور بنی خزاعہ اصحاب پیغمبرؐ کے ہم خیال اور حلیف تھے۔ بنی بکر اور خزاعہ کے درمیان بڑی سخت دشمنی تھی۔ ایک دن بنی بکر کا ایک شاعر پیغمبر اسلامؐ کی ہجو میں اشعار پڑھ رہا تھا بنی خزاعہ کے ایک غلام نے سن لیا۔ اس نے اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔ اس غلام نے اس کی زبردست پٹائی کر دی۔ بنی بکر اپنے شاعر کی مدد کے لئے بنی خزاعہ سے لڑنے کے لئے اکٹھے ہو گئے اور قریش سے مدد چاہی۔ کفار قریش نے پیغمبرؐ سے جو معاہدہ کیا تھا وہ توڑ دیا اور بنی بکر کی مدد کی انہیں اسلحہ وغیرہ دیا اور ایک گروہ ان کے ہمراہ ہو گیا اور بنی خزاعہ پر شب خون مارا۔ اس لڑائی میں بنی خزاعہ کے بیس آدمی قتل ہو گئے۔ یہ خبر جب پیغمبر اسلامؐ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں بنی خزاعہ کی ضرور مدد کروں گا۔

پس آپؐ نے لشکر جمع کرنے کیلئے کسی فرد کو قبائل عرب کی طرف بھیجا اور یہ پیغام

بھیجا کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو مسلح ہو کر مدینہ پہنچ جائے اور جو لوگ مدینے میں تھے انہیں جنگ کی تیاری کا حکم دیا گیا اور راستوں میں نگہبان مقرر کر دئے تاکہ یہ خبر مکے نہ پہنچے۔ احاطب ابن ابی بلتعہ نے قریش کو خط لکھا اور انہیں پیغمبرؐ خدا کے ارادہ کی اطلاع دی اور وہ خط سارا نامی ایک عورت کو دیا کہ وہ قریش تک پہنچا دے۔ سارا نے وہ خط اپنے گیسوؤں میں چھپالیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ جبریلؑ نے یہ خبر پیغمبر اسلامؐ کو دے دی۔ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ اس عورت کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ اس سے یہ خط لے کر آجائیں۔ امیر المومنینؑ نے ہر چند اس عورت سے خط طلب کیا مگر اس نے کہا کہ میرے پاس خط نہیں ہے۔ حضرتؑ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا خط نکال ورنہ میں تجھے قتل کرتا ہوں۔ جب سارا نے یہ دیکھا تو اس نے خط نکال کر حضرتؑ کے حوالے کر دیا اور آپؑ وہ خط لے کر رسول اللہؐ کے پاس آئے اور ان کے حوالے کیا۔ رسول خداؐ نے حاطب سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ قریش پر احسان کروں تاکہ وہ اس کی وجہ سے میری اہل وعیال کی حمایت کریں۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھاالذین آمنوا لا تتخذ و عدوی وعدو کم اولیاء.

''اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ''

بہر حال دوسری یا دسویں ماہ رمضان کو آپؐ مدینہ سے دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ منزل عنفان میں آپؐ نے پانی کا پیالہ نوش فرمایا اور اس کے بعد ورود مکہ تک آپؐ نے روزہ نہیں رکھا۔ جابر کہتے ہیں جب پیغمبرؐ نے پانی پیا تو لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ تو روزے سے ہیں۔ اس کے جواب میں آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا وہ نافرمان اور گنہگار ہیں۔ اسی اثناء میں یہ اتفاق ہوا

کہ رسولؐ خدا کے چچا عباس اپنے اہل وعیال سمیت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف آتے ہوئے بیوت سقیا یا مقام ذوالحلیفہ میں آنحضرتؐ سے آملے۔ آنحضرت ان کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق عباس نے اپنے اہل وعیال کو مدینہ بھیج دیا اور خود حضرت کے ہمراہ ہوگئے۔ آنحضرتؐ راستہ طے کرتے ہوئے مکے سے چار فرسخ دور تک آئے اور منزل مرالظہر ان میں آپؐ نے نزول اجلال فرمایا۔ عباس ابن عبدالمطلبؓ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ لشکر مدینہ میں پہنچ گیا تو قریش میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ لہٰذا انہوں نے چاہا کہ مقام اراک تک جاؤں شاید کوئی آدمی مل جائے۔ پس رسولؐ خدا کے خاص خچر پر سوار ہوکر وہ اراک پہنچے۔ وہاں انہوں نے دفعتاً ابوسفیان اور بدیل بن ورقہ کی آواز سنی جو ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ عباس نے ابوسفیان کو آواز دی۔ ابوسفیان نے عباس کو پہچان لیا اور کہا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں کیا بات ہے۔ عباس نے کہا تجھ پر وائے ہو وہ دیکھ رسول خداؐ بارہ ہزار جنگی جوانوں کے ہمراہ آپہنچے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تو اب ہم کیا کریں۔ عباس کہنے لگے تو میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جا تاکہ تجھے آنحضرت کی خدمت میں لے جا کر تیرے لئے امان طلب کروں اور ابوسفیان تجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آج رات عمر ابن خطاب پھر رہا ہے۔ اگر اس نے تجھے دیکھ لیا تو وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ عمر اور ابوسفیان زمانہ جاہلیت سے آپس میں دشمن تھے۔ کہتے ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے قریش کے نوجوانوں سے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ ان جوانوں میں سے ایک عمر بھی تھا۔ اسی وجہ سے ابوسفیان رقابت کی بنا پر عمر سے بغض رکھتا تھا۔ المختصر ابوسفیان عباس کے پیچھے خچر پر سوار ہوگیا۔ عباس نے رسول خداؐ کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا۔ جب عمر ابن خطاب کے خیمے سے گزرا تو عمر نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ وہ

اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور رسول خداؐ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اس دشمن خدا کیلئے نہ امان ہے نہ اس میں ایمان ہے۔ اجازت دیجئے کہ میں اس کا سرتن سے جدا کر دوں۔ حضرت عباس نے کہا یارسول اللہؐ میں نے اسے امان دے رکھی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "ابوسفیان ایمان لے آ تا کہ تجھے امان مل جائے۔ وہ کہنے لگا کہ لات و عزیٰ کا کیا کریں۔ عمر نے اس کے جواب میں اس سے کہا کہ ان پر پاخانہ کر دے۔ ابوسفیان نے کہا اف تو کتنا بدگو ہے۔ تجھے میری اور میرے چچازاد کی باتوں میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر تو اس خیمے سے باہر ہوتا تو میں تیرے ساتھ اس قسم کی گفتگو نہ کرتا۔ رسول خداؐ نے دونوں کو سخت کلامی سے روکا اور حضرت عباس سے کہا کہ ابوسفیان کو آج رات اپنے خیمے میں رکھو صبح میرے پاس لے آنا۔ ابوسفیان نے وہ رات حضرت عباس کی خیمے میں بسر کی۔ صبح کو حضرت بلال کی اذان کی آواز سنی تو پوچھا یہ کیسی آواز ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ رسول خداؐ کا موذن ہے۔ پس ابوسفیان نے دیکھا کہ رسول خداؐ وضو کر رہے ہیں اور لوگ آپؐ کے دست مبارک سے ایک قطرہ پانی بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے اور ایک دوسرے سے چھینتے تھے اور اپنے چہرے پر ملتے تھے وہ کہنے لگا خدا کی قسم میں نے جیسا قیصر و کسریٰ کو آج دیکھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بہرحال نماز کے بعد وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور جان کے خوف سے کلمہ شہادتین پڑھا۔ حضرت عباس نے کہا اے اللہ کے رسولؐ ابوسفیان فخر پسند آدمی ہے۔ اسے قریش کے کسی مکان و منزلت کے ساتھ مخصوص کر دیں۔ حضرتؐ نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ جو اپنے جسم سے ہتھیار اتار دے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے یا وہ شخص جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امان ہے۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو ایک تنگ گزرگاہ پر کھڑا کر دو تا کہ خدا

کا لشکر وہاں سے گزرے اور یہ دیکھے۔ پس ابوسفیان کو ایک تنگ گزرگاہ پر کھڑا کیا گیا اور لشکر فوج در فوج اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔ جب لشکر کے باقی طبقے اور فوجیں گزر چکیں تو وہ دستہ جس کے درمیان میں رسول اللہؐ تھے اس کو نظر آیا۔ اس دستہ میں مہاجرین و انصار کے پانچ ہزار بہادر ملازم ہمرکاب تھے۔ سب کے سب عمدہ گھوڑوں اور سرخ رنگ کے اونٹوں پر سوار ہندی تلواریں لیے ہوئے اور داؤدی زرہیں زیب تن کیے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے۔ ابوسفیان کہنے لگا ''اے عباس! تیرے بھتیجے کی بادشاہی عظیم ہے۔'' حضرت عباس نے کہا ''وائے ہو تجھ پر اسے بادشاہی نہ کہو یہ نبوت ورسالت ہے۔

پس ابوسفیان تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش نے دیکھا کہ ابوسفیان تیزی سے آ رہا ہے اور انہوں نے دور سے یہ بھی دیکھا کہ غبار لشکر نے فضا کو تیرہ تار کر رکھا ہے اور وہاں ابھی تک رسول خداؐ کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ ابوسفیان نے چیخ کر کہا وائے ہو تم پر یہ دیکھو محمدؐ ایک ایسے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے جو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائیگا یا ہتھیار پھینک دے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا یا مسجد الحرام میں داخل ہو جائے گا اسے کچھ نہیں کہا جائیگا۔ قریش کہنے لگے خدا تجھے رسوا کرے یہ کیسی خبر لایا ہے۔ ہندہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور خوب مرمت کی اور چیخ کر بولی کہ اس بیوقوف بوڑھے کو قتل کر دو تا کہ یہ پھر اس قسم کی باتیں نہ کر سکے۔

پس افواج مواج سیل رواں کی طرح مقام ذی طویٰ تک آ پہنچیں۔ جب رسول خداؐ ذی طویٰ میں آ گئے تو لشکر نے آپؐ کے گرد حلقہ بنالیا۔ آنحضرتؐ نے جب مسلمانوں کی کثرت اور مکہ کی فتح کو مشاہدہ کیا تو آپؐ کو وہ وقت یاد آیا جب آپؐ تنہا تھے اور آپؐ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تھی لہٰذا آپؐ نے اپنی پیشانی پالان شتر پر رکھ کر سجدہ شکر

ادا کیا کیونکہ جب آپؑ مکے سے ہجرت کر رہے تھے تو آپؐ نے مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا تھا خدا جانتا ہے کہ مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے اگر تیرے مکین مجھے نہ نکالتے تو میں کسی دوسرے شہر کے قیام کو تیرے قیام پر ترجیح نہ دیتا۔ میں تیری جدائی سے نہایت غمگین ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حجوں نامی جگہ پر جہاں جناب خدیجہؓ کی قبر ہے نزول اجلال فرمایا۔ (جسے آج جنت المعلیٰ کہا جاتا ہے) وہ پردہ سرا کہ جو سرخ چمڑے سے بنایا گیا تھا۔ آپؐ نے اس میں غسل فرمایا۔ ہتھیار بدن پر سجا کر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور سورہ فتح کی قرات کرتے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کا استیلام اپنے اس ڈنڈے کے وسیلے سے کیا جس کا سرا مڑا ہوا تھا۔ پھر آپ نے تکبیر کہی اس کے ساتھ ہی لشکر اسلام نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس سے تمام فضا گونج اٹھی۔ پھر آپؐ ناقہ سے اتر آئے اور آپؐ نے بت شکنی کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے اس عصا سے کہ جو آپؐ کے دست مبارک میں تھا ان بتوں کی طرف اشارہ کیا جو خانہ کعبہ میں نصب تھے اور کمان کے اشارے سے ان کی آنکھیں پھوڑتے ہوئے فرمایا: جاء الحق و ذھق الباطل ان الباطل کان ذھوقا وما یبدی الباطل وما یعید الحق (حق آیا باطل چلا گیا اور باطل جانے والا ہی تھا اور نہ باطل کی ابتدا ہے اور نہ وہ پلٹ کر آئے گا) آپؐ کے اشارہ سے ایک ایک بت زمین پر منہ کے بل گرتا تھا۔ کچھ ایسے بت تھے جو بڑے تھے اور خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھے آپؐ نے علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے کاندھے پر سوار ہو کر ان بتوں کو زمین پر گرا کر توڑ دو۔ امیر المومنینؑ نے ایسا ہی کیا ان سب بتوں کو گرا کر توڑ دیا۔ پھر چھلانگ لگا کر میزاب کعبہ سے زمین پر تشریف لائے۔ زمین پر آتے ہی آپ مسکرائے تو حضورؐ نے اس مسکراہٹ کا سبب پوچھا۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہؐ اونچی جگہ سے میں کودا ہوں لیکن مجھے چوٹ نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا، چوٹ کیسے لگتی محمدؐ نے تمہیں اٹھایا تھا اور جبرائیلؑ نے

اتارا ہے۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور دروازہ کھولا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ انبیاء اور ملائکہ کی جو تصویریں مشرکوں نے خانہ کعبہ کی دیوار پر بناء رکھی ہیں انہیں مٹا دیا جائے۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر مشہور **تلبیہ** کہیں۔ پھر اہل مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اور اب کیا کہتے ہو۔ وہ کہنے لگے ہم اچھی بات کہتے ہیں اور اچھائی ہی کی امید رکھتے ہیں۔ آپؐ اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔ خدا نے آپ کو تسلط عطا فرمایا ہے آپؐ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان کی اس بات سے رسول خداؐ پر رقت طاری ہو گئی اور آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب اہل مکہ نے یہ دیکھا تو چیخ چیخ کر رونے لگے۔ آپؐ نے فرمایا وہ بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہی تھی۔

تثریب علیکم الیوم و یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

پس آپ نے ان کے جرم کو معاف کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا تم بری قوم تھے اپنے پیغمبرؐ کے حق میں تم نے اس کی تکذیب کی۔ اس کو جھٹلایا اسے اپنے سے دور کیا اور مکہ سے نکال دیا اور طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں اور اس پر بھی بس نہیں کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پہنچے اور مجھ سے جنگ کی۔ جاؤ ان سب باتوں کے باوجود میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ چھوڑتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہوا۔ آپ نے حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہو۔ کچھ مشرکوں نے مسجد الحرام میں اور کچھ نے قریبی پہاڑوں پر کھڑے ہو کر جب یہ آواز سنی تو قریش کے ایک گروہ نے بری بری باتیں کہیں۔ ان میں سے عکرمہ بن ابو جہل کہنے لگا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ رباح کا بیٹا کعبہ کی چھت پر چڑھ کر گدھے کی طرح چیخے۔ خالد بن اسید نے کہا کہ خدا کا شکر ہے تیرا باپ زندہ نہیں رہا کہ وہ بھی یہ آواز سنتا۔ ابو سفیان کہنے لگا کہ میں بات نہیں کرتا کیونکہ یہ دیواریں محمد کو خبر دیتی ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے پیغمبر اسلامؐ کو

ساری باتیں بتادیں تو آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو بلایا اور ہر ایک کی کہی ہوئی بات اس سے کہی۔ بعض نے اسلام قبول کیا۔ پہلے قریش کے مرد آئے اور بیعت کرنے لگے۔ ان میں ابو قحافہ بھی تھا جو اس وقت بوڑھا اور اندھا تھا۔ وہ بھی مسلمان ہوا۔ اس دوران میں سورہ۔ **اذا جاء نصر اللہ و الفتح الخ.** نازل ہوئی۔ اس کے بعد عورتوں کی بیعت کی باری آئی تو آپؐ نے پانی کے ایک پیالے میں ہاتھ ڈالے اور عورتوں سے فرمایا کہ جو میری بیعت کرنی چاہے وہ اس پیالے میں ہاتھ ڈالے کیونکہ میں عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرتا۔ ایک قول کی بنا پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن امیہ نے آپ کی بیعت کی پھر یہ آیت مبارکہ عورتوں کی بیعت کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

یاایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبا یعنک الخ .

(اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں کہ تیری بیعت کریں اس شرط پر کہ وہ خدا کا کسی کو شریک قرار نہ دیں گی۔ چوری نہ کریں گی۔ زنا نہ کریں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ کسی پر کوئی بہتان نہ باندھیں گی۔ اور افترا پردازی نہ کریں گی۔ دوسرے شخص کو اپنے شوہر کی اولاد نہ بنائیں گی اور اس کام میں تیری اطاعت کریں گی جس کا تو حکم دے تو اس صورت میں تو ان سے بیعت لے اور ان کے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کر۔ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔) جب یہ آیت آپؐ نے ان کے سامنے پڑھی تو حکیم بنت حارث بن ہشام جو عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھی کہنے لگی: اے اللہ کے رسولؐ وہ کون سا معروف فعل ہے کہ جس کی ہم کو نافرمانی نہیں کرنی۔" تو حضرتؐ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت اپنے منہ پر طمانچے نہ مارنا اور اپنے چہروں کو زخمی نہ کرنا۔ اپنے بال نہ نوچنا۔ گریبان چاک نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ پس ان شرائط پر حضرتؐ نے ان سے بیعت لی۔ بعض کہتے ہیں کہ ام حکیم بنت حارث بن عبدالمطلب نے آپ سے یہ سوال کیا تھا۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد عرب کے اکثر قبائل تو فرمان بردار ہو گئے اور انہوں نے اسلام اختیار کر لیا لیکن قبیلہ ہوازن وثقیف جو بہادر افراد پر مشتمل تھا۔ اس نے تکبر سے کام لیا اور انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ پس مالک بن عوف نضری جو قبیلہ ہوازن کا قائد تھا لشکر تیار کرنے لگا اور قبائل کو عورتوں بچوں اور مویشیوں کے ساتھ لے چلا ان کے ساتھ چار ہزار جنگجو جوان تھے۔ اس نے ایک شخص کو قبیلہ بنی سعد کے پاس بھیجا اور ان سے بھی مدد چاہی۔ وہ کہنے لگے محمدؐ ہمارے رضیع (دودھ پینے والا) ہیں۔ ہم میں پلے بڑھے ہیں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ مالک نے مسلسل پیغام بھیجے اور ان میں سے ایک گروہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے ساتھ لے کر چلا۔ بہر حال دور و نزدیک سے اس نے اتنا لشکر جمع کیا کہ تیس ہزار آدمیوں کی فوج تیار ہو گئی۔ اس نے وادی حنین پر پڑاؤ ڈالا۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپؐ بھی تیاری کرنے لگے۔ آپؐ نے عتاب بن اسید کو مکہ کی حکومت پر مامور کیا اور حضرت معاذ بن جبل کو مکہ کے لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے مقرر کیا اور دو ہزار اہل مکہ اور دس ہزار کا وہ لشکر جو آپؐ کے ساتھ تھا مجموعی طور پر بارہ ہزار افراد کے ساتھ اور ایک قول کی بناء پر سولہ ہزار جنگی جوانوں کے ساتھ آپؐ نے مکہ سے باہر خیمہ نصب کیا اور حنین کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر نے اس دن کہا کہ کیا خوب لشکر جمع ہو گیا ہے۔ اب ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ لقد نصر كه الله فی مواطن كثيرة. ويوم حنين اذا عجبتكم كثرتكم فلن تغن عنكم شيئا الخ. (بے شک خدا نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی اور حنین کے دن بھی جب کہ تمہاری کثرت نے تمہیں متکبر بنا دیا

تھا پس وہ کثرت تمہیں کسی چیز سے بے پرواہ نہ کرسکی۔) مالک ابن عوف نے حکم دیا تھا کہ اس کے لشکر میں سے ایک گروہ مسلمانوں کے راستے میں چھپ کر بیٹھے اور جب محمدؐ کا لشکر آ جائے تو اچانک حملہ کر دے۔ جب صبح ہوئی تو پیغمبر خداؐ نے بڑا علم امیر المومنین علیؑ کے سپرد کیا اور باقی علم لشکر کے دوسرے قائدین کے حوالے کیے اور وادی حنین کی نشیبی جانب سے آپؐ داخل ہوئے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید ایک گروہ کے ساتھ کہ جن کے پاس جنگ کے ہتھیار نہیں تھے اس علاقہ میں داخل ہوا۔ جب ایک تنگ مقام آیا تو وہ سارے کے سارے یکدم نہ گزر سکے اور مجبوراً متفرق ہو کر مختلف راستوں سے گزرنے لگے۔ قبیلہ ہوازن نے کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ سب سے پہلے قبیلہ بنی سلیم یعنی جو خالد بن ولید کا دستہ تھا وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ ان کے پیچھے کفار قریش جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے وہ بھاگے۔ اور صورت حال یہ ہوگئی کہ اصحاب پیغمبرؐ بالکل کم رہ گئے اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ ہم یہ جنگ نہیں لڑ سکیں گے۔ لہٰذا وہ بھی بھاگنے لگے۔ اس جنگ میں حضرتؐ سفید رنگ کے خچر یا دلدل پر سوار تھے بھاگنے والوں کو پیچھے سے آواز دیتے تھے۔ اے لوگو! کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام صحابہ بھاگ گئے سوائے دس افراد کے کہ جن میں سے نو بنی ہاشم تھے۔ اور دسواں شخص ایمن ام ایمن کا بیٹا تھا۔ اسے مالک نے قتل کر دیا۔ باقی وہیں نو افراد بنی ہاشم کے رہ گئے۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب حضرتؐ کے دائیں طرف فضل ابن عباس بائیں طرف' ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور علی علیہ السلام سامنے کی جانب شمشیر زنی کر رہے تھے اور دشمن کو دور ہٹا رہے تھے اور نوفل بن حارث' ربیعہ بن حارث' عبداللہ ابن زبیر بن عبدالمطلب اور ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب حضرتؐ کے دونوں طرف تھے اور باقی سب صحابہ بھاگ گئے تھے۔ پس حضرت رسولؐ خدا نے اپنے خچر کو آگے بڑھایا اور کفار

پر حملہ آور ہوئے۔ اور سخت جنگ کی۔

سوائے اس جنگ کے حضورؐ نے کسی جنگ میں تیغ زنی نہیں کی۔ فضل ابن عباس سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے اس دن چالیس دلیروں کو زمین پر دے مارا اور ہر ایک کے برابر کے دو ٹکڑے کیے۔ یہاں تک کہ ان کے آلہ تناسل اور ناک بھی برابر کے دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ آدھا جسم کے آدھے حصہ کے ساتھ اور آدھا دوسرے حصے کے ساتھ۔ فضل کہتے ہیں کہ حضرت کی ضربت ہمیشہ طاق ہوتی تھی یعنی پہلے ہی وار میں ٹکڑے کر دیا کرتے تھے اور دوسری ضرب کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ بنی ہوازن کے ایک شخص نے جس کا نام ابو جرول تھا ایک بلند نیزے پر سیاہ علم باندھ رکھا تھا وہ کفار کے لشکر کے آگے آگے ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا جب وہ کسی مسلمان کو قتل کرتا اور کفار اسے دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے تو وہ یہ رجز پڑھ کر آگے بڑھتا تھا:

انا ابوجرول لا براح حتیٰ ینح الیوم اربناح /

(میں جرول ہوں یہاں سے نہیں ہٹوں گا یا ہم انھیں لوٹیں گے یا خود لوٹ جائیں گے)

امیر المومنین علیؑ نے اس کا راستہ روکا۔ پہلے اس کے اونٹ کو جو اصحاب جمل کے اونٹ کی مانند تھا ضرب لگا کر زمین پر گرایا۔ پھر ابو جرول پر ایسا وار کیا کہ اس کے برابر کے دو ٹکڑے ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

لقد علم القوم لدی الصباح انی لدی الھیجا ذونصاح

قوم پہلے ہی دن سے جانتی ہے کہ میں جنگ میں مخلص ہوں۔ ابو جرول کے قتل کے بعد مشرکین میں مقابلے کی طاقت باقی نہ رہی۔ ادھر حضرت عباس نے جو بلند آواز آدمی تھے۔ اصحاب کو پکارا۔ اے گروہ انصار! اے بیعت الشجرہ والو! اے سورہ بقرہ والو!

اتنے میں مسلمان پلٹ آئے اور انہوں نے کفار کا پیچھا کیا۔ آنحضرتؐ نے دشمنوں پر ایک مٹھی بھر خاک ڈالی اور فرمایا۔ **شاھت الوجوہ** (برے ہوں ان کے چہرے) پھر آپؐ نے فرمایا خدا تو نے اول قریش کو تکلیف میں مبتلا کیا ہے ان کے آخر کو بخشش و عطا سے نواز۔

روایت ہے کہ پانچ ہزار فرشتے اس جنگ میں شریک ہوئے۔ مالک بن عوف ہوازن وثقیف کے ایک گروہ کے ساتھ طائف کی طرف بھاگ گیا۔ کچھ لوگ مقام اوطاس کی طرف نکل گئے اور کچھ لوگ بطن نخلہ کی طرف بھاگ گئے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا جس مسلمان نے جس کافر کو قتل کیا ہے اس کے ہتھیار اور لباس کا وہ مالک ہے۔ کہتے ہیں اس جنگ میں حضرت ابو طلحہ نے بیس آدمیوں کو قتل کیا تھا انہوں نے ان سب کا سامان لے لیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے۔ جب جنگ حنین ختم ہوئی تو ڈیڑھ ہزار بہادر ایک قائد کے ساتھ شکست خوردہ لوگوں کے پیچھے گئے اور انہوں نے جسے پایا قتل کیا۔ تین روز تک یہی حالت رہی یہاں تک کہ ان کی عورتیں اور اموال جمع ہو گئے۔ رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ جو مال غنیمت جنگ حنین میں اکٹھا ہوا ہے اسے مقام جعرانہ میں تقسیم ہونے سے پہلے بحفاظت رکھا جائے۔ اس مال میں چھ ہزار قیدی تھے۔ چار ہزار اونٹ اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی (اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے) اور چالیس ہزار سے زیادہ گوسفند تھے۔ ان قیدیوں میں حضرت حلیمہ کی بیٹی شیماء آنحضرتؐ کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو حضرتؐ اس پر مہربان ہوئے اور اپنی عبا بچھا کر اسے بٹھایا اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اور حالات پوچھتے رہے اور حضرت نے اسے یہ اختیار دیا کہ چاہے وہ آپؐ کے پاس رہے چاہے اپنے گھر چلی جائے۔ شیماء نے واپس جانا چاہا۔ حضرتؐ نے اسے ایک غلام اور ایک روایت کے مطابق ایک کنیز دو اونٹ

اور کچھ گوسفند عطا کیے اور جعرانہ میں جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگا تو اس نے ہوازن کے قیدیوں کے بارے میں سفارش کی آپؐ نے فرمایا میں اپنا حصہ اور عبدالمطلب کی اولاد کا حصہ تمہیں بخشتا ہوں۔ باقی رہا مسلمانوں کا حصہ تو تم خود میرا واسطہ دے کر ان سے سفارش کرو ممکن ہے وہ تمہیں بخش دیں۔ جب آپؐ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حلیمہ کی بیٹی اٹھ کھڑی ہوگئی اور مسلمانوں سے التجا کی۔ مسلمانوں نے رسول اللہؐ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوازن کے قیدی بخش دیے سوائے اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصن کے ان دونوں نے بخشنے سے انکار کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا ان کے حصہ کے لئے قیدیوں میں قرعہ ڈالا جائے اور عرض کیا خدایا ان کے حصہ کو پست قرار دے پس ایک کے حصہ میں بنی عقیل کا ایک غلام اور دوسرے کے حصہ میں بنی نمیر کا غلام آیا جب ان لوگوں نے یہ دیکھا تو اپنا حصہ بخش دیا۔

اور جس روز آپ نے وادی اوطاس میں عورتوں کو تقسیم کیا تو فرمان جاری کیا کہ لوگوں میں منادی کی جائے کہ حاملہ عورتوں سے وضع حمل سے پہلے اور جو حاملہ نہیں ہیں ان سے ایک حیض دیکھنے سے پہلے ہم بستری نہ کریں۔ بہر حال ماہ ذی قعد کے ابھی بارہ روز باقی تھے تو رسولؐ خدا نے جعرانہ سے احرام باندھا اور مکہ تشریف لائے، طواف کیا اور عمرہ بجا لائے اور عتاب بن اسید کو بدستور حکومت مکہ پر برقرار رکھا اور اس کے لئے بیت المال سے ہر روز کے لئے ایک درہم مقرر کیا۔ اکثر اوقات عتاب خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہتا تھا خدایا اس شخص کو بھوکا رکھ جو روزانہ ایک درہم پر قناعت نہ کر سکے۔ مجھے رسول اللہؐ ایک درہم دیں تو میں اس پر خوش ہوں اور مجھے کسی اور کی ضرورت نہیں۔

۸ھ میں زینب بنت رسول اللہؐ (ربیبہ) ابوالعاص بن ربیعہ کی بیوی نے وفات پائی۔ کہتے ہیں اس کے لئے ایک تابوت بنایا گیا۔ وہ صاحب اولاد بھی تھیں۔ ایک علی نام کا لڑکا تھا جو حد بلوغ کے قریب وفات پا گیا اور ایک لڑکی امامہ جو حضرت فاطمہؑ کی شہادت

کے بعد انہی کی وصیت کے مطابق امیر المومنینؑ کی زوجیت میں آئی۔ اسی سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے۔

۹ ھ کے حالات وواقعات

۹ ھ کی ابتداء میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر فرمائے تاکہ وہ مسلمان قبیلوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ بنوتمیم نے زکوٰۃ نہ دی۔ پچاس افراد انہیں کیفر کردار کو پہنچانے کے لیے گئے۔ ان لوگوں پر اچانک حملہ کیا گیا اور گیارہ مرد گیارہ عورتیں اور تیس بچے قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے۔ ان کے پیچھے بنی تمیم کے بزرگ افراد مثلاً عطارد بن حاجب بن زرارہ' زبرقان بن بدر' عمر بن ایتم' اقرع بن حابس اپنے خطیب اور شاعر کے ہمراہ مدینہ آئے اور نبی اکرمؐ کے حجروں کے دروازوں میں داخل ہو کر کہنے لگے محمدؐ باہر آؤ۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو قیلولہ سے بیدار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثر ھم لا یعقلون. ولو انھم صبروا حتّٰی تخرج الیھم لکان خیر الھم واللّٰہ غفور رحیم: (جو لوگ حجروں کے پیچھے سے تمہیں آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ اس وقت تک صبر کریں۔ جب تک آپ ان کے پاس پہنچ جائیں تو یہ بہتر بات ہے ان کے لیے۔ خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

بنوتمیم کہنے لگے ہم اپنا شاعر اور خطیب لے کر آئے ہیں تاکہ وہ آپؐ سے فخر و مباہات کی باتیں کریں۔ آپؐ نے فرمایا میں شعر لے کر مبعوث نہیں ہوا اور نہ فخر و مباہات کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اچھا جو کچھ لائے ہو لے آؤ۔ عطارد کھڑا ہوا اور اس نے بنی

تمیم کی شان میں خطبہ پڑھا پھر زبرقان بن بدر نے کچھ اشعار پڑھے۔ جب بنوتمیم کا خطیب اور شاعر اپنی گفتگو ختم کر چکے تو حضرتؐ کے حکم سے ثابت ابن قیس نے جو انصار کا خطیب تھا ان سے زیادہ طویل اور فصیح خطبہ پڑھا۔ پھر آپؐ نے حسان کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کا جواب دو۔ حضرت حسان نے ان کے جواب میں قصیدہ کہا (طوالت کی وجہ سے ہم ان اشعار کو نقل نہیں کرتے) اقرع ابن حابس کہنے لگا اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو غیب سے کامیابی بخشی ہے اس کا خطیب ہمارے خطیب سے اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ اس طرح انہوں نے اسلام کو قبول کیا۔ اس کے بعد ان کے قیدی واپس کر دئے گئے اور ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق عطیہ بھی دیا گیا۔

غزوۂ تبوک

تبوک مقام حجر اور شام کے درمیان ہے۔ یہ قوم ثمود کے رہنے کی جگہ تھی اور ان کا یہ شہر شام کے علاقے میں تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ حجر کے رہنے والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ تبوک ایک قلعہ ہے اور چشمہ کا نام ہے۔ غزوۂ تبوک کو غزوہ فاضحہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس جنگ میں بہت منافق رسوا ہوئے تھے اور اس لشکر کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں کیونکہ لشکر نے قحط کی وجہ سے بہت زحمت اٹھائی تھی۔ یہ جنگ رسولؐ خدا کی آخری جنگ ہے۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ ایک قافلہ شام سے مدینہ میں تجارت کے لیے آیا تھا۔ اس نے مدینہ کے لوگوں کو بتایا کہ بادشاہ روم نے فوج تیار کی ہے اور لخم، خدام، عاملہ اور غسان کے قبیلے بھی اس سے مل گئے ہیں اور وہ سب مدینہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں اور لشکر کا ہر اول دستہ مقام بلقاء میں پہنچ چکا ہے۔ مجبوراً رسول خداؐ نے حکم دیا کہ دور و نزدیک کے

مسلمان تیاری کریں۔ اہل مدینہ کے چونکہ اس وقت میوے تیار تھے اور باغات پکے ہوئے تھے ان کے لیے یہ سفر مشکل تھا۔ غلے کے کاٹنے کا زمانہ تھا پھر یہ سفر دور کا بھی تھا۔ ہوا گرم تھی اور دشمن بھی زیادہ تھے لہٰذا وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوتی:

یاایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انصرو فی سبیل اللّٰہ (اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں چل نکلو تو تم ٹال مٹول سے کام لیتے ہو۔)

پس ایک گروہ لشکر کی تیاری کے سلسلے میں صدقے وغیرہ لے کر آیا۔ ابو عقیل انصری ایک صحابی تھے انہوں نے کچھ مزدوری کی تھی اور دو صاع کھجوریں مزدوری میں حاصل کی تھیں۔ انہوں نے ایک صاع اپنے اہل وعیال کے لیے رکھیں اور ایک صاع لشکر کے لیے لے کر آیا۔ حضرتؐ نے وہ لے کر صدقات میں داخل کر دیں۔ منافقین نے اس کی کمی کا مذاق اڑایا اور بہت سی باتیں بنائیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **الذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقات** (وہ لوگ جو مومنین میں سے اس اطاعت کرنے والوں کے صدقہ پر طنز کرتے ہیں) بہت سی مسلمان عورتوں نے اپنے زیور حضرتؐ کی خدمت میں بھیجے تا کہ لشکر کی تیاری میں کام آئیں۔

اس کے بعد حضرتؐ نے لشکر کو تیار کیا اور حکم دیا کہ اپنے ساتھ کافی مقدار میں جوتے لے لو کیونکہ اگر لوگوں کے پاس جوتے ہوئے تو ان کا شمار سواروں میں ہوگا۔ اس طرح تیس ہزار کا لشکر تبوک کے سفر پر روانہ ہوا ان میں ہزار آدمی سوار تھے۔ بیاسی آدمیوں نے بے بضاعتی اور فقر و فاقہ کا بہانہ کیا تا کہ وہ لشکر کے ساتھ نہ جائیں اور کچھ دوسرے عذر بھی پیش کیے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے جب میں تم میں موجود نہ ہوں

گا۔اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔وجاء المعذرون من الاعراب لیوذن لھم (اور عذر کرنے والے اعراب آئے۔تاکہ انہیں جنگ سے بچ جانے اور گھر بیٹھ جانے کی اجازت مل جائے) منافقین کا ایک گروہ تو بغیر کسی عذر کے لشکر کے ہمراہ نہ ہوا۔اس کے علاوہ منافقین دوسرے لوگوں کو بھی اس سفر سے خوف دلاتے تھے کہ ہوا گرم ہے۔یہ بھی کہتے تھے کہ محمدؐ کا یہ خیال ہے کہ روم سے جنگ کرنا بھی باقی جنگوں کی طرح ہے۔اس لشکر میں سے ایک آدمی بھی بچ کر واپس نہ آئے گا۔وہ اس قسم کی باتیں کرتے تھے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:فرح المخلفون بمقعد ھم الخ (پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ جانے پر خوش ہیں) جب رسول اللہؐ نے بعض منافقین کو گھر بیٹھ جانے کی اجازت دے دی تو ارشاد قدرت ہوا۔تو نے جوان کو اجازت دے دی ہے خدا نے اسے معاف کر دیا۔

بہر حال جب منافقین گھر بیٹھے رہنے کی اجازت لے چکے تو انہوں نے یہ سوچا کہ اگر پیغمبرؐ کا سفر طولانی ہو گیا یا آپؐ نے تبوک میں شکست کھائی تو آنحضرتؐ کا گھر لوٹیں گے اور آپؐ کے قبیلے اہل دعیال کو مدینہ سے نکال دیں گے۔جب آپؐ ان کے پوشیدہ دلی راز سے باخبر ہوئے تو آپؐ نے مدینہ پر حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا تاکہ وہ منافقین کو ان کے برے ارادہ سے باز رکھیں اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ کے بعد خلافت علیؑ کے لئے ہے۔پھر آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے تو منافقین کہنے لگے کہ رسول خداؐ کے بعد خلافت علیؑ کے لئے ہے۔پھر آپؐ مدینہ سے روانہ ہوئے تو منافقین کہنے لگے کہ علیؑ رسول خداؐ کے لیے بار خاطر تھے جبھی تو انہیں اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔یہ بات جب امیر المومنینؑ تک پہنچی تو آپؑ مدینے سے روانہ ہوئے اور مقام جرف میں آنحضرتؐ سے جا ملے اور یہ بات ان کو بتائی۔حضرت نے علیؑ کو واپس جانے کا حکم دیا اور فرمایا:اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لانبی

بعدی (کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت اور منزلت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ رسول اللہؐ تبوک کے راستے پر گامزن ہوئے اور آپؐ نے لشکر کو بھی روانہ ہونے کا حکم دیا۔ کسی سفر میں بھی مسلمانوں نے اتنی تکلیف نہیں اٹھائی تھی۔ کیونکہ دس آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ سواری کے لیے تھے اور وہ اس پر ہی باری باری سوار ہوتے تھے اور زادراہ اس قدر کم تھا کہ دو آدمی ایک کھجور کا دانہ کھاتے تھے۔ ایک اس کھجور کو کچھ دیر چوس کر اپنے ساتھی کو دیتا پھر دوسرا اس کو کھاتا۔ کرم خوردہ جو غیر مرغوب کھجوریں اور فاسد چربی ان کا زادراہ تھا اور ہوا کی گرمی کی سختی کی وجہ سے راستوں میں پانی ناپید تھا۔ حالت یہ تھی کہ سواریوں کی کمی کے باوجود وہ اپنی سواری کے اونٹ نحر کر کے ان کی انتڑیوں کی رطوبتوں کو پانی کی جگہ استعمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس لشکر کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ اس موقع کے لیے خدا فرماتا ہے۔ لقد تاب اللّٰہ علی النبی و المھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (خدا نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر اپنی نظر رحمت ڈالی جنھوں نے مشکل وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا تھا۔)

اس سفر میں رسول خداؐ سے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا مثلاً آپؐ کا منافقین کی باتوں کی خبر دینا۔ پہاڑ سے کلام کرنا اور اس کا بزبان فیصح جواب دینا اور آپ کا اس جن سے گفتگو کرنا جو ایک بڑی سانپ کی شکل میں راستے میں نمودار ہوا تھا اور آپ کا اس اونٹ کی خبر دینا جو گم ہو گیا تھا اور آپؐ کی برکت کی وجہ سے چشمہ تبوک کے پانی کا زیادہ ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ آخر کار رسول خداؐ تبوک میں وارد ہوئے اور آپؐ کی آمد کی اطلاع اس علاقہ میں پھیل گئی تو ہراقلیوس جو یورپ ممالک شام اور بیت المقدس کا شہنشاہ تھا اور حمص میں مقیم تھا اور وہ رسول خداؐ سے عقیدت بھی رکھتا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق وہ اسلام قبول

کر چکا تھا۔اس نے اپنے ملک کے لوگوں کو جمع کیا اور پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن لوگوں نے اس کی بات نہ مانی۔ ہراقلیوس کو خوف ہوا کہ کہیں اس کی سلطنت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔مجبوراً وہ خاموش ہو گیا۔ادھر پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ پر قیصر کے حملے کی خبر جھوٹی تھی تو آپؐ نے بڑے بڑے صحابہ کو بلایا اور فرمایا تمہارا کیا ارادہ ہے۔یہاں سے روم پر چڑھائی کر کے **بنی الاصغر** کی سلطنت پر قبضہ کریں یا مدینہ کی طرف پلٹ جائیں۔بعض نے مشورہ دیا کہ مدینہ کی طرف واپس چلیں تو حضرتؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔واپسی پر اصحاب عقبہ کا واقعہ رونما ہوا۔

یہ منافقین کا ایک گروہ تھا۔جو چاہتے تھے کہ عقبہ میں رسول اللہؐ کے اونٹ کو بدکا دیں اور اس طرح آنحضرتؐ کو قتل کر دیں۔جب وہ کمین گاہ میں بیٹھے تو جبرائیلؑ نے آنحضرتؐ کو اطلاع دے دی۔پس آپؐ سوار ہوئے اور عمار یاسر کو حکم دیا کہ اونٹ کی مہار کھینچیں۔اور آپ نے حذیفہ سے فرمایا کہ اونٹ کو پیچھے سے ہانکو۔جب آپؐ عقبہ پر پہنچے تو حکم دیا کہ عقبہ پر مجھ سے پہلے کوئی شخص نہ جائے۔آپؐ خود عقبہ پر تشریف لے گئے تو آپ نے کچھ سوار دیکھے جنھوں نے اپنے چہروں کو نقابوں سے چھپا رکھے تھے۔حضرتؐ نے انہیں للکارا تو وہ حملہ آور ہوئے۔عمار آگے بڑھے اور ان کے اونٹوں کے منہ پر ضرب لگانے لگے یہاں تک کہ وہ پسپا ہو گئے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمار تو نے انہیں پہچانا۔عرض کیا چونکہ انہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپا رکھے تھے اس لیے میں ان کو نہ پہچان سکا۔آپؐ نے حذیفہ کو ان سب کے نام بتائے اور فرمایا یہ بات کسی سے نہ کہنا۔یہی وجہ تھی کہ حذیفہ باقی سب صحابہ سے امتیاز رکھتے تھے اور صحابہ حذیفہ کے متعلق کہا کرتے تھے۔**صاحب السر الذی لا یعلمه غیره.**

بعض علماء نے عقبہ کا واقعہ حضورؐ کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر نقل کیا

ہے۔ اور تبوک سے واپسی کے بعد ہی آنحضرتؐ نے مسجد ضرار کے متعلق حکم دیا کہ اسے مسمار کر کے آگ لگا دی جائے۔ اس مسجد کو منافقین نے مسجد قبا کے سامنے بنایا تھا اور چاہتے تھے کہ ابو عامر فاسق کو اس کی پیش نمازی کے لیے مقرر کریں۔ حضرتؐ کا حکم ملتے ہی اس مسجد کو آگ لگا دی گئی اور اس مسجد ضرار کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

والذین اتخذوا مسجداً ضرارا. الخ (وہ لوگ جنھوں نے مسجد ضرار بنائی۔)

مختصر یہ کہ آنحضرتؐ مدینہ میں داخل ہوئے اور ایک قول کی بناء پر اس وقت ماہ رمضان کے کچھ دن باقی تھے۔ آپؐ اپنے دستور کے مطابق پہلے مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے گھر گئے۔ تبوک سے آپ کی واپسی کے بعد ماہ شوال کے آخری دنوں میں عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین بیمار ہوا۔ بیس روز تک بستر علالت پر پڑا رہا اور ماہ ذیقعدہ میں مر گیا۔ ۹ ھ میں ابوبکر کو حکم ہوا کہ وہ مکہ جائیں اور سورہ بارات کی ابتدائی آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ حضرت ابوبکر یہ حکم پا کر مدینہ سے نکلے ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر کچھ راستہ طے کیا تھا کہ جبرائیلؑ امین نازل ہوئے اور پیغمبر خداؐ کو خدا کا سلام پہنچا کر عرض کیا۔ الایودیھا الا انت اور جل منک. یعنی یہ آیتیں آپؐ کی طرف سے وہ پہنچائے جو آپ سے ہے یا آپ خود پہنچائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ سوائے حضرت علیؑ کے ان کی کوئی تبلیغ نہ کرے۔ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ جلدی جاؤ اور ابوبکر سے آیتیں لے کر حج کے موسم میں لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ امیر المومنینؑ منزل روحا میں حضرت ابوبکر سے جا ملے اور آیتیں لے کر مکہ گئے اور لوگوں کے سامنے ان کو پڑھا۔

احادیث معتبرہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے آیتیں لے کر عرفہ کے دن عرفات میں اور عید کی رات مشعر الحرام میں اور

عید کے دن جمروں کے پاس اور تمام ایام تشریق میں منیٰ میں سورہ برات کی پہلی دس آیتیں مشرکین کے سامنے بلند آواز سے پڑھیں۔ ایسی حالت میں کہ آپؑ اپنی تلوار نیام سے باہر نکالے ہوئے تھے۔ اور پکار کر فرما رہے تھے کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف نہ کرے۔ کوئی مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کرے اور جس کی مدت پیمان وامان ابھی باقی ہے اس کے لیے مدت ختم ہونے تک امان ہے اور جس کی مدت امان نہیں ہے وہ چار ماہ تک امان میں ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو سورہ برات کی آیتیں دے کر پہلی ذی الحجہ کو بھیجا تھا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام اس سے مقام روحا میں تیسری ذی الحجہ کو جا ملے تھے۔ وہاں سے آیتیں لے کر مکہ تشریف لے گئے۔ ابوبکر واپس ہو گئے۔ سورہ برات کی ادائیگی سے ابوبکر کے معزول ہونے اور امیر المومنینؑ کے بھیجے جانے کی روایات سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔

۹ھ ہی میں حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے وفات پائی اور اس کی وفات کے دن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آج ایک مرد صالح وفات پا گیا ہے۔ اٹھو تاکہ اس کے لیے نماز پڑھیں کہتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ پیغمبر اسلامؐ کے سامنے ظاہر ہوا اور صحابہ نے پیغمبرؐ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

۱۰ھ کے حالات وواقعات

یمن میں اسلام:

۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو تبلیغ دین کیلئے یمن بھیجا یہ وہاں جا کر چھ

ماہ تک دھر ادھر پھرتے رہے اور کوئی کام نہ کر سکے یعنی ان کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہوسکا تو حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا گیا آپ نے زور علم اور سلیقہ تبلیغ کی وجہ سے سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان کرلیا اس کے بعد اہل یمن مسلسل داخل اسلام ہونے لگے۔ جب آنحضرتؐ کو یہ شاندار کامیابی معلوم ہوئی تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کیلئے دعا کی اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے۔

واقعۂ مباہلہ

شیخ طبرسی اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے کہ کہ نصاریٰ کے اشراف کی ایک جماعت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان کے تین افراد سر کردہ تھے۔ ایک کا نام عاقب تھا جوان کا امیر تھا اور صائب الرائے تھا۔ دوسرا عبدالمسیح جس سے وہ تمام مشکلات میں مدد لیتے تھے اور تیسرا ابو حارثہ ان کا عالم اور پیشوا تھا۔ روم کے بادشاہوں نے اس کے لیے گرجا بنوائے تھے اور اس کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتے تھے ان کے نزدیک وہ بہت بڑا عالم تھا۔ جب یہ لوگ حضرتؐ کی خدمت میں روانہ ہوئے تو ابو حارثہ ایک خچر پر سوار تھا۔ کرز بن علقمہ اس کا بھائی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اچانک ابو حارثہ کے خچر کا پاؤں پھسلا۔ کرز نے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ ابو حارثہ نے کہا جو کچھ تو نے کہا ہے وہ تیرے لیے ہی ہو۔ اس نے کہا اے بھائی! ایسا کیوں کہتے ہو۔ ابو حارثہ نے کہا خدا کی قسم یہ وہی پیغمبرؐ ہے کہ جس کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔ کرز نے یہ کہا کہ پھر اس کا اتباع کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگا کیا تو نہیں جانتا کہ اس گروہ نصاریٰ کا سلوک ہمارے ساتھ کیسا ہے۔ یہ ہمیں بزرگ مانتے ہیں انہوں نے ہمیں بہت سا مال دیا ہے۔ یہ ہماری عزت وتوقیر کرتے ہیں اور یہ پیغمبر اسلامؐ کی پیروی پر راضی نہیں ہوتے۔ اگر ہم ان

کا اتباع کریں تو یہ سب مال و متاع ہم سے چھین لیں گے۔ کرز نے یہ بات اپنی دل میں رکھی یہاں تک کہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

نصاریٰ بنی نجران عصر کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے۔ یہ بہترین پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ عربوں نے اتنا قیمتی لباس اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا لیکن حضرتؐ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ نہ ان سے کلام کیا۔ وہ لوگ عثمان اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے پاس گئے کیوں کہ ان دونوں سے ان کی سابقہ جان پہچان تھی۔ یہ لوگ ان دونوں سے کہنے لگے کہ تمہارے پیغمبرؐ نے ہمیں خط لکھا ہے اور ہم ان کی دعوت پر یہاں آئے ہیں لیکن اب وہ ہمارے سلام کا جواب تک نہیں دیتے اور نہ ہم سے کلام کرتے ہیں۔ یہ دونوں ان کو حضرت علیؑ کے پاس لے آئے اور ان کو ساری بات بتائی۔ حضرت علیؑ نے ان سے کہا کہ یہ انگوٹھیاں اور ریشمی کپڑے اتار دو اور سادہ لباس پہن کر حضرتؐ کی خدمت میں جاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ زیور وغیرہ اتار ڈالے اور سادہ لباس پہن کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام عرض کیا۔ حضرتؐ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا خدا کی قسم جب پہلی دفعہ یہ لوگ میرے پاس آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا اسی لیے میں نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد وہ آپؐ سے مسلسل سوالات کرتے رہے اور سارا دن انہوں نے سرکار رسالتؐ سے مناظرہ کیا۔ ان کا عالم کہنے لگا اے محمدؐ! آپؐ کا حضرت مسیح کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ خدا کا بندہ اور اس کے رسول تھے۔ وہ کہنے لگے آپؐ نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو۔ ان کے اس استفسار کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی: ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقه من تراب فقال له کن فیکون (بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کی نظر میں آدم جیسی ہے کہ

جنھیں خدا نے مٹی سے خلق کیا پھران سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے) اس کے بعد بھی جب وہ نہیں مانے اور مناظرہ طویل ہو گیا تو پھر یہ حکم خدا آیا: **فمن حاجک فیه من بعد ما جائک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابنائکم ونسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة اللّٰه علی الکاذبین** (یعنی وہ لوگ کہ جو آپؐ سے حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں مجادلہ کریں ایسی صورت میں کہ علم و برھان آ چکے ہیں تو اے محمدؐ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں اور تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی بیٹیوں کو لائیں اور تم اپنی بیٹیوں کو لاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو لائیں اور تم اپنے نفسوں کو لاؤ۔ پھر تضرع کے ساتھ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت کرے)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ بات طے ہوئی کہ دوسرے روز دونوں مباہلہ کریں گے۔ نصاریٰ اپنی قیام گاہ پر واپس چلے گئے۔ وہاں جا کر ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو اگر محمدؐ اپنے اہل بیت کو لے کر آئے تو اس سے مباہلہ کرنے سے احتراز کرنا اور اگر اصحاب کو لے کر آئے تو پھر اس سے مباہلہ کرنے میں کسی قسم کی پرواہ نہ کرنا۔ صبح کو رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کے گھر تشریف لائے۔ آپؐ نے امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑا، امام حسینؑ کو گود میں لیا حضرت امیر المومنین علیہ السلام آپ کے پیچھے پیچھے اور جناب سیدہؑ جناب امیر المومنینؑ اور رسول خداؐ کے درمیان ہوئیں۔ اس انداز سے آپؐ مدینہ سے مباہلہ کے لئے نکلے۔

جب نصاریٰ نے ان بزرگ ہستیوں کو آتے ہوئے دیکھا تو ابو حارثہ نے پوچھا کہ کون لوگ ہیں جو آنحضرتؐ کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ جو سب سے پیچھے ہے وہ ان کا چچا زاد بھائی ہے اور بیٹی کا شوہر بھی ہے اور یہ ان کے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب شخص ہے اور یہ دونوں بچے ان کے ان کی دختر کے فرزند ہیں۔ اور وہ جو خاتون

ہے وہ ان کی بیٹی فاطمہؑ ہے۔ جو ان کے نزدیک عزیز ترین خلق ہے۔ حضرتؐ مباہلے کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ ادھر سے سید و عاقب اپنے بیٹوں کو مباہلے کے لیے لے آئے۔ ابو حارثہ نے کہا خدا کی قسم یہ اس طرح بیٹھا ہے جیسے پیغمبرؐ مباہلہ کے لیے بیٹھتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ واپس جانے لگا۔ سید نے کہا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا اگر محمدؐ حق پر نہ ہوتے تو مباہلہ کرنے کی اس طرح جرأت نہ کرتے۔ اور اگر ہم نے ان سے مباہلہ کر لیا تو ایک سال کے اندر اندر کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا۔ اس کے بعد ابو حارثہ پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے ابو القاسمؐ ہم سے مباہلہ کرنے سے درگزر کیجئے اور ہم سے اس چیز پر صلح کر لیجئے کہ جس کے ادا کرنے کی قوت ہم رکھتے ہوں۔ آنحضرتؐ نے ان سے مصالحت کر لی اس شرط پر کہ وہ ہر سال ایسے دو ہزار حلے دیں گے جن میں سے ہر حلے کی قیمت چالیس درہم ہوگی اور یہ کہہ کر کہ اگر مسلمانوں کو کوئی جنگ درپیش ہوئی تو وہ تیس زرہیں تیس نیزے اور تیس گھوڑے عاریۃً دیں گے۔ حضرت نے صلح نامہ تحریر کیا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ اہل نجران کی ہلاکت قریب آ چکی تھی اگر وہ مجھ سے مباہلہ کرتے تو سب بندر اور خنزیر ہو جاتے اور یہ پوری وادی ان کے لیے آگ ہو جاتی اور وہ جل کر خاک ہو جاتے اور خدائے تعالیٰ تمام اہل نجران کو ہلاک کر دیتا۔ یہاں تک کہ ان کے درختوں پر ایک پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔ جب سید و عاقب واپس چلے گئے تو تھوڑے دنوں کے بعد واپس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ صاحب کشاف اور دیگر علمائے اہل سنت نے اپنی صحاح میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ مباہلہ کے دن باہر نکلے تو آپؐ سیاہ رنگ کی عبا پہنے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حسنؑ و حسینؑ اور علیؑ و فاطمہؑ کو عبا کے نیچے داخل

کر کے یہ آیت پڑھی: انما یرید اللّٰہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطھر کم تطھیرا. نیز زمخشری نے کہا ہے کہ اگر تم کہو کہ مباہلہ کی دعوت اس لیے دی تھی کہ مقابل پر ظاہر ہو جائے کہ وہ جھوٹا ہے یا آنحضرتؐ معاذ اللہ جھوٹے ہیں تو بات آنحضرتؐ اور آپ کے مدمقابل کے ساتھ ٹھیک تھی اور بیٹوں اور عورتوں کو ساتھ بلانے کا کیا فائدہ تھا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ان کو ساتھ ملانا ان کی اپنی حقانیت کو ثابت کرتا ہے اس مقابلے میں کہ تنہا جا کر مباہلہ کرتے۔ آپؐ نے اپنے اہل بیت کو ساتھ لے جا کر جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے اعزا اور جگر کے ٹکڑوں کو اپنے نزدیک محبوب ترین افراد کو معرض ہلاکت میں لے آئے اور صرف اپنی ذات پر اکتفا نہیں کیا۔ یہ دلیل تھی اس بات کی کہ آپؐ اپنے دشمن کے جھوٹے ہونے پر پورا پورا یقین رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اگر مباہلہ ہو تو دشمن اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ ہلاک ہو جائے اور مباہلہ کے لیے آپ نے اولاد اور عورتوں کو مخصوص کیا کیونکہ یہ انسان کے عزیز ترین افراد ہوتے ہیں اور باقی افراد کی بہ نسبت دلی تعلق ان کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اس مقصد سے کہ اس کے متعلقین کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ یہی وجہ تھی کہ لڑائیوں میں لوگ عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے جاتے تھے تا کہ وہ خود جنگ سے فرار نہ کریں۔ اسی لیے اس آیت میں بیٹوں اور عورتوں کو انفس پر مقدم رکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ جان سے مقدم ہوتے ہیں۔ اس عبارت کے بعد زمخشری نے کہا ہے کہ اصحاب کساو عبا کی فضیلت کی یہ وہ دلیل ہے کہ جس سے زیادہ قوی کوئی دلیل نہیں۔

حجتہ الوداع

اس سال حجتہ الوداع کا سفر واقع ہوا۔ شیخ کلینی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد دس سال مدینہ میں قیام کیا اور اس دوران میں آپؐ حج نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ دسویں سال یہ آیت پروردگار عالم نے نازل فرمائی: و اذن فی الناس با لحج یا توک رجالاً و علیٰ کل ضامریا تین من کل فحج عمیق لیشھد و منافع لھم (لوگوں میں حج کا اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور کمزور اونٹوں پر آئیں گے اور دور کے راستے سے آئیں گے تا کہ وہ اپنی منفعتیں دیکھ لیں۔) پس حضرت رسول خداؐ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بلند آواز سے یہ بتائیں کہ رسول خداؐ اس سال حج پر تشریف لے جائیں گے جو لوگ مدینہ میں اور وہ اطراف مدینہ میں تھے اور جو عرب بادیہ نشین تھے وہ لوگ تو حضرتؐ کے ارادہ حج سے باخبر ہو گئے ان کے علاوہ جو لوگ تھے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے انہیں حضرتؐ نے خطوط لکھے کہ میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لہٰذا جو استطاعت حج رکھتا ہے وہ حج کے لیے آئے۔ پس تمام مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ حج کرنے کے لیے آئے وہ سب آنحضرتؐ کے تابع تھے کہ جو کام آنحضرتؐ بجالاتے وہ بھی بجالاتے تھے اور جس چیز کا حکم دیتے اس پر عمل کرتے۔ ماہ ذیقعد کے ابھی چار دن باقی تھے کہ حضرتؐ روانہ ہوئے جب آپؐ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو زوال شمس ہو رہا تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ بغل اور ناف کے نیچے کے بال صاف کریں۔ غسل کریں اور سلے ہوئے کپڑے اتار دیں اور ایک لنگی اور زرہ پہن لیں۔ آپؐ نے خود بھی غسل فرمایا اور احرام باندھا اور مسجد شجرہ میں داخل ہوئے اور اس میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ آپؐ نے تنہا حج کی نیت کی کہ جس میں عمرہ داخل نہیں تھا کیونکہ ابھی تک حج

تمتع کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔احرام باندھ کر آپ مسجد سے نکلے اور جب مقام بیداء پر پہنچے تو پہلے میل کے قریب لوگ دو صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔آپؑ نے تنہا حج کا تلبیہ پڑھا اور کہا۔لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک. ان الحمد و النعمة لک و الملک. لبیک لا شریک لک لبیک. حضرتؑ اپنے خطبہ میں ذوالمعارج زیادہ کہتے اور تکبیر کی تکرار کرتے تھے۔جب کسی سوار کو دیکھتے یا کسی ٹیلے پر چڑھتے یا کسی رات کے آخر میں اور نمازیں پڑھنے کے بعد۔نیز آپؑ اپنے ساتھ چھیاسٹھ یا چونسٹھ اونٹ قربانی کے لے کر گئے تھے۔اور ایک روایت میں ہے کہ سو اونٹ لے کر گئے تھے۔مکہ میں آپ چوتھی ذی الحج کو وارد ہوئے۔اور جب مسجد الحرام کے دروازہ پر پہنچے اور بنی شیبہ کے دروازہ سے داخل ہوئے تو مسجد کے دروازہ پر رک گئے۔خدا کی حمد وثناء بجالائے اور اپنے جد امجد ابراہیمؑ پر صلوٰۃ بھیجی۔پھر حجر اسود کے قریب آئے اور اپنا ہاتھ حجر اسود پر پھیرا اس کا بوسہ لیا اور سات مرتبہ کعبہ کے گرد طواف کیا۔مقام ابراہیم کی پشت پر دو رکعت نماز طواف ادا کی۔جب فارغ ہوئے تو چاہ زمزم کے قریب گئے اور زمزم کا پانی پیا۔اور کہا اللّٰھم انی اسئلک علما نافعا و رزقا واسعا وشفاءً من کل داء وسقم. آپؑ نے یہ دعا قبلہ رخ ہو کر پڑھی۔پھر آپ حجر اسود کے پاس آئے اس پر ہاتھ پھیرا بوسہ دیا اور صفا کی طرف متوجہ ہوئے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ان الصفا و المروة من شعائر اللّٰه فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بھما ۔یعنی کوہ صفا و مروہ مناسک حج کی علامات میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ بجالائے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔اس کے بعد آپؑ کوہ صفا کے اوپر تشریف لے گئے اور رکن یمانی کی طرف رخ کیا اور حمد و ثنائے الٰہی بجالائے۔اس قدر کہ جس قدر کوئی شخص ٹھہر ٹھہر کر سورہ بقر کی تلاوت کرے۔

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف روانہ ہوئے اور مروہ کے اوپر تشریف لے گئے اور جتنی دیر صفا پر رکے تھے اتنی ہی دیر مروہ پر بھی ٹھہرے پھر اور دعا پڑھی اور مروہ کی طرف چلے اس طرح آپؐ نے سات چکر پورے کیے۔ پھر جب سعی سے فارغ ہوئے تو مروہ پر سے کھڑے کھڑے آپؐ نے لوگوں کی طرف رخ کیا اور حمد وثنائے الٰہی بجالائے۔ پھر اپنی پشت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جبرائیلؑ ہے جو خدا کی طرف سے حکم دیتا ہے کہ میں تمہیں حکم دوں۔ جو شخص اپنے ساتھ قربانی نہیں لایا وہ محل ہو جائے اور وہ اپنا حج، عمرہ سے بدل دے اور اگر میں جانتا کہ ایسا ہوگا تو میں بھی قربانی ساتھ نہ لاتا اور ایسا ہی کرتا جیسا تم کر رہے ہو۔ لیکن میں تو قربانی ساتھ لایا ہوں۔ صحابہ میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم حج سے خارج ہو جائیں اور ہمارے سر اور بالوں سے جنابت کا پانی ٹپکنے لگے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ تو کبھی حج تمتع پر ایمان نہیں لائیگا۔ پس سراقہ بن مالک بن جعشم کنانی کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسولؐ ہم نے اپنے دین کے احکام سمجھ لیے ہیں گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یہ فرمائیے یہ حکم جو آپ نے حج کے متعلق ہمیں دیا ہے یہ اس سال کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر سال ہمیں یہی کرنا چاہئے؟

حضرتؐ نے فرمایا یہ اسی سال کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک یہ حکم جاری وساری ہے۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کیں اور فرمایا قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

اسی اثناء میں حضرت امیر المومنینؑ جو رسول اللہؐ کے فرمان کے مطابق یمن سے حج کے لیے تشریف لائے تھے۔ مکہ میں داخل ہوئے۔ جب حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہؑ محل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے خوشبو لگا رکھی ہے اور انہوں نے رنگین لباس پہن رکھا ہے تو آپؑ نے فرمایا اے فاطمہؑ! تم قبل از

وقت کیوں محل ہوگئی ہو۔ جناب سیدہؑ نے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہؐ نے یوں ہی حکم دیا ہے۔ پس حضرت امیرالمومنینؑ گھر سے نکلے اور تیزی سے رسول خداؐ کی خدمت میں آئے تا کہ حقیقت حال معلوم کریں۔ جب آنحضرت کی خدمت میں آئے تو عرض کیا کہ میں نے سیدہؑ کو دیکھا وہ محل ہوگئیں ہیں اور انہوں نے رنگین کپڑے پہن رکھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' میں نے لوگوں کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ یا علیؑ تم نے کس طرح احرام باندھا ہے۔ آپؑ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے تو یوں احرام باندھا ہے کہ احرام باندھتا ہوں میں رسول اللہؐ کے احرام کی طرح۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے احرام پر باقی ہو میری طرح اور تم میری قربانی میں شریک ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ ان ایام میں اصحاب کے ساتھ ابطح میں اترے ہوئے تھے اور گھر میں قیام نہیں فرمایا تھا۔ پس جب آٹھ ذی الحج ہوئی تو زوال کے قریب آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ غسل احرام کریں اور حج کا احرام باندھیں یہ مفہوم ہے خدا کے اس ارشاد کا کہ: فاتبعوا ملة ابیکم ابراھیم. اس متابعت سے مراد حج تمتع میں متابعت کرنا ہے۔ پس حضرتؐ اصحاب کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے باہر نکلے اور منیٰ میں پہنچے وہاں آپؐ نے ظہر وعصر مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کیں اور نویں تاریخ کی صبح کو سامان سواریوں پر لاد کر اصحاب کے ساتھ میدان عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کی بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ بھی تھی کہ وہ مشعر الحرام سے آگے نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں لہٰذا حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ باقی لوگ عرفات میں جاتے تھے اور جب لوگ عرفات سے سامان اٹھا کر مشعر میں آتے تو قریش ان کے ساتھ مشعر سے منیٰ کی طرف آتے اور قریش کی یہ بھی خواہش ہوتی تھی کہ آنحضرتؐ ان کے ساتھ اس سلسلے میں موافقت کریں۔ پس پروردگار عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثم افیضوا من حیث

افاض الناس. یعنی وہاں سے سامان اٹھا کر آ ؤ جہاں سے اور لوگ آتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا یہاں ناس سے مراد ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق علیہم السلام اور ان کے بعد والے انبیاء ہیں جو سب کے سب عرفات سے افاضہ کرتے تھے۔ پس جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرتؐ مشعر الحرام سے گزر کر عرفات کی طرف جا رہا ہے تو ان کے دلوں میں خدشہ پیدا ہوا کیونکہ ان کو امید تھی کہ آپؐ ان کی جگہ سے واپس ہوں گے اور عرفات نہیں جائیں گے۔ اس کے بعد حضرتؐ نمرہ میں جا کر پیلو کے درختوں کے سامنے سواری سے اترے اور وہاں اپنا خیمہ لگایا۔ باقی لوگوں نے آپؐ کے خیمے کے گرد خیمے نصب کیے۔ جب زوال شمس ہوا تو حضرتؐ نے غسل فرمایا اور باقی تمام افراد کے ساتھ بشمول قریش عرفات میں داخل ہوئے اور وہاں تلبیہ کو قطع کیا اور اس مقام پر تشریف لائے کہ جس کو آپؐ کی مسجد کہتے ہیں وہاں رک گئے لوگ بھی آپ کے گرد کھڑے ہو گئے۔ وہاں آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور امر و نہی کی تلقین فرمائی پھر لوگوں کو نماز ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائی۔ پھر محل وقوف میں گئے اور وہاں کھڑے ہو گئے اور لوگ حضرتؐ کے اونٹ کی طرف بڑھنے لگے اور اس کے قریب ٹھہرنے لگے تو آپؐ نے اونٹ کو حرکت دی، لوگوں نے بھی ساتھ چلنا شروع کیا اور ناقہ کے گرد جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا لوگو! موقف صرف میرے اونٹ کے پاؤں کے نیچے نہیں ہے اور ہاتھ سے اشارہ کیا تمام موقف عرفات کی طرف اور فرمایا یہ سب موقف ہے۔ پھر لوگ منتشر ہو گئے اور مشعر الحرام میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پس لوگ عرفات میں رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپؐ نے سامان سواری پر لادا اور لوگوں نے بھی اپنا سامان سواریوں پر بار کیا۔ حضرتؐ نے لوگوں کو آہستگی کا حکم دیا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ مشرکین عرفات سے غروب آفتاب کے وقت کوچ کرتے تھے لیکن آپؐ نے ان کی مخالفت کی اور غروب آفتاب کے بعد روانہ ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو! حج گھوڑوں کو

دوڑانے اور اونٹ کو تیز چلانے کا نام نہیں ہے بلکہ خدا سے ڈرو اور شائستہ انداز میں چلو کمزوروں کو نہ کچلو اور کسی مسلمان کو گھوڑوں کے پیروں تلے پامال نہ کرو۔ آنحضرتؐ ناقہ کو اتنا کھینچتے تھے کہ وہ آہستہ چلے یہاں تک کہ وہ پالان تک پہنچ جاتا تھا اور آپؐ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو آہستہ چلو۔ اس کے بعد آپؐ مشعر الحرام میں داخل ہوئے وہاں آپؐ نے نماز مغرب وعشاء ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کی اور رات وہیں بسر کی بلکہ صبح کی نماز بھی آپؐ نے وہیں پڑھی۔ بنی ہاشم میں سے جو لوگ کمزور تھے۔ انہیں رات ہی کو منیٰ میں بھیج دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عورتوں کو رات کے وقت بھیج دیا اور اسامہ بن زید کو ان کے ساتھ روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ جمرہ عقبہ پر طلوع آفتاب سے پہلے کنکریاں نہ ماریں جب سورج نکل آیا تو آپؐ مشعر الحرام سے روانہ ہوئے اور منیٰ میں اترے اور جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں۔ قربانی کے جو اونٹ آپ لائے تھے وہ چھیاسٹھ یا چونسٹھ تھے اور جو اونٹ حضرت امیرؑ لائے تھے وہ چونتیس یا چھتیس تھے اور دونوں کے اونٹوں کا مجموعہ ایک سو تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ اونٹ نہیں لائے تھے بلکہ رسول خدا ہی سو اونٹ لائے تھے اور جناب امیرؑ کو اپنی قربانی میں شریک کیا تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے چھیاسٹھ اونٹ اور حضرت امیرؑ نے چونتیس اونٹ نحر کئے۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ان سو اونٹوں میں سے ہر ایک سے کچھ گوشت الگ کیا جائے وہ سب پتھر کی ایک دیگ میں ڈال کر پکایا گیا اور رسولؐ خدا اور جناب امیرؑ نے اس کا شوربہ تناول فرمایا تاکہ تمام اونٹوں میں سے کھانا ثابت ہو جائے۔ ان اونٹوں کی کھال سری اور پائے آپؐ نے قصابوں کو نہ دئے بلکہ ان سب کو صدقہ کر دیا۔ پھر آپؐ نے سر منڈوایا اس روز طواف خانہ کعبہ کے لئے گئے اور طواف وسعی کرنے کے بعد منیٰ میں لوٹ آئے اور تیرھویں کے دن تک جو کہ ایام تشریق کا آخری دن ہے۔ آپؐ منیٰ میں رہے اور اس دن ہر تین جمروں کو کنکریاں ماریں اور دوبارہ مکہ کی

طرف روانہ ہوئے۔ شیخ مفید اور طبرسی نے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ اعمال حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت امیر المومنینؑ اور باقی مسلمان بھی آپؐ کی خدمت میں تھے اور جس وقت غدیر خم میں پہنچے اس جگہ اس وقت تک قافلے نہیں اترا کرتے تھے کیونکہ پانی اور چراگاہ وہاں نہ تھی تو آپؐ نے وہاں اتر پڑے اور مسلمان بھی اترے اور وہاں اترنے کا سبب یہ تھا کہ خداوند عالم کی طرف سے تاکید شدید آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تھی کہ وہ اپنے بعد کے لئے امیر المومنینؑ کو خلافت عطا فرما دیں۔ اس سلسلہ میں اس سے پہلے بھی آپ پر وحی نازل ہو چکی تھی لیکن وہ وقت کے تعین اور تاکید پر مشتمل نہیں تھی اس وجہ سے آپ نے ابھی تک اس کی تبلیغ میں تاخیر کی تھی، اس خوف سے کہ کہیں امت میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے اور ان میں سے کچھ لوگ دین سے نہ پھر جائیں اور خداوند عالم جانتا تھا کہ اگر غدیر خم سے آگے بڑھے تو بہت سارے لوگ اپنے شہروں کی طرف چلے جائیں گے۔ لہٰذا خدا نے چاہا کہ اسی جگہ پر جمع ہوں اور تمام کے تمام لوگ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت پر نص رسولؐ سن لیں اور ان پر اس سلسلہ میں حجت تمام ہو جائے اور کسی مسلمان کا عذر باقی نہ رہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی:

یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک.

یعنی اے رسولؐ لوگوں کو پہنچا دے وہ کچھ جو تیرے پروردگار کی طرف سے (امامت علی بن ابی طالب اور اس کے امت میں خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں نص) نازل ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا:

و ان لم تفعل فما بلغت رسالته واللّٰہ یعصمک من الناس.

اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے پروردگار کی رسالت ہی انجام نہیں دی اور خدا تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ پس خدا نے اس پیغام کے پہنچانے کی تاکید فرمائی اور

اس معاملہ میں تاخیر کرنے سے ڈرایا اور ضمانت دی کہ خدا تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اس وجہ سے آپ ایسی جگہ اترے کہ جو اترنے کی جگہ نہ تھی اور تمام مسلمان بھی آپؐ کے اردگرد اتر پڑے۔ اس دن گرمی بہت تھی۔ پس آپؐ نے حکم دیا کہ جو وہاں خاردار درخت تھے ان کے نیچے سے خس و خاشاک صاف کیئے جائیں اور فرمایا کہ اونٹوں کے پالان جمع کیئے جائیں اور انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیا جائے پھر آپؐ نے ندا دینے والے سے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان منادی کرو کہ وہ سب میرے پاس جمع ہوں۔ پس وہ تمام لوگ آپؐ کے پاس جمع ہو گئے اور اکثر لوگوں نے گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنی چادریں اپنے پاؤں پر لپیٹ لی تھیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرتؐ ان پالانوں پر جو منبر کی طرح رکھے ہوئے تھے تشریف لے گئے اور حضرت امیر المومنینؑ کو منبر کے اوپر بلایا اور اپنی دائیں طرف کھڑا کر لیا۔ پھر خطبہ پڑھا جو حمد و ثنا الٰہی پر مشتمل تھا اور مواعظ بلیغ اور کلمات فصیح کے ساتھ انہیں موعظہ کیا اور اپنی وفات کی خبر سنائی اور فرمایا مجھے بارگاہ الٰہی میں بلایا گیا ہے اور قریب ہے کہ میں دعوت خداوندی کو قبول کروں اور وہ وقت آ پہنچا ہے کہ میں دار فانی کو الوداع کہوں اور آخرت کی طرف رحلت کروں میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اس سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوں گے وہ خدا کی کتاب اور میری عترت ہے جو کہ میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ کوثر کے کنارے میرے پاس نہ پہنچ جائیں۔

پھر آپؐ نے ان کے درمیان بلند آواز سے پکار کر فرمایا کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا۔ سب نے کہا بیشک، پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کے دونوں بازو پکڑ کر انہیں بلند کیا۔ یہاں تک کہ ان کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ'' یعنی جس کا میں مولا اور اس کے نفس پر اولیٰ ہوں اس کا

علیؑ مولا اور اس کے نفس پر اولیٰ بالتصرف ہے۔ خدایا اس کو دوست رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اس کا دشمن ہو جا جو علیؑ سے دشمنی کرے اور اس کی مدد فرما جو علیؑ کی مدد کرے اور اس کو چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔ پھر آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور وہ وقت قریب زوال کا تھا اور گرمی پورے شباب پر تھی پھر بھی آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد زوال ہوا اور آنحضرتؐ کے موذن نے اذان کہی اور آپؐ نے لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی، پھر آپؐ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ آپؐ کے خیمہ کے سامنے امیرالمومنینؑ کے لئے ایک خیمہ نصب کیا جائے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ گروہ در گروہ آنجنابؑ کی خدمت میں جائیں اور انہیں امامت کی تہنیت اور مبارکباد دیں اور ان کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کریں پس لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپؐ نے اپنی ازواج اور باقی مسلمان عورتوں کو جو آپؐ کے ساتھ تھیں حکم دیا کہ وہ بھی جا کر تہنیت اور مبارکباد دیں۔ اور امیرالمومنینؑ کہہ کر سلام کریں۔ پس سب نے ایسا کیا اور وہ اشخاص کہ جنہوں نے اس سلسلہ میں زیادہ اہتمام کیا ان میں سے ایک عمر ابن خطاب تھے کہ جنہوں نے زیادہ خوشی اور بشاشت کا اظہار کیا آپ کی امامت وخلافت پر اور کہا ''بخ بخ لک یا علی اصبحت مولائی ومولا کل مومن و مومنة'' یعنی کیا کہنے آپ کے اے علیؑ آپ تو میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہو گئے۔ اس وقت حسان بن ثابت خدمت رسولؐ میں آئے اور آپؐ سے اجازت چاہی کہ امیرالمومنینؑ کی مدح میں واقعہ غدیر اور آنجناب کے نصب امامت وخلافت کے متعلق اور ان دعاؤں کے متعلق جو حضرت رسولؐ نے ان کے حق میں کہی تھیں قصیدہ پڑھے۔ جب آپ نے اجازت دی تو وہ اونچی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور یہ اشعار بلند آواز سے لوگوں کے سامنے پڑھے۔

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم	بخم واسمع بالنبی منادیا

فقال فمن مولیکم ولیکم	فقالو ولم یبدوا ھناک التعاویا
فقال لہ قم یا علی واننی	رضیتک من بعد اماما وھا دیا
فخص بھا دون البریۃ کلھا	علیا وسماہ الوزیرا المواخیا
الھک مولنا و انت ولینا	ولن تجدن منالک الیوم عاصیا
فمن کنت مولاہ ولیہ	فکونوا لہ اتباع صدق موالیا
ھناک دعا اللّٰھم وال ولیہ	وکن للذی عادیٰ علیا معادیا

ترجمہ: ان کا نبیؐ غدیر کے دن خم کے مقام پر انہیں پکار رہا تھا اور کتنے اچھے معلوم ہوتے تھے نبی پکارتے ہوئے انہوں نے کہا تمہارا مولا اور ولی کون ہے۔ سب لوگ کہنے لگے اور ان میں سے کسی نے مخالفت و دشمنی کا اظہار نہ کیا۔ آپ کا معبود ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں اور آج کے دن ہم میں سے کسی کو آپ نافرمان نہ پائیں گے۔ پس آپ نے فرمایا اٹھو اے علیؑ کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد کے لئے امام وھادی منتخب کیا ہے اور امامت کے لئے سب لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ کو مختص کیا اور اس کا نام مدد کرنے والا وزیر رکھا۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ ولی و مولا ہے لہٰذا اس کے سچے پیروکار اور موالی بن جاؤ۔ پھر یہ دعا مانگی خدایا دوست رکھ اس کے دوست کو اور جو علیؑ سے دشمنی کرے اس کا دشمن ہو جا۔

جب حسان یہ شعر کہہ رہا تھا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: لا تزال یا حسان مویدا بروح القدس مانصرتنا بلسانک ”یعنی اے حسان تو ہمیشہ روح القدس کے ساتھ موید رہے گا۔ جب تک زبان سے ہماری مدد کرتا رہے گا۔“ آپ کی طرف سے یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ حسان ولایت امیر المومنینؑ پر ثابت قدم نہیں رہے گا۔

چنانچہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا۔ کمیت شاعر نے بھی واقعہ غدیر کے متعلق ایک قصیدہ لکھا ہے کہ جس میں یہ تین اشعار بھی ہیں۔

ویوم الدوج ووح غدیر خم	ابان لہ الولایۃ لو اطیعا
ولکن الرجال تبایعوا ھا	فلم ارمثلھا خطراً منیعا
ولم ارمثل زاک الیوم یوما	ولم ارمثلہ حقا اضیعا

اور وسیع میدان کا دن غدیر خم کا میدان کہ اس کی ولایت کو واضح کیا اگر اطاعت کی جاتی۔ لوگوں نے ولایت کی بیعت کر لی میں اس سے بڑھ کر کوئی بلند شان نہیں سمجھتا اور میں اس دن کی طرح کسی دن کو نہیں سمجھتا اور میں نے اس طرح کسی حق کو ضائع ہوتے نہیں دیکھا۔

حضورؐ کی آخری لمحات

حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ خیبر میں دئے ہوئے زہر کی وجہ سے ابھرا کرتی تھی۔ مسمر ہوگئی۔ آپ اکثر علیل رہنے لگے۔ بیماری کی خبر کے عام ہوتے ہی جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہونے لگے جن میں مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی، طلیحہ، سجاح زیادہ نمایاں تھے۔ لیکن خدا نے انہیں ذلیل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہی ہے۔ آپؐ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حملہ نہ کر دیں۔ اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور حکم

دیا کہ علیؑ کے علاوہ مہاجر و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہاں تک فرمادیا۔ "لعن اللّٰہ من تخلف عنھا" جو اس جنگ میں نہ جائے گا۔ اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کیا۔ انہوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں کیمپ لگایا اور صحابہ کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ لوگ نہ گئے۔ مدارج النبوت و تاریخ کامل وطبری میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تھے۔ آخری صفر میں جب کہ آپؐ کو شدید درد سر تھا۔ آپؐ رات کے وقت اہل بقیع کے لئے دعا کی خاطر تشریف لے گئے۔

واقعۂ قرطاس

حجتہ الوادع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے۔ اب آخری وقت میں آپؐ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اسے دستاویزی شکل دے دوں۔ اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات اور کاغذ دے دو۔ تا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمہیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لئے کافی ہو۔ یہ سن کر اصحاب میں باہمی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگوں کے رجحانات قلم دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا "ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللّٰہ" ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے

مولانا شبلی کہتے ہیں۔ روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے

ہیں۔ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (الفاروق) لغت میں ہذیان کے معنی بکواس کے ہیں۔

اس واقعہ سے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ اٹھ کر چلے جاؤ۔ نبی کے سامنے شور و غل کرتے ہو؟۔

آپؐ کی وصیت

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری وقت آپ نے فرمایا۔ میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے اپنے باپ ابوبکر پھر عمر کو بلایا۔ انہوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علیؑ کو بلا بھیجا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے مورخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اور حسنین علیہما السلام کو طلب فرمایا اور حضرت علیؑ کو بلا کر وصیت کی اور کہا جیش اسامہ کے لئے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا۔ اسے ادا کر دینا۔ اور اے علیؑ تمہیں میرے بعد سخت صدمات پہنچیں گے۔ تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم دین اختیار کئے رہنا۔

رسول اکرمؐ کی شہادت

حضرت علیؑ سے وصیت فرمانے کے بعد آپؐ کی حالت متغیر ہوگئی۔ حضرت

فاطمہ جن کے زانو پر سر مبارک رسالت مآب تھا۔ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذن حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا۔ اور کہا کہ اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔ اس وقت واپس چلا جا۔ اس نے کہا کہ میری واپسی ناممکن ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرت کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ' اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ فاطمہؑ نے اجازت دے دی اور وہ داخل خانہ ہوئے۔ پیغمبر خداؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی' اے مولا! یہ پہلا دروازہ ہے۔ جس پر میں نے اجازت مانگی ہے اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت نہ طلب کروں گا۔

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسول کریمؐ کی بتاریخ ۲۸ صفر ۱۱ھ میں بروز پیر بوقت دوپہر کو وفات ہوئی۔ اہلبیتؑ کرام میں کہرام مچ گیا۔ حضرت ابوبکر اس وقت اپنے گھر محلہ سخ گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمر نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابوبکر آ گئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور انہیں کے ساتھ ابوعبیدہ بھی چلے گئے۔ جو غسال تھے۔ غرضیکہ صحابہ کی اکثریت رسول خداؐ کی لاش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت میں جا شریک ہوئے اور حضرت علیؑ نے غسل وکفن کا بندوبست کیا۔ حضرت علیؑ غسل دیتے تھے' فضل ابن عباس حضرت کا پیراہن اونچا کرتے تھے' عباس کروٹ

بدلوانے میں اور اسامہ وشقران پانی ڈالنے میں مصروف ہو گئے اور انہیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم مطہر کو دفن کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ ابوطلحہ نے قبر کھودی کنزل العمال اور ارجح المطالب کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکر و حضرت عمر آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرتؐ کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

ازواج رسولؐ

چند کنیزوں کے علاوہ جن میں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں۔ آپؐ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ جن میں سے حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ نے آپؐ کی زندگی میں وفات پائی تھی اور نو (۹) بیویوں کا آپؐ کی وفات کے بعد انتقال ہوئیں تھیں۔ رسول اکرمؐ کی بیویوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) خدیجۃ الکبریٰ۔ (۲) سودہ۔ (۳) عائشہ۔ (۴) حفصہ۔ (۵) زینب بنت خزیمہ۔ (۶) ام سلمٰی۔ (۷) زینب بنت جحش۔ (۸) جویریہ بنت حارث۔ (۹) اُم حبیبہ۔ (۱۰) صفیہ۔ (۱۱) میمونہ۔

اولادِ رسولؐ

آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ جناب ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ سب بچے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت قاسم:۔ آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲۔ جناب عبداللہ:۔ طاہر کے نام سے مشہور تھے۔ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

۳۔ جناب ابراہیم:۔ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰ھ میں انتقال کر گئے۔

۴۔ حضرت فاطمۃ الزہراؑ:۔ آپؑ پیغمبر اسلامؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپؑ کے شوہر حضرت علیؑ اور بیٹے امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے۔ آپ کی بیٹیاں جناب زینبؑ وام کلثوم تھیں۔ آپ کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعہ سے رسولؐ کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف نصیب ہوا۔ اور وہ قیامت تک "سید" کہلائیں گے۔

مسئلہ خلافت

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں میں ایک گہرا شگاف پڑ گیا جس کا نتیجہ خون خرابے اور پے در پے قتل و غارت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ شگاف حاکم اسلام اور فرمانروائی مسلمین کے بارے میں اختلاف سے پیدا ہوا جو تاریخ اسلام میں خلافت کے نام سے تعبیر ہوتا ہے اور شہادت سید الشہداء علیہ السلام کی جڑیں یہیں سے پھوٹتی ہیں۔ مسئلہ خلافت ہی مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا اصلی نقطہ ہے جس کے دوسرے اسلامی مسائل پر بھی وہ اعتقادی ہوں یا قضاوتی، اجتماعی ہوں یا کوئی اور اثرات پڑے۔ مناسب ہے کہ مختصر طور پر غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے مسئلہ خلافت کو مورد تحقیق قرار دیا جائے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے کیونکہ مسلمانوں کے درمیان جو دوئیت پیدا ہوئی اور ایک طبقہ شیعہ اور دوسرا سنی ہو گیا اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ شیعہ و سنی اسلام کے بہت سے بنیادی مسائل میں باہم متفق ہیں۔ قرآن مجید ہو یا قبلہ، نماز ہو یا روزہ حج ہو یا زکوٰۃ غرضیکہ بہت سی عبادات و مناسک میں اتفاق رکھتے ہیں اسی طرح قیامت ہو یا حشر و نشر، حجیت سنت رسول کا مسئلہ ہو یا اجماع و وجوب اطاعت پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب میں متفق ہیں تو ان دونوں گروہوں کا اختلاف کس میں ہے؟

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر کیا ہے اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ سنی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کو منصب خلافت پر نصب کرے مگر وہ متفق نہ ہوئے پھر نہ تو انہوں نے اس پر نص فرمائی اور نہ ہی ان کی یہ خواہش عملی جامہ پہن سکی۔ سنی اور شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام میں وہ فضیلتیں تھیں جو دیگر صحابہ میں نہ تھیں۔ پیغمبر

اکرمؐ کے نزدیک ترین اور محبوب ترین فرد تھے اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وہ علی علیہ السلام کو سب سے دانا تر اور بابصیرت جانتے تھے راہ اسلام میں انہوں نے سب سے زیادہ تکالیف برداشت کیں اور جہاد کیا۔ پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے ہمیشہ امیر ہی رہے کبھی کسی کے ماتحت نہیں رہے۔ اس پر بھی اتفاقِ نظر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے آپ کو پیغمبرؐ کا منصوص من اللہ خلیفہ سمجھتے تھے اور اسی طرح دختر رسولؐ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بھی انہیں خلیفہ برحق سمجھتی تھیں نیز متفقہ طور پر اہل بیتؑ بھی علیؑ کو خلیفہ منصوص جانتے تھے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں حضرت پیغمبر خداؐ سے نص وارد ہوئی ہے اور وہ منصب خلافت پر فائز ہوئے ہیں۔ شیعوں کا جواب اثبات میں ہے جبکہ سنی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرمان بطور نص وارد نہیں ہوا حالانکہ فریقین کا اتفاق ہے کہ آپؐ کی اطاعت فرض اور آپؐ کے فرامین واجب الاتباع ہیں۔ بس موضوع میں اختلاف ہے کہ آیا نص وارد ہوئی؟ فرمان صادر ہوا؟ محققین اسلام و تاریخ یہاں غور کر کے راہ حق پا سکتے ہیں۔ اس مقام پر سوال یہ ہے کہ جو لوگ نص کے منکر تھے ان کے لئے کون سا مانع تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر لیتے تا کہ مسلمانوں میں یہ رخنہ پیدا نہ ہوتا وحدت محفوظ رہتی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو بھی پوری ہو جاتی۔ قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ دین خدا میں حکومت بھی خدا کی ہونی چاہئے اور بس کوئی بشر دوسرے انسان پر حکمرانی کا حق نہیں رکھتا سوائے ان ہستیوں کے جو خدا کی طرف سے اس منصب پر فائز ہوں جیسے انبیاء اور وہ لوگ جو ان کی نمائندگی میں لوگوں پر حکمرانی کے لئے معین ہو چکے ہوں۔ حضرت موسیٰؑ خود بنی اسرائیل پر حکومت کرتے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع پیغمبر تھے جو ان پر حکمران ہوئے۔ شموئیلؑ پیغمبر نے خدا کی طرف سے طالوت کو بنی اسرائیل پر حکمران معین فرمایا جو

ایک بزرگ، دانش وفہم کے لحاظ سے توانا اور قوت جسمانی کے لحاظ سے بہت طاقتور تھے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

"زادہ بسطة فی العلم والجسم"

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ایک ملت تشکیل دی تو آپؑ حاکم مطلق تھے اور مدینہ منورہ میں حکومت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ نماز جمعہ آپؐ نے مکہ میں نہیں پڑھی حالانکہ پنجگانہ نمازیں باجماعت ادا فرماتے تھے جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے ہی جمعہ کو نماز جمعہ قائم فرمائی جو مدینہ میں حکومت اسلامی کی تکمیل کی نشانی تھی۔ اسلام کی نظر میں انسان پر حکومت صرف خدا تعالیٰ کی ہے اور بس کوئی بھی اس مقام میں حضرت احدیت کے ساتھ شریک نہیں جو لوگ اللہ کی طرف سے بشر پر حکومت کے لئے معین ہوئے ہیں وہ اسی حکومت الٰہی کے مظہر ہیں۔ قرآن حکیم کئی تعبیرات سے اس حقیقت کی تصریح کرتا ہے کبھی حکم ہوتا ہے۔

"الا لہ الخلق و الامر"

پیدا کرنا اور فرمانروائی اسی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

کبھی ارشاد ہوتا ہے

"ان الحکم الا اللہ"

حکومت خدا ہی کی ہے اور بس۔ کبھی فرمان ہوتا ہے۔

"ھنالک الولایة للہ الحق"

حکومت اللہ کے لئے ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا کی طرف سے یہ منصب حکومت کسے عطا ہوا اور جہان بشریت کی قیادت کا فرمان کس کے نام جاری ہوا ہے۔ قرآن رہبری بشر کو تین ناموں سے تعبیر کرتا ہے۔ امام۔ عہد۔ ولی ان میں سے امام اور ولی

تو مخلوق پر بولا جاتا ہے اور عہد خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے کوئی فرد بشر اس منصب الٰہی پر ان لوگوں کے سوا فائز نہیں ہوتا کہ جن کے نام اس اللہ کی طرف سے فرمان صادر نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے۔

"واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین"

نص قرآن کے مطابق گذشتہ زمانے میں یہ فرمان صرف حضرت ابراھیمؑ خلیل کے نام تھا جہاں وہ خدا سے آرزو کرتے ہیں کہ مرتبہ امامت ان کے فرزندوں میں باقی رہے اور ان میں سے اقلا کچھ اس مقام پر فائز ہوں تو ان کی خواہش سلبی طور پر قبول کر لی جاتی ہے کہ نسل ابراھیمؑ سے ظالم اور ستمگر اس مقام کو نہ پاسکیں گے۔ ستمگر وہ ہے جو حق کو پامال کرے خواہ وہ اللہ کا ہو یا بندے کا۔ ستمگر عدل کیسے قائم کرسکتا ہے؟ اندھا بینائی نہیں دے سکتا۔ تاریکی سے روشنائی کا حصول ناممکن ہے۔ ذات خدا جب اجازت نہیں دیتی کہ ظالم کسی بشر پر مسلط ہو تو اسے کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ ظالمین رہبری بشریت کے منصب پر فائز ہوں۔ اب فرمان ایجابی اور اس کے مثبت جنبہ کا سراغ لگاتے ہیں کہ یہ فرمان حضرت ابراھیمؑ کے بعد اسلام میں کس نام سے صادر ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون"

تمہارا سرپرست و رہبر خدا ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں صدقہ دیتے ہیں۔ رہبر خدا ہے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ تیسرا کون ہے؟ وہ وہی ہے جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے۔ علماء تفسیر کا اتفاق اور ارباب حدیث وتاریخ کا فیصلہ ہے کہ وہ علیؑ ہیں اور بس! انہوں

نے ہی نماز کے عالم میں حالت رکوع میں انگوٹھی راہ خدا میں دی تھی۔ جس طرح کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سامنے فرمانده الٰہی اور واجب الاطاعۃ ہیں اسی طرح علیؑ خدا اور رسولؐ کے سامنے فرمانده خدائی اور واجب الاطاعت ہیں فرمان قران کے مطابق جہان بشریت کی رہبری کے لئے منشور الٰہی پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نام صادر ہوا پھر حضرت علی علیہ السلام کے نام۔ ہمیں خلافت میں بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ علیؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور ان کے سامنے بشر پر حاکم اور واجب الاطاعۃ تھے اور ان کا فرمان بحیثیت امام حکم خدا کی طرح واجب العمل ہے۔ حیات پیغمبرؐ کے زمانے میں ان تین میں سے ایک حاکم ہے۔ اللہ۔ رسولؐ اور علیؑ اور وفات پیغمبرؐ کے بعد دو میں سے ایک ہوگا۔ اللہ، علیؑ۔ حکومت کا منصب اصلی تو خدا کیلئے ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص بھی اور محمدؐ و علیؑ اس کی طرف سے منصب دار ہیں اس بیان قرآن کے بعد مسئلہ خلافت میں بحث کا موضوع باقی نہیں رہتا اور نہ ہی ہمارا محل موضوع خلافت ہے۔

خلفائے راشدین

حضرت ابوبکرؓ

خلفائے راشدین کا نام پانچ اشخاص کے لئے مختص ہے۔ حضرت ابوبکر ان میں سے پہلے ہیں اور وہ چند لوگوں کی مدد سے اس منصب پر پہنچے اور حکومت کے سربراہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر کی خلافت بیعت کے ذریعے مکمل ہوئی۔ بیعت کو انتخاب نہیں کہتے۔ اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ بیعت عقبہ اور بیعت شجرہ کے موقع پر رسول اللہؐ کو پیغمبری کے لئیے منتخب نہیں کیا گیا تھا وہ پیغمبر بھی تھے اور حاکم بھی تھے چاہے کوئی ان کی بیعت کرتا یا نہ کرتا۔

بیعت اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دینے کا اظہار ہے اس سے مراد چننا نہیں حضرت ابوبکر کا سربراہ مملکت بننا صدر مملکت کے انتخاب کی صورت میں نہ تھا۔ لازم ہے کہ حضرت ابوبکر کی حکومت کو کوئی اور نام دیا جائے۔

حضرت ابوبکر کو حکومت کی کرسی پر پہنچانے میں دو بنیادی عوامل نے کام کیا۔

نمبر ا: قریش:۔ یہ لوگ صحابہ میں سے قدرت اور قدرت مند گروہ تھا۔ ان کے دل میں بنو ہاشم کا بغض رچا بسا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی پوری طاقت سے کوشش کی کہ حکومت بنی ہاشم کے ہاتھ میں نہ آ سکے۔ قریشی یہ چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکومت سے الگ ہو جائیں۔

نمبر۲: حکومت سے محرومی کا خیال :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکومت بنی ہاشم کے ہاتھ میں آ جائے تو وہ جاویدانی اور ابدی ہو جائے گی اور قریش یا دوسرے عرب قبیلوں میں سے کوئی گروہ بھی کسی دور میں اس حکومت میں حصہ نہ لے سکے گا۔ حکومت سے محرومی کا مفروضہ اور اقتدار کے خواہش مندوں کے لئے یہ ایک بہانہ بنا اس کے وسیلے سے انہوں نے اپنے ہمنوا پیدا کیے اور اپنے محاذ کو تقویت دی

حضرت ابوبکر خوش شکل آدمی تھے۔ غیر معمولی طور پر زیرک اور ہوشیار' اپنے دور کے بہت بڑے سیاستدان شمار ہوتے تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے جو ابتداء ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ چونکہ انہوں نے براہ راست جاہلیت کے دور کی جنگوں اور عہد اسلام کے جہاد میں شرکت نہیں کی تھی اس لئے قریش میں سے یا دیگر عرب قبائل میں کسی کو ان سے دشمنی نہ تھی۔

حضرت ابوبکر نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں بڑی سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا اور اپنے مخالفوں کو نیچا دکھایا۔ ابتدا ہی میں انہوں نے انصار سے یہ بات منوالی کہ حکومت یا امارت قریش ہی کی ہوگی اور یوں انہیں ایک قدم پسپا کر دیا۔ جب انصار نے حکومت کی تجویز پیش کی اور کہا کہ ایک شخص ہم میں سے امیر ہو اور ایک شخص تم میں سے اور یوں حکومت کا سلسلہ چلے۔ تو حضرت ابوبکر نے ارشاد نبویؐ کا سہارا لیا اور اس تجویز کو رد کر دیا اور پیغمبر اکرمؐ کا یہ قول پیش کیا کہ "الائمة من القریش" یعنی جتنے حاکم ہوں گے وہ قریش ہی سے ہوں گے۔ جب حضرت ابوبکر کے اس استدلال کو حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا "احتجوا بالشجرة وضاعوا الثمرة" یعنی درخت کا تو وہ سہارا لیتے ہیں اور اس کے پھل کو برباد کر دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی حکومت کے زیر اثر مسلمانوں کی صفوں میں پہلا شگاف پیدا ہوا اور وہ

دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جو نص کی پیروی کرتا تھا اور دوسرا گروہ وہ نص کے مخالفوں پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں گروہ ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے لیکن حکومت اور اقتدار بیشتر ادوار میں اور بیشتر اسلامی منطقوں میں دوسرے گروہ ہی کے ہاتھ میں رہے۔

خلفائے بنی عباس ابتدائے میں پہلے گروہ سے وابستہ تھے اور پھر کامیاب ہونے کے بعد دوسرے گروہ میں شریک ہوگئے۔ جتنے منافقین تھے انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور اس کے عوض میں انہیں صحابی کا عظیم الشان لقب دیا گیا۔ جن لوگوں نے نص کی پیروی کی انہوں نے اپنے رہبر کے نقش پر چلتے ہوئے مسلح جنگ سے گریز کیا۔ اگر حضور اکرمؐ کے اس دنیا سے بظاہر چلے جانے کے بعد مسلمانوں میں جنگ و خون ریزی شروع ہو جاتی تو اس میں سو فیصد مسلمانوں کا نقصان تھا اور اسلام کا خسارہ تھا اور اس کے نتیجے میں اسلام کا خاتمہ تھا جو لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے وہ مرتد ہو جاتے اور اسلام کو حصول اقتدار کا ایک وسیلہ گردانتے۔ کفار اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے اسلام اور مسلمان دونوں اس جہان میں باقی نہ رہتے۔ اقتدار کی ہوس کرنے والوں نے حضرت علیؑ کی اس خیر اندیشی اور خیر خواہی سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مقصد تک جا پہنچے، اپنی حکومت کو مضبوط کیا۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کے زیر اثر مسلمانوں کی صفوں میں ایک اور اختلاف جو پیدا ہوا وہ مہاجرین و انصار کے دو گروہوں کا الگ الگ ہونا تھا۔ ثقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر نے انصار سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وزارت ان کی ہاتھ میں ہوگی ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ حکومت میں شریک ہوں گے لیکن یہ وعدہ ایفا نہ ہوا۔ مہاجرین نے انصار کو ہمیشہ کے لئے حکومت سے الگ کر دیا اور انصار میں اتنی طاقت نہ رہی کہ اس کی مزاحمت کر سکتے۔ انصار مہاجرین کے مقابلے میں اتنی ذہانت کے مالک نہ تھے۔ اور ان میں آپس

میں اتحاد بھی نہ تھا۔ انہوں نے اپنی مصلحت کو نہ پہچانا کہ متحد ہو جائیں۔ اوس کے لوگ خزرج والوں سے دشمنی رکھتے تھے اور خزرج والے بھی ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے۔ منافقین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی انصار میں شامل تھی۔ مختصر یہ کہ انصار نے سیاسی جنگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مہاجرین سے شکست کھائی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ سیاسی میدان سے دور ہو گئے۔

وہ مسلمان جو مدینے سے باہر زندگی بسر کرتے تھے انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی اور حکومت کو زکوٰۃ دینے سے گریز کیا۔ حضرت ابوبکر نے ان کو مرتد قرار دیا۔ اصحاب رسولؐ نے یہ کہا کہ مسلمانوں سے جنگ نہ کی جائے لیکن حضرت ابوبکر نے ان کی رائے کے خلاف لڑائی کا بیڑہ اٹھایا اور ان تمام لوگوں کو شکست دی' ان کا سر کچلا۔ یہ لڑائیاں تاریخ اسلام میں۔ حروب ردّہ۔ یعنی مرتدین سے لڑائیوں کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ مسلمانوں کے مابین پہلی لڑائی اسی تاریخ سے شروع ہوئی۔ حضرت ابوبکر کا زمانۂ حکومت وقتی نہ تھا اس کا تعلق کسی قسم کی زمانے حدود سے نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہی سمت پر برقرار رہا لیکن قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ جب وہ مخالفین کی سرکوبی سے فارغ ہوئے تو ان کی حکومت کا زمانہ دو سال سے کچھ زائد تھا۔

حکومت اسلامی جس کی اساس نہ دائیں بازو کی جانب تھی نہ بائیں بازو کی۔ وہ اپنے اصلی رخ سے منحرف ہوگئی اور سیاسی نقطۂ نظر سے اس کا رجحان دائیں بازو کی طرف ہو گیا۔

حضرت عمرؓ

حضرت عمر دوسرا خلیفہ ہے۔ حضرت ابوبکر نے ان کو خلافت کے لئے مقرر کیا تھا اور لوگوں نے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ان کی بیعت کر لی۔ حضرت عمر کی خلافت

کے مسلمانوں کی اکثریت مخالف تھی لیکن ابوبکر نے اپنے مقصد کو عملی شکل دی۔ ایک دن حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو ولی عہد بنانے کے بارے میں ''معیقب دوسی'' سے لوگوں کی رائے کے بارے میں بات چیت کی اس نے جواب دیا کچھ لوگ مخالف ہیں اور کچھ لوگ موافق۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ اکثریت کن کی ہے تو دوسی نے جواب دیا مخالفوں کی۔

حضرت عمر بہت زیرک تھے اور بڑے اعلیٰ درجے کے سیاست دانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ بے حد تند خو اور غصیلے تھے۔ لوگ ان کے نزدیک جانے سے گریز کرتے تھے۔ ان کے غصیلے پن کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی اپنی بیوی پر ناراض ہوتے تھے تو اپنی انگلیوں کو دانتوں میں دبا لیتے تھے اور اس وقت تک انہیں چین نہ آتا تھا جب تک انگلیوں میں سے خون بہنا نہ شروع ہو جاتا تھا۔

حضرت عمر کا عہد خلافت ابوبکر کے عہد خلافت کا دوسرا مرحلہ تھا جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت عمر کی خلافت میں منفی رنگ جھلکتا تھا۔ لیکن خلافت عمر نے اپنے لئے ایک مثبت رنگ پیدا کر لیا۔ انہوں نے حکومت اسلامی کو عرب حکومت بنا دیا۔ اس کو نسلی رنگ میں رنگا اور یہ بات بذات خود دائیں بازو کی سیاست کی طرف ایک دوسرا قدم تھا۔ اس دور میں مسلمانوں کے درمیان طبقاتی فضیلتیں پیدا ہوئیں انہوں نے عرب کو عجم سے برتر قرار دیا۔ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دی۔ قبیلہ اوس کو قبیلہ خزرج پر برتری بخشی اور قبائل ربعیہ کو قبائل مضر پر فوقیت بخشی۔ اس زمانے میں وہ مسلمان جو عرب نہ تھے ان کو موالی کا لقب دیا گیا یعنی آزاد شدہ غلام۔ حضرت عمر کی فتوحات نے اسلامی حکومت کو عرب شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا اور دعوت اسلامی نے جہانگیری کا رنگ اختیار کیا۔ اسلام کے لئے حضرت عمر نے جو فتوحات جہانگیری کیں ان کے نتائج سے بحث کرنے کے لئے بڑی تفصیلی رپورٹ درکار ہے البتہ جو چیز مسلم ہے کہ حضرت عمر کے انتقال کے بعد بت پرست یورپ عیسائیت کی آغوش میں آ گیا۔ عیسائی

مبلغوں نے حضرت عمر کی فتوحات سے بہت بڑی حد تک استفادہ کیا۔ حضرت عیسیٰ کے دین کو محبت اور دوستی کا دین بنا کر پیش کر دیا اور اسلام کو دین شمشیر قرار دیا۔ اس وقت تک عیسائیت اس قابل نہ ہوئی تھی کہ یورپ میں ترقی کرتی وہ روم کی حد میں محصور تھی۔ حضرت عمر کے انتقال کے بعد عیسائیت یورپ کا دین بن گئی۔

اقتصادی نقطہ نظر سے بھی حضرت عمر کے زمانے میں حکومت اسلامی نے دا میں بازو کی جانب رجحان کا اظہار کیا۔ مسلمانون کے اموال میں افضل لوگوں کا حصہ دوسروں سے کہیں زیادہ تھا حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں بدر والوں کو احد والوں پر احد والوں کو خندق والوں پر اور خندق والوں کو خیبر والوں پر اور اسی طرح باقیوں کو بعد میں آنے والوں پر ترجیح دی اور مال غنیمت میں ان کے حصے بھی اسی طریقے پر مقرر کیئے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا گیا۔ اپنی خلافت کے آخری سال میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہا کہ سال آئندہ میں سب کا حصہ برابر مقرر کروں گا لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور یہ طبقاتی نظام عہدہ عثمانی میں مزید قوی ہوا۔ حقوق کی وہ مساوات جس کی بنیاد قرآن مجید میں رکھی تھی وہ بالائے طاق رکھ دی گئی۔ خلافت حضرت عمر میں اسلام میں طبقاتی نظام نمایاں ہوا اور اس نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ اس دور کے مسلمانوں میں ایک مراعات یافتہ طبقہ پیدا ہو گیا۔

تاریخ میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے حضرت امام حسین علیہ السلام کہ ابھی ننھے تھے مسجد میں داخل ہوئے، منبر کی طرف بڑھے اور خلیفہ وقت کو یوں مخاطب کیا ''میرے والد کے منبر سے نیچے اتر اور اپنے باپ کے منبر پر جا'' حضرت عمر کو اس صورت حال کا خواب وخیال میں اندازہ نہ تھا۔ بڑے حیران ہوئے اور کہا تم نے سچ کہا ہے۔ میرے باپ کا کوئی منبر تو تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد بچے کو اپنے پاس بٹھا لیا اور جرح کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں ایسی باتیں کس نے سکھائیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

جواب دیا خدا کی قسم یہ باتیں مجھے کسی نے نہیں سکھائیں۔

حضرت عمر کا خاندان حضرت امام حسینؑ علیہ السلام سے اچھا رویہ نہیں رکھتا تھا کیوں کہ انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے عاصم کی شراب خوری کے بارے میں شہادت دی تھی جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوگئی تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت امام حسینؑ سے کہہ رکھا تھا کہ انہیں کوئی کام ہو تو براہ راست ان سے کہیں۔ ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عمر کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے اس وقت وہ معاویہ سے خلوت میں باتیں کر رہے تھے۔ عبداللہ بن عمر نے انہیں اندر جانے سے روک دیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ خلیفہ وقت سے ملاقات کرسکیں۔

موت کے وقت حضرت عمر چھیاسی ہزار کے مقروض تھے اور یہ قرض انہوں نے بیت المال سے لیا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے یہ قرض کس لئے حاصل کیا اور کس جگہ اسے صرف کیا۔ حضرت عمر کی فتوحات نے اسلامی سلطنت کو عرب شہنشاہیت میں تبدیل کر دیا۔

حضرت عثمانؓ

حضرت عمر نے ایک سیاسی چال کے ذریعے سے حضرت عثمان کو اپنی جگہ متمکن کر دیا اور تخت خلافت پر ان کا قیام ممکن بنایا۔ حضرت عمر نے حضرت عثمان کو اپنی جگہ یوں بٹھوایا اور اس چال میں کونسی بات چھپی ہوئی تھی؟ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی زندگی کے آخری ایام میں بنو امیہ نے اس قدر طاقت حاصل کرلی تھی کہ حضرت عمر گویا ان کے محاصرے میں تھے۔ ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ حضرت عثمان کو اپنا جانشین بنائیں۔ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں وہ ابوسفیان کے اس قول کو اپنی گواہی میں پیش کرتے ہیں کہ جب حضرت

عثمان تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو ابوسفیان نے بنوامیہ سے یوں خطاب کیا کہ ''میں اسی دن کا امیدوار تھا کہ یہ حکومت تم میں سے کسی کے ہاتھ پہنچے'' یہ لوگ ابوسفیان کی اس امید کو ان پس پردہ کاروائیوں کی علامت گردانتے ہیں جو اقتدار حاصل کرنے کے لئے جاری تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام کو حکومت سے الگ رکھنا مقصود تھا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مناسب ترین شخص حضرت عثمان تھے۔

مسلمانوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ حضرت عثمان کی حکومت کا استقبال کیا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ یوں بنوامیہ کو فتح حاصل ہوئی اور وہ بنی امیہ کی کامیابی کو اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ حضرت عثمان مسلمانوں کے درمیان غیر معروف نہ تھے وہ انہیں خوب پہنچانتے تھے وہ ان کی اخلاقی' روحانی اور علمی خصوصیات سے واقف تھے۔ وہ کمزور طبیعت کے مالک تھے۔ قبائلی تعصب ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ جانا پہچانا خدشہ درست ثابت ہوا اور حکومت اسلامی ایک خاندان کی حکومت بن گئی۔ ریاست کے نہایت اہم عہدے اور حساس مناصب خلیفہ وقت کے رشتہ داروں اور مقربین کے ہاتھوں میں آ گئے۔ مسلمانوں میں طبقاتی برتری کا احساس ایک اور رنگ میں در آیا۔ خلیفہ وقت سے وابستہ لوگ اور نودولتے اپنے آپ کو ریاست کے اشراف میں شمار کرنے لگے اور خلافت اسلامی کا نظام اسلام سے چند قدم اور دور ہو گیا' انحرافات بڑھتے گئے۔ انہوں نے مزید انحرافات کو جنم دیا۔ قریش کے پیٹ بھر گئے۔ ان کے بڑے بڑے ارکان نے حکومت میں مستقل عمل دخل پیدا کر لیا اور وہ اسلامی معاشرے کے ممتاز طبقے کی حیثیت میں پہچانے گئے۔ دونوں ہاتھوں سے کھانے کا شور مچا اور اسلامی ریاست پر پریشانیوں نے اپنا سایہ ڈالا۔ عوام الناس نے گورنروں اور ممتاز عہدیداروں کے خلاف فریادیں بلند کیں۔ لیکن انہیں سننے کے لئے کوئی کان تیار نہیں تھا۔ حضرت عثمان نے بیت المال کے بارے میں جو روش اختیار کی وہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی روش تھی۔

انہوں نے اپنے داماد حارث کو تین لاکھ درہم دئے۔ زکوٰۃ کے جتنے اونٹ تھے اسے بخش دئے۔ مدینے کا ایک پورا بازار اسے عطا کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جناب رسالتمابؐ نے یہ بازار تمام مسلمانوں کیلئے وقف کیا تھا۔ ابوسفیان کو دولاکھ درہم دئے۔ ایک اور داماد کو بصرہ کے بیت المال میں سے چھ لاکھ درہم عطا کئے۔ طلحہ کو دولاکھ درہم دئے گئے' زبیر کو چھ لاکھ درہم ملے' زید بن ثابت کو اس قدر دیا گیا کہ ان کی موت پر ان کے پاس جو سونا تھا اسے کلہاڑوں سے کاٹا گیا تھا۔ بہت سے لوگوں کو زرعی اراضی بطور جاگیر دے دی گئی۔ بیت المال کے وہ جواہر جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو بخش دئے۔ اسی قسم کی اور سخاوتیں عمل میں آئیں۔

اس قسم کا کام اسلام میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کو یہ باتیں گراں گزریں۔ اسکے خلاف آوازیں بلند ہوئیں۔ احتجاج ہوئے۔ مسلسل تنقید ہوئی۔ ان اعتراضات کا جواب دینے کی بجائے اعتراض کرنے والوں کی پٹائی ہوتی رہی۔ عبداللہ ابن مسعود کو بڑی سخت جسمانی سزا ملی۔ عمار یاسر کو اس قدر پیٹا گیا کہ ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ابوذر کو پہلے شام کے علاقے میں دربدر کیا گیا اور اسکے بعد انہیں ربذہ میں بھیج دیا گیا جو ایک بے آب و گیاہ بیابان تھا۔ حکم صادر ہوا کہ کوئی شخص ابوذر کو رخصت کرنے جائے اور نہ کوئی ان سے بات کرے۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور بنو ہاشم میں سے چند لوگوں نے اس فرمان کی پرواہ نہ کی اور ابوذر کو رخصت کرنے گئے' ان سے باتیں کیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے انہیں چچا جان کہہ کر مخاطب کیا اور فرمایا کہ خدا میں وہ طاقت ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اسے بدل ڈالے۔ ہر روز اسکی شان نرالی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی دنیا کے لئے تجھ سے ڈرتے تھے اور تو اپنے دین کے لئے ان سے خوفزدہ تھا۔ تجھے ان کی دنیا کی ضرورت نہیں لیکن وہ تیرے دین کے محتاج ہیں۔ خداوند عالم سے صبر و استقامت طلب

فرمائیے اور حرص و طمع اور بے صبری سے خداوند عالم سے پناہ مانگئے' صبر واستقامت دین سے ملتے ہیں' جوانمردی دین سے حاصل ہوتے ہیں اور بے صبری کا فائدہ کچھ نہیں۔

عوامی بغاوت نے سر اٹھایا اور پوری ریاست انقلاب کی گرفت میں آ گئی۔ حضرت عثمان انقلابیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حضرت عثمان کی موت میں وہ سب لوگ شریک تھے جو انقلاب کے خلاف تھے اور ان کے نزدیک تھے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان قتل ہو جائیں یہ لوگ انقلابیوں کو اکساتے تھے اور انقلاب کی آگ کو اپنے دامن کی ہوا دیتے تھے۔ انقلابی نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عثمان قتل ہوں وہ تو حالات میں اصلاح چاہتے تھے لیکن حضرت عثمان کے مقربین اور انکے رشتے دار انہوں نے صورت حال کو اس قدر بگاڑ دیا کہ انقلابیوں کے ہاتھ حضرت عثمان قتل ہو گئے۔

بنو امیہ کے اقتدار کے خواہش مند لوگ جانتے تھے کہ حضرت عثمان اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے رخصت ہوں تو حکومت سو فیصد طور پر ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور انہیں کوئی امید نہ رہے گی کہ حکومت ان کے ہاتھوں میں رہے البتہ اگر حضرت عثمان قتل ہو جائیں تو پھر یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے میدان کارزار میں اتریں اور اپنے لئے اس اقتدار کو حاصل کرنے کا راستہ کھولیں۔ حضرت عثمان کو قتل کروانے کا منصوبہ تیار کیا گیا اور اسے نہایت خوبی سے عملی شکل دی گئی ہے۔

حضرت عثمان کے وزیر اعظم مروان جس کے ہاتھ میں حکومت کا سارا کاروبار تھا اپنی بدزبانی اور بدگوئی کے ذریعے سے انقلابیوں کے غصے میں اضافہ کرتا تھا اور ان کے سینے میں کینے کی آگ کو ہوا دیتا تھا۔ وہ یوں بات کرتا تھا'' حکومت ہماری نجی ملکیت ہے ہم جو چاہیں کریں گے کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے'' حضرت عثمان نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے شام کے گورنر معاویہ بن ابوسفیان سے مدد طلب کی وہ خود تو تنہا آ گیا لیکن فوج نہ

لایا۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا کہ ''تو میرے مرنے کا انتظار کر رہا ہے تا کہ میرا خون بہا لینے کا نام لے کر آئے اور حکومت کی طرف بڑھے'' طلحہ بھی حکومت کے خواہاں تھے وہ بھی حضرت عثمان کے قتل کے عوامل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ آئندہ خلیفہ ہم ہوں گے۔ ام المومنین عائشہ اپنے بھانجے کی خلافت کی خواہاں تھیں وہ انقلابیوں سے کہا کرتی تھیں ''اس لنگڑے یہودی کو مار ڈالو''

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

قتل عثمان کے بعد مسلمان حضرت علیؑ کے پاس پہنچے۔ افکار عمومی اور قریب اتفاق اکثریت نے حضرت علی علیہ السلام کو حکومت کے لئے انتخاب کرلیا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور فرمایا ''دعونی والتمسوا غیری لان اکون وزیراً خیر لکم من ان اکون امیراً'' مجھے رہنے دیجئے کسی دوسرے کو تلاش کیجئے میرا وزیر رہنا تمہارے لئے امیر ہونے سے بہتر ہے ملت نے قبول نہ کیا اور نہایت کوشش اور اصرار کیا حتیٰ کہ آپ نے خلافت قبول کرلی ۔ یہ پہلا انتخاب تھا جو تاریخ اسلام میں نظر آتا ہے اس قسم کا انتخاب تاریخ بشر میں عدیم المثال نہیں تو کم نظیر ضرور ہے انتخاب کے بعد آپؑ کی بیعت کا آغاز ہوا مسلمانوں نے بیعت کر کے آپ کے فرامین کی اطاعت پر آمادگی کا اعلان کیا۔ حضرت علی علیہ السلام خلیفۂ منصوص تو تھے ہی پھر منتخب بھی ہو گئے یعنی انتخاب خلقِ انتخاب خالق کے ہمرکاب ہو گیا۔ آپؑ کی خلافت میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو آپؑ سے پہلے خلفاء مسلمین کی خلافت میں نہ تھیں مثلاً آپ پہلے منتخب ہوئے پھر آپ کی بیعت کی گئی لیکن گذشتہ خلفاء کی خلافت صرف بیعت سے منعقد ہوئی وہاں انتخاب کا دخل نہ تھا آپ کے انتخاب کے ساتھ وحدت مسلمین کی ضمانت مل گئی اور اسلام میں جس رخنہ کا خطرہ تھا وہ پر

ہو گیا۔ نص کی پیروی نے اور انکار کرنے والے فریقین نے آپ کے انتخاب میں حصہ لیا۔ مہاجرین و انصار نے شرکت کی خلیفہ ثالث کے مخالفین و موافقین نے حصہ لیا لیکن حکومت آپ کی نظر میں مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ تھی نہ کہ ہدف۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں مقام ذی وقار میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں **حاضر** ہو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنا جوتا گانٹھ رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی پوچھا اس جوتے کی کیا قیمت ہے۔ میں نے کہا کچھ نہیں کیونکہ وہ انتہائی پرانا تھا۔ فرمانے لگے بخدا یہ پرانا جوتا مجھے اس حکومت سے زیادہ پسند ہے مگر یہ کہ حق کو قائم کروں یا باطل کو نابود کروں۔ آپ کی حکومت کا زمانہ بہت کم تھا حتی پیغمبر کے مدنی زمانہ حکومت کے نصف سے بھی تھوڑا تھا لیکن حضرت علیؑ نے اس کم مدت میں اقامۂ حق اور باطل کو ختم کرنے کا فریضہ انجام دیا اور خطرناک فتنہ جو تاریخ اسلام میں رونما ہو رہا تھا اسے دبا دیا۔ عدل' انصاف' انسانیت اور فضیلت کو ظاہر کیا اور ڈیموکریسی اور ملی آزادی تمام تر معانی کے ساتھ مستحکم ہو گیا تو لوگوں کو آپؑ کی حکومت میں حکومت پیغمبر اسلام کا سراپا نظر آیا۔ عدالت اجتماعی کی حقیقت سے آشنا ہوئے حکمران کی مہر و محبت کی لذت سے بہرہ ور ہوئے۔ اقتدار کے بھوکوں نے جب اپنی امیدوں پر پانی پھرتے دیکھا تو اٹھ کر ریشہ دوانیوں میں لگ گئے چنانچہ طلحہ و زبیر آپ کے پاس آئے ایک نے حکومت بصرہ اور دوسرے نے کوفہ کا تقاضا کیا مگر چونکہ یہ تقاضا خلاف عدل اور ملت مسلمہ کا نقصان میں تھا۔ لہذا قبول نہ ہوا چنانچہ انہوں نے آپ کی بیعت توڑ دی اور بصرہ جا کر عثمانؓ کی خون طلبی کے بہانے امام وقت کے خلاف شورش بپا کرنے لگے حالانکہ قتل حضرت عثمان کا سبب وہ خود تھے نہ کہ امام علیہ السلام۔ معاویہ جو مدت سے اپنے لئے خلافت کا خواہشمند تھا اور اسی انتظار میں تھا کہ عثمان قتل ہوں تو اس سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ وہ عثمانؓ کے قتل ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا جس سے بہت خون ریزی ہوئی اور ایک خون ریزی

دوسری کا سبب بنتی گئی اور جبکہ امیر المومنینؑ کامیابی کے قریب ہو رہے تھے اور آپ کی حکومت پوری کشور عالم میں مستحکم ہو رہی تھی تو ایک پلید ترین فرد بشر کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ پیکر عدالت خانہ خدا کے اندر خون میں غلطاں ہوا اور انسانیت کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

امام حسن مجتبیٰؑ کی خلافت

آپ سلسلہ امامت کے دوسرے امام ہیں۔ آپ کی مدت خلافت چھ ماہ تک تھی۔ جب آپ نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی تو مسجد کوفہ میں ایک بہت بڑا اجتماع تشکیل دیا جس میں سب اہل کشور اور اہل لشکر شریک ہوئے۔ امام حسنؑ نے ان کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور انہیں وحدت و یگانگی کی دعوت دی۔ بنی امیہ کی زہر آگیں تحریکات سے آگاہ کیا اور پھر معاویہ کے ساتھ اپنی آمادگی جہاد کا اعلان کیا اور سپاہیوں کو جنگ کی دعوت دی تو کسی ایک نے بھی آپ کی پکار پر لبیک نہ کہی سوائے عدی بن حاتم کے کہ اس نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا اور کوفیوں کو اس سرد مہری پر سرزنش کی۔ اس آزمائش کے بعد آپ جہاد سے دست بردار نہ ہوئے بلکہ کوشش کر کے سپاہیوں کو آمادہ کیا اور معاویہ کی طرف بھیجا مگر ان کا کمانڈر خیانت کر کے معاویہ سے جا ملا اور لشکر کو تنہا چھوڑ گیا۔ یہ شخص کمانڈر عبداللہ بن عباس کا بھائی تھا کہ جس کے دو چھوٹے بچے بھی معاویہ نے اس سے پہلے قتل کرا دئے تھے ان حالات میں امام حسن علیہ السلام نے محسوس کیا کہ معاون موجود نہیں اور نہ مسلح فوج جہاد پر آمادہ ہے۔ خود ہی یا چند اعزہ اور احباب جن کو جنگ میں جھونک دینا سوائے ان کی زندگی سے ہاتھ دھونے کے اور کچھ نہ تھا جس کا نتیجہ اسلام کی شکست اور

کفر کی کامیابی ہوتا کیونکہ ہلاکت اور چیز ہے شہادت اور۔ ایسی جنگ کا جواز مشکل ہے عقلاء اسے صحیح نہیں سمجھتے اور نہ اسلام اسے جائز قرار دیتا ہے۔ امام حسنؑ جگر تھام کر بیٹھ گئے جذبات کو سر نہ اٹھانے دیا تا کہ صلح کے ذریعہ دنیا میں کم از کم اسلام کا نشان تو باقی رہ جائے امام حسین علیہ السلام نے بھی بھائی سے موافقت اور صد در صد صلح کو درست قرار دیا۔ عدی بن حاتم جو اس صلح سے ناراض تھا امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام حسن علیہ السلام کے صلح پر اعتراض کرتے ہوئے اظہار کیا کہ وہ اور اس کے ساتھی آپ کے زیر کمان معاویہ کے ساتھ جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور امام حسن علیہ السلام کی صلح کو بجا قرار دیتے ہوئے اس کی تصدیق کر دی۔ امام حسن علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد انہی حالات کا سامنا تھا۔ جن کا حضرت امیر المومنینؑ کو وفات پیغمبرؐ کے بعد سامنا کرنا پڑا تھا کہ اگر جنگ کرتے ہیں تو نابودی اسلام کا پیش خیمہ بن جائے گی تو امام حسنؑ نے وہی کام کیا جو حضرت علیؑ نے کیا تھا آل محمدؐ کی نظر میں حکومت، حصول مقصد کا ذریعہ تو تھی مقصد نہ تھی۔ اس مکتب کا ہدف خدا ہے یا انسانوں کی سعادت اور بس شخصی پسند، دلی خواہش، انتقام، شہرت طلبی یا نیک نامی اس مکتب کے قریب نہیں پھٹک سکتی ان کا منتہی مقصد فداکاری، از حد گذشتگی ہے چاہے وہ اپنی جان سے گزرنا ہو یا مال، اولاد، آسائش سے۔ صلح امام حسن علیہ السلام کا مقصد تحریک اسلامی کا دوام تھا نہ کہ راحت طلبی یا دشمن کے ساتھ ہمنوائی۔ دریں حالات جنگ سو فیصد اسلام کے لئے ضرر اور باطل کے فائدے کے لئے ہوتی صلح کی وجہ سے اسلام کی حیات ابدی اور بہت سے مومنین کی جان محفوظ ہو گئی۔ اگر صلح آرام طلبی، باطل کی ہمنوائی یا معاویہ کی خواہشات کو تسلیم کرنے کا نام تھا تو عمر بھر معاویہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی جان لینے سے دست بردار کیوں نہ ہوا اور کئی مرتبہ زہر دینے اور بارہا قتل کرنے کے درپے کیوں رہا؟

جب امام حسن علیہ السلام موصل تشریف لے گئے تو معاویہ کی سازش سے ایک بظاہر اندھا صوفی آپ کے انتہائی قریب ہوا اور اپنے عصا کی زہر آلود نوک کے آن کو حضرت کے پاؤں پر رکھ کر زور دیا تا کہ فرزند رسولؐ کو مجروح و مسموم کر سکے۔ آخر کار معاویہ کی مراد بر آئی اور صلح کے آٹھ سال بعد امام حسن علیہ السلام کو زہر سے شہید کرا دیا اور امام حسین علیہ السلام بھی اپنے بھائی کی شہادت کے بعد برانگیختہ نہ ہوئے اور نہ ہی جنگ کی طرف قدم اٹھایا بلکہ جب تک معاویہ زندہ رہا اپنے بھائی کے طریقے پر قائم رہے اور ان کی صلح پر عملدر آمد کرتے رہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا کوئی اقدام نہ کیا باوجود یکہ آپ نے بھی اس کی بیعت نہیں کی تھی جبکہ معاویہ اور اس کی خواہشات کے لئے امام حسینؑ کی موجودگی امام حسن علیہ السلام سے کم خطرہ نہ تھا معاویہ امام حسینؑ کو پوری طرح پہچانتا تھا۔ ہاں ہاں پروردگار نے آپؑ کو ذخیرہ کیا ہوا تھا اور ان کا زندہ رہنا معجزہ تھا۔ امام حسن علیہ السلام کی صلح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح حدیبیہ کی مانند تھی اور ہر دو صلح کا آپس میں براہ راست تعلق تھا۔ صلح حدیبیہ میں کفار کا نمائندہ ابوسفیان معاویہ کا باپ تھا اور صلح حسنؑ میں دشمن کا نمائندہ خود معاویہ تھا۔ وہاں رہبر اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اس جگہ رہبر اسلام ان کا نواسہ تھا وہ کوتاہ نظر لوگ جو صلح حدیبیہ پر معترض تھے اس صلح پر بھی انہیں اعتراض تھا۔ درحقیقت امام حسن علیہ السلام کی صلح اس کامیابی کی طرح تھی جو بغیر خونریزی کے حاصل ہو اس کے ذریعہ سے اسلام قائم رہا۔ حق آشکارا اور باطل نمایاں ہو گیا جس سے انسانیت محفوظ ہو گئی اور طالبان حقیقت کے لئے کوئی جہالت نہ رہی۔ وہ حکومتیں جو دروغ گوئی سے نفرت رکھتی ہیں اور جن کا ہدف عدل کا قائم کرنا ہوتا ہے وہ اپنی ملت کو جنگ کے لئے مجبور نہیں کرتیں وہ افراد ملت کو انسان سمجھتی ہیں نہ کہ مشین یا دوسرے اوزار۔ ملت کو بے شعور، بے فہم اور غلط کار سمجھنا

ایسی حکومتوں کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ امام حسن علیہ السلام کیلئے حکومت عدل قائم کرنے کا ذریعہ تھی۔ دروغ گوئی' ڈکٹیٹر شپ اور ملت پر جبر ان کو مقصد سے دور کر سکتا تھا اس قسم کے کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہدف ہی اقتدار ہوتا ہے نہ کہ حصول اقتدار ہدف کا ذریعہ۔

جب امام حسن علیہ السام نے حکومت ہاتھ میں لی تو ملت مسلمہ باہمی پے در پے اور طویل جنگوں سے تھک چکی تھی اور ان سے بیزار بھی تھی۔ خصوصاً ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوں مسلمانوں کو حضرت امیر المومنینؑ سے جو شرم و حیا تھی اب اس کا احساس بھی ختم ہو رہا تھا وہ معاویہ کو علی علیہ السلام کا دشمن تو جانتے تھے مگر حکومت اسلام کا مخالف نہیں پھر مسلمانوں کی اکثریت وہ تھی جو ابھی تک وہ حقیقت اسلام سے آشنا نہ ہوئے تھے۔ اسلام ان کی نظر میں تکلفاتی مذہب تھا نہ وہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو پہچانتے تھے اور نہ معاویہ کو بلکہ دونوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور کہتے تھے مسلمان آپس میں کیوں لڑیں۔ یہ مذہبی جنگ نہیں اور نہ ہی جہاد ہے بلکہ اقتدار کا جھگڑا ہے۔ ان حالات میں جنگ کرنا' ڈکٹیٹر شپ قتل و غارتگری اور رعب و تخویف تھا یا دروغ و تزویر' لوگوں کو دھوکہ دینا' فریب کاری میں مبتلا کرنا اور ان چیزوں کا عدل کے ساتھ کوئی ربط نہیں۔ احکام اسلام کا اجراء آزادی اور اختیار سے ہونا چاہئے وگرنہ وہ باطل ہوں گے جہاد نماز کی طرح ہے جو زبردستی اور لالچ کے ذریعے صحیح نہیں ہے۔ جس طرح زبردستی والی نماز' نماز نہیں اسی طرح دھونس والا جہاد نہیں۔ امام حسنؑ نے جہاد کا اعلان کر دیا اور کوفہ سے نخیلہ تشریف لے گئے اور اس جگہ کو چھاؤنی قرار دے کر آپؑ دس دن وہاں رہے۔ چار ہزار سے سے زیادہ افراد جنگ کے لئے آپؑ کی خدمت میں نہ پہنچے تو آپؑ مجبوراً کوفہ واپس آ گئے۔ ایک دفعہ دوران خطبہ لوگوں سے جہاد کے متعلق آپؑ نے رائے معلوم کی تو لوگ پکارنے لگے ہم

آمادہ نہیں ہیں ہمیں ہلاک نہ کیجئے تو جو لوگ امامؑ وقت کے زیر کمان جہاد فی سبیل اللہ کو ہلاکت سے تعبیر کرتے ہیں وہ لشکر اسلام نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو ننگ اسلام ہیں جو خیانتکاری سے شکست اسلام کے اسباب فراہم کریں گے۔ ''جہاد سرخ'' نابودی اسلام کا دوسرا نام تھا جو معاویہ کی خواہش تھی جس کا نام نتیجہ فرزندان رسولؐ اور حقیقی مسلمانوں کا قتل تھا۔ جنگ اس وقت جہاد ہوتی ہے جب وہ فتح وشکست ظاہری دونوں صورتوں میں ہدف تک پہنچنے کا سبب ہو لیکن اگر جنگ کا نتیجہ ہدف کی نابودی ہو تو جہاد نہیں بلکہ خودکشی ہے ایسے مواقع صرف جہاد سفید صلح کا ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے جو امام علیہ السلام نے اختیار کیا۔

معاویہ

معاویہ ابوسفیان کا بیٹا ہے جو دشمنان اسلام کا قائد تھا ایک دن رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اسکے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ ایک نے سواری کی رسی پکڑ رکھی ہے اور دوسرا اسے ہانک رہا ہے تو آپ نے فرمایا پروردگار تینوں کو اپنی رحمت سے دور کرے معاویہ ہندہ کا بیٹا ہے اور وہ اس کی ماں ہندہ عموئے پیغمبر حضرت حمزہؓ کے لاشے پر آئی اور شہید کا جگر نکال کر چبانے لگی ان کی انگلیاں کاٹ کر پوروں کا ہار بنایا اور گلے میں ڈال لیا۔ ایک دن آنحضرت صلّی اللہ وآلہ وسلم نے معاویہ کو بلایا بلا کر لانے والا واپس آ کر کہتا ہے۔ معاویہ نے کہا ہے کہ میں کھانا کھا رہا ہوں دوبارہ پیغام بھیجا بلا لانے والے نے واپس آ کر وہی پہلے والی بات دہرائی۔ تیسری مرتبہ پھر بلایا اور وہ نہ آیا اور اپنے کھانا کھانے کو عذر بنا کر بھیجا تو پیغمبرؐ اسلام نے اس کے بارے میں فرمایا ''خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے'' پیغمبر اسلامؐ کی دعا قبول ہوئی اور معاویہ سیر نہ ہوا جتنا بھی کھاتا اس کا پیٹ نہ بھرتا بلکہ جب دسترخوان سے اٹھتا تو کہتا میں

سیر تو نہیں ہوا مگر کھانے سے تھک گیا ہوں۔ معاویہ نے دستورات اسلام واحکام دین کو زیر پا رکھا۔ شرابخواری کی۔ ریشمی لباس پہنا سونے اور چاندی کے برتن استعمال کئے۔ محافل غناو سرود میں شریک رہا۔ اسلام کے عدالتی قوانین کے خلاف فیصلے کئے چور کو سزا دینے سے پہلوتہی کی یہ اسلام میں پہلا شخص تھا جس نے غارتگری کی۔ مذمت علیؑ اور فضیلت عثمان میں جھوٹی حدیثیں وضع کرانے کے لئے بڑا سرمایہ خرچ کیا یہ پہلا شخص تھا جس نے لعن صحابہ کا دروازہ کھولا اور حکم دیا کہ خطباء و متکلمین ممبروں پر علیؑ کو سب کریں۔ (بدھ) کو (نماز) جمعہ قائم کی اور دوسرے کام جو سارے خلاف اسلام تھے کئے۔ خلیفۃ الرسول کی نافرمانی کی۔ پچھتر ہزار انسان قتل کرائے۔ شیعیان علیؑ کا قتل عام کیا۔ اکا دکا قتل اس کے علاوہ تھے دباؤ قتل و غارت قانون شکنیاں، حق کشی معاویہ کے سیاہ دور حکومت میں رائج تھیں اور کسی کو جرات اعتراض نہ تھی اگر کسی نے اعتراض کیا تو اس کا جواب تلوار تھی۔ چنانچہ حجر بن عدی اور اس کے رفقاء۔ نیز عمرو بن حمق اسی پاداش میں شہید کئے گئے جس وقت شام کا علاقہ فتح ہوا تو ابوعبیدہ امیر شام بنا لیکن تھوڑی مدت کے بعد طاعون کی بیماری سے مر گیا تو خلیفہ دوم نے معاویہ کے بھائی یزید نامی کو امارت شام سونپ دی اور یہ پہلا موقع تھا کہ بنو امیہ اور اولاد ابوسفیان مرتبہ امارت کو پہنچے اور یہ دروازہ ان کے لئے کھلا۔ یزید بھی کچھ مدت بعد مر گیا تو معاویہ امیر شام بن گیا اور حکومت شام خاندانی حکومت میں بدل گئی۔ خلیفہ دوم کے یزید ابن ابوسفیان اور پھر معاویہ کو امارت شام دینے کے کئی کچھ مقاصد تھے؟ اور عثمان کو اپنی ولی عہدی کے لئے متعین کرنا انہی مقاصد میں شامل تھا؟ اور پھر بنو ہاشم کے کسی فرد کو حکومت نہ دینا جو خاندان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھے۔ انہی مقاصد کا حصہ تھا؟

ایک دن معاویہ ممبر پر خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص تلوار لے کر اس کی طرف

بڑھا محافظوں نے اسے روک لیا اور وہ معاویہ تک نہ پہنچ سکا اس سے باز پرس ہوئی تو کہنے لگا میں چاہتا تھا کہ حکم رسولؐ کی اطاعت کروں کیونکہ میں نے آپؐ سے سنا تھا ”جو کوئی دیکھے کہ معاویہ حاکم بن گیا ہے تو اس کے گھٹنے پھوڑ دے لوگوں نے کہا جانتے ہو اسے امیر کس نے بنایا ہے وہ کہنے لگا نہیں۔ کہنے لگا عمر نے اسے متعین کیا ہے تو وہ کہنے لگا اگر عمر نے اسے معین کیا ہے تو سمعاً وطاعتہ۔ امارت شام معاویہ کے لئے حکومت اسلام تک رسائی کا پیش خیمہ بن گئی جس دن وہ اس مقام پر پہنچا اور منبر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگا تو عبداللہ ابن مسعود نے کہا پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب معاویہ کو میرے ممبر پر خطبہ پڑھتے دیکھو تو اس کی گردن ماردو۔“ اقتدار معاویہ کا ہدف تھا نہ کہ ذریعہ جس دن معاویہ نے کوفہ پر کنٹرول حاصل کیا تو وہ ممبر پا جا کر اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ جنگ اس مقصد سے نہیں کرتا رہا کہ تم نماز پڑھو روزہ رکھو حج کرو یا زکوٰۃ دو کیونکہ یہ وظائف تو تم پہلے بھی ادا کر رہے تھے میری لڑائی تو صرف حصول اقتدار اور تم پر حکمرانی کے لئے تھی۔ معاویہ نے اسلام میں منبروں پر سب علیؑ کی بنیاد رکھی! اور سب صحابہ مسلمانوں کا معمول بن گیا۔ لیکن آیا آپؑ پر سب کسی دوسری ہستی پر سب کی طرف اشارہ تھا؟ جب مغیرہ بن شعبہ نے معاویہ سے جا کر کہا کہ اب بس کیجئے اور مناسب یہی ہے کہ خاندان رسولؐ بنو ہاشم کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیجئے وہ اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہیں ان کی طرف سے کوئی خطرہ ہو تو معاویہ کہنے لگا اس ہاشمی رسول خداؐ نے ایسا کام کیا ہے کہ روزانہ پانچ مرتبہ اس کا نام خدا کے نام کے بعد لیا جاتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس نام کو میں نابود کر دوں۔ نعوذ باللہ۔ معاویہ خود نیست و نابود ہو گیا مگر وہ نام اب تک خورشید تاباں کی طرح جہان دنیا پر چمک رہا ہے۔ معاویہ مسلمانوں کا

پہلا حکمران ہے جو رسمی طور پر کفر کے زیر بار ہو کر حکومت روم کا خراج گزار بنا تا کہ اسلام کے ساتھ لڑے اور حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کا بہانہ بنا رہا ہے۔ معاویہ یزید کا باپ ہے اس کی خواہش تھی کہ یزید کو اپنا ولی عہد قرار دے مگر لوگوں سے خائف تھا کہ جب تک امام حسنؑ موجود ہیں۔ لوگ یزید کی ولی عہدی قبول نہیں کریں گے لہٰذا اس نے ایک لاکھ دینار جعدہ بنت اشعث کو بھیجے اور وعدہ کیا کہ اگر تو امام حسنؑ کو زہر دے دے تو تجھے یزید کی ولی عہدی کا آغاز شہادت امام حسن علیہ السلام سے اور حکومت کا شہادت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے دے تو تجھے یزید کی زوجیت میں لے لوں گا اس خبیثہ نے بھی اس جرم عظیم کا ارتکاب کیا اور امام حسنؑ کو زہر دے دیا۔ یزید کی ولی عہدی کا آغاز شہادت امام حسن علیہ السلام سے اور حکومت کا شہادت امام حسین علیہ السلام سے ہوا۔ تاریخ نے یزید کی حکومت سے زیادہ منحوس کوئی حکومت نہیں دیکھی۔ جب معاویہ کی بیماری نے شدت اختیار کی اور اس نے اپنے آپ کو موت کے دروازے پر دیکھا تو بہت افسردہ اور غمگین ہوا اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔ اے کاش میں نے ایک گھڑی بھی حکومت نہ کی ہوتی اور نہ خوشیوں اور لذتوں سے آشنا ہوتا اور اس شخص کی مانند ہوتا جو دو کپڑے پہن کر قوت لایموت پر بسر کرتا ہے تا آنکہ قبرستان پہنچ جاتا ہے۔ ایسے بہت لوگ ہیں جو بوقت مرگ پشیمانی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے آپ سے کہتے ہیں اے کاش میں نے یہ کام نہ کئے ہوتے موت کے موقع پر خوش ہونے والے پرسکون بہت کم ہیں۔ معاویہ ان بہتوں میں سے تھا اور علیؑ ان کم تعداد والوں میں سے۔ معاویہ کا مرض روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی تھی زندگی کے آخری ایام میں حواس کھو چکا تھا۔ ایسی ایسی باتیں اور سوالات کرتا جن سے معلوم ہوتا کہ عقل و ہوش سے عاری ہو چکا ہے۔ گویا کہ دین بھی گیا شریعت کا مخالف بھی بن گیا۔ خدا اور رسولؐ کے

منکر بھی بن گیا۔ انجام بھی بھیانک اور خراب ہوگیا۔ ان حالات میں اس کی بیٹی پریشان ہو کر نالہ وشیون کرنے لگتی۔ جب موت نے اس کا گریبان پکڑا تو یزید شام میں موجود نہیں تھا ضحاک بن قیس نے اس کی موت کا اعلان کیا۔ اسی نے اس کی نماز پڑھی اور دفن کردیا۔ فتح مکہ والے سال معاویہ یمن میں تھا جب اس نے سنا کہ ابوسفیان معاویہ کا باپ مسلمان ہوگیا ہے تو اس نے باپ کو خط لکھ کر سرزنش کی۔ اور خود اسی طرح مشرک رہا جب مکہ واپس آیا اور دیکھا کہ پورے مکہ میں اسلام کا دور دورہ ہے تو اسے کوئی پناہ گاہ نہ ملی مجبوراً مدینہ چلا گیا وہاں عباس ابن عبدالمطلب کے پاؤں پڑا اور اظہار اسلام کیا عباس نے پیغمبرؐ کی خدمت میں اس کی سفارش کی جو آپؐ نے قبول فرما کر اسے معاف کردیا۔ یہ تھا معاویہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور وہ بھی ایسے وقت میں جس کے چند ماہ بعد وفات پیغمبرؐ کا سانحہ پیش آ گیا اور اسے یہ سعادت نصیب نہ ہوئی کہ کچھ مدت پیغمبرؐ کی خدمت سے مشرف ہوسکے۔ جرمنی کے ایک محقق نے مفتی مصر شیخ محمد عبدہٗ سے کہا کہ معاویہ نے فتوحات اسلام کی وسعت کا دروازہ بند کردیا تھا! مقصد یہ تھا کہ معاویہ اسلام کی داخلی جنگوں کا بانی تھا اگر وہ امیر نہ بنتا تو مسلمانوں کے درمیان داخلی جنگیں نہ ہوتیں اور وہ تلوار جو مسلمانوں کو نابودئ کفر کے لئے پکڑائی گئی تھی اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال نہ ہوتی اور نہ ہی وصی رسولؐ داخلی جنگوں میں مبتلا ہوتے۔ دشمن کے خلاف تلوار اٹھانا اس سے کہیں زیادہ آسان ہوتا ہے کہ دوست نما دشمن کے خلاف تلوار اٹھائی جائے۔ اگر معاویہ نہ ہوتا تو اسلام بغیر جنگ کئے سراسر جہان میں پھیل جاتا کوئی بھی بدبختی اور گمراہی میں نہ رہتا۔ ظلم وستم دنیا سے رخصت ہوجاتا اور عدل جہانی کا پرچم ہر سو لہراتا۔ اگر امیر شام نہ ہوتا تو حضرت علیؑ شہید نہ ہوتے امام حسنؑ کو زہر ستم نہ ملتا۔ امام حسین علیہ السلام ذبح نہ ہوتے، کوئی مظلوم ظالم کے ہاتھوں نہ مرتا جب ظالم ہی نہ ہوتا تو دنیا میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہوتا تو کسی کا نکسیر

برابر بھی خون نہ بہتا۔ یزیدیت نہ ہوتی کوئی خیانت اور جنایت نہ ہوتی معاویہ کی کارگزاریوں سے اسلام میں نظریہ جبر پیدا ہوا اس نے مسلمانوں میں اس عقیدہ کی داغ بیل ڈالی تا کہ سب لوگ ظلم کے سامنے سرخم ہو جائیں کوئی بھی اس کی حکومت کے خلاف نہ اٹھ سکے اور اس کا اقتدار مستحکم ہو جائے اس نظریہ جبر کا ثبوت یادگار امام حسینؑ امام زین العابدینؑ کے ساتھ ابن زیاد امیر کوفہ کی گفتگو سے واضح ہوتا ہے۔

یزید

کون یزید وہ یزید جو معاویہ کا بیٹا تھا۔ وہ یزید جو ابوسفیان کا پوتا تھا۔ وہ یزید جو امیہ کا پر پوتا تھا۔ وہ یزید جو میسون بنت بحدل کا بیٹا تھا۔ جس کی ماں ایک مشہور صحرائی زنا کار عورت تھی۔ جس کے بارے میں آپ اسی کتاب کے پہلے اوراق پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یزید کافر تھا۔ شرابخوار تھا۔ کھلم کھلا گناہ کرتا تھا اور حکومت اسلامی کے تخت پر براجمان ہو گیا۔ یزید شیطان سے لیکر امیر معاویہ تک تمام باطل قوتوں کا نمائندہ تھا۔ چونکہ جب رسول خداؐ کی نگاہ معاویہ پر پڑی تو فرمایا۔ تیری وجہ سے میری امت پر کیسا برا دن ہوگا اور اس سے بھی بدتر میرے بچوں پر وہ روز ہوگا جب تیری پشت سے ایک ناخلف بچہ پیدا ہوگا جو آیات خدا کا تمسخر اڑائے گا اور میری خداداد عزت و حرمت کی ہتک کو حلال سمجھے گا۔ یزید کے تمام اباؤ اجداد رسول اسلامؐ کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ فتح مکہ تک جتنی جنگیں پیغمبر اسلامؐ اور کفار کے درمیان ہوئی تھیں ان تمام جنگوں میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے مقابلے میں باطل قوتوں کی نمائندگی کرنے والے اور رسول خداؐ کے ساتھ لڑنے والی

جنگوں کی قیادت کرنے والے یزید کے اباؤ اجداد تھے۔ جنگ بدر میں تو یزید کا سارا خاندان ہی کود پڑا تھا اس جنگ بدر میں یزید کا نانا' یزید کا چچا' یزید کا ماموں سارے واصل جہنم ہو گئے تھے۔ گویا کہ ابوسفیان جو اسلام اور پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ وہ یزید کا ہی دادا تھا۔ ابوسفیان معاویہ کا باپ تھا۔ جگر خوارۂ حضرت حمزہ ہندہ ملعونہ یزید کی دادی امیر معاویہ کی ماں تھی۔ یزید کا باپ امیر معاویہ تھا۔ جس نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام شیعوں کے پہلے امام مسلمان کے چوتھے خلیفہ سے جمل میں جنگ کی تھی۔ گویا کہ خلیفہ وقت سے جنگ کر کے مسلمانوں کے نظریہ کے مطابق دین سے خارج ہو گیا تھا۔ اور ہمیشہ اسلام کی مخالفت چھپ کر کرتا تھا۔ معاویہ معاویہ تھا۔ یزید یزید تھا۔

یزید کافر تھا۔ شرابخوار تھا۔ کھلم کھلا گناہ کرتا تھا اور حکومت اسلامی کے تخت پر برا جمان ہو گیا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہ کو دیکھا تو فرمایا "تیری وجہ سے میری امت پر کیسا برا دن ہو گا اور اس سے بھی بدتر میرے بچوں پر وہ روز ہو گا جب تیری پشت سے ایک ناخلف بچہ پیدا ہو گا جو آیات خدا کا تمسخر اڑائے گا اور میری خدا داد عزت و حرمت کی ہتک کو حلال سمجھے گا۔ یزید کا بچپن اپنے ننھیال بنوکلاب میں گزرا اس کی پرورش انہیں میں ہوئی جو خود تربیت اسلامی سے دور تھے۔ چنانچہ وہ بادہ نوش و سگ بان ہو گیا۔ شکل کے لحاظ سے اس کا چہرہ گندمی تھا جس میں چیچک کے داغ نمایاں تھے۔ جسم فربہ اور پر بال تھا۔ روح کے لحاظ سے خیانت کار' منافق اور دور خا تھا' شرم و حیا کا اس میں نام تک نہ تھا۔ کتوں کو لباس پہناتا تھا اور ہر کتے پر ایک غلام مقرر تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا۔ بندروں کے ساتھ محبت رکھتا اور ان کی حفاظت کرتا تھا۔ ابوقیس نامی اس کا ایک مخصوص

بندر تھا۔ خود پینے کے بعد جو شراب بچتا تھا وہ اسے پلاتا تھا کبھی اس کو گورخر پر سوار کر کے گھوڑ دوڑ کے لئے بھیجتا ایک مرتبہ ابوقیس بازی جیت گیا تو یزید نے خوش ہو کر اس کی تعریف میں شعر کہے۔ ایک مرتبہ اس نے ابوقیس کو مقابلہ کے لئے بھیجا تو وہ گر کر مر گیا۔ یزید کو بڑا رنج ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اس بندر کو کفن پہنا کر دفن کریں خود اس کے سوگ میں بیٹھ گیا اور شامیوں سے کہا گیا کہ وہ آ کر یزید سے تعزیت کریں پھر یزید نے اس کی موت کا مرثیہ کہا

بندروں

کے ساتھ محبت کی وجہ سے اس کا لقب ہی ''میمون دوست'' ہو گیا تھا۔ شراب نوشی میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ عموماً شراب میں مست رہتا اس کی توصیف میں اس نے بہت سے اشعار کہے۔ اس کی راتیں دوستوں کے ساتھ بادہ نوشی میں گزرتیں اس کی یہ کارستانیاں جب حد سے بڑھیں تو اس کے باپ معاویہ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا بیٹے ان کاموں کو خفیہ کیوں انجام نہیں دیتے ہو تا کہ تمہاری آبرو اور مرتبہ میں کوئی فرق نہ پڑے۔ یزید اپنے دل میں پیغمبر خداؐ کے خلاف کینہ رکھتا تھا اور آرزومند تھا کہ انتقام لے جب معاویہ نے اسے ولی عہد بنانے اور مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کا ارادے کیا تو اس نے پہلے شعرا کو خریدا انہوں نے اپنے اشعار میں یزید کی بہت مدح و ثنا کی پھر اس نے سرداران قوم اور اشراف کشور کو بھاری تحائف اور بے انتہا مال دے کر رام کر لیا مختلف گورنروں کو حکم دیا کہ ہر علاقہ سے لوگوں کو گروہوں کی صورت میں شام بھیجا جائے اور وہ آ کر یزید کی ولی عہدی کا مطالبہ کریں اگر کسی طرف سے انکار ہو تو ان لوگوں کو خفیہ طور سے قتل کرا دیا جائے۔ امام حسن علیہ السلام کو زہر کے ذریعہ شہید کیا۔ سعد بن ابی وقاص فاتح عراق کو زہر دلایا۔ عبدالرحمٰن بن خالد فاتح شام جو بیمار تھا اسے حکیم کے ذریعہ سے زہر دیا اہل شام میں مقبولیت کی وجہ سے اس نے ابوبکر کے بیٹے کو زہر دلوایا۔ حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کو قتل کرایا اور یزید کی

بیعت کا اعلان کر کے لوگوں سے بیعت لی لیکن اہل مدینہ نے مخالفت کی اور گورنر مدینہ اہل شہر سے بیعت نہ لے سکا تو معاویہ نے خود مدینہ جا کر یزید کے لیئے بیعت لینے کی کوشش کی اور ایک لشکر خطیر اور زر کثیر لے کر مدینہ آیا مگر امام حسین علیہ السلام سے بیعت نہ لے سکا۔ مال وطاقت سے کام نہ چلا حیلہ وفریب سے بات نہ بنی تو والیٔ مدینہ مروان نے تجویز دی کہ آپ معاویہ امام حسین علیہ السلام کو مدینہ بدر کر کے شام لے جائیں اور اپنے پاس نظر بند رکھیں مگر معاویہ نے اسے قبول نہ کیا اور کہا تو چاہتا ہے تو حسینؑ کیطرف سے مطمئن ہو جائے اور مجھے گرفتار کرا دے۔ معاویہ امام حسینؑ کے شام جانے سے خائف تھا کیونکہ اگر آپؑ شام چلے جاتے تو تھوڑے ہی عرصہ میں شام معاویہ کے ہاتھ سے نکل جاتا کیونکہ جب شامیوں کو حقیقت اسلام سے آشنائی ہو جاتی اور وہ جان لیتے کہ اسلام تو ایک دوسری حقیقت ہے نہ وہ کہ جو معاویہ کہتا ہے معاویہ کے خلاف ہو جاتے ان سے تو یہی کہا گیا تھا کہ اسلام وہی ہے جو معاویہ عمل کرتا ہے وہی پیغمبر اسلامؐ کا خلیفہ آپؐ کا جانشین اور قریبی رشتہ دار ہے ان کو بنو ہاشم کا تعارف ہی نہ تھا اگر کچھ آدمیوں کو بتایا گیا تھا تو یہی کہ بنو ہاشم بہت بڑا گروہ ہے۔ شامی بنو امیہ کو ہی آلؐ رسول سمجھتے تھے یزید لعین نے ایسی خیانتیں کیں جن کی تاریخ اسلامی میں مثال نہ تھی ایسے جرموں کا ارتکاب کیا جو کسی نے دیکھے سنے تک نہ تھے اس نے بھاری رشوت لے کر لشکر اسلام کو یونان اور جزیرۂ قبرص کو فتح کرنے سے روک دیا اہل مدینہ کے ایک ایک فرد سے بڑے کشت وخون کے بعد یہ اقرار لے لیا کہ وہ اس کے غلام ہیں ان کے ہاتھوں اور گردنوں پر غلامی کی مہریں لگاتا اور جو اس اقرار سے سرتابی کرتا اس کا سر کاٹ لیا جاتا۔ یزید نے بیت اللہ کی بے حرمتی کی منجنیق سے پتھر پھینک کر بعد میں کعبہ کے پردوں کو آگ لگا کر ویران کر دیا۔ مدینہ حرم نبوی کو تاراج کیا تین دن تک اپنے لشکر کے لئے اہل مدینہ کی جان مال اور ناموس کو مباح کر دیا۔ چنانچہ اس کے منحوس

لشکر نے بارہ ہزار سے بھی زیادہ مردوں کو ذبح کر دیا کم وبیش تین ہزار باکرہ دوشیزاؤں کے ساتھ بدکاری کی جبکہ بہت سی مستورات مدینہ سے روپوش ہوگئی تھیں جن لوگوں نے روضہ رسولؐ پر پناہ لے رکھی تھی انہیں بھی قتل کر دیا گیا اور مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔

یہ تھا وہ یزید جو کہ بنی امیہ کا چشم و چراغ تھا اب ان کے مقابلے میں بنی ہاشم کے چشم و چراغ حسین ابن علیؑ نے قیام کیا۔

حضرت امام حسینؑ کی ولادت اور ابتدائی زندگی

حضرت محمد مصطفیؐ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہوئے تیسرا برس تھا کہ ۵ شعبان کو حسینؑ بن علیؑ کی ولادت ہوئی۔

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے پدر بزرگوار اور رسالتمآبؐ کی خدمت میں مولود کو لے کر حاضر ہوئیں۔ حضرت نے حسینؑ نام رکھا اور ایک دنبے کی قربانی کے ساتھ عقیقہ کیا۔

اب پیغمبر اسلامؐ کی گود جو اسلام کی تربیت کا گہوارہ تھی ان دو بچوں کی پرورش کا مرکز بنی، ایک حسنؑ اور دوسرے حسینؑ۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف ناناؐ کا اسوۂ حسنہ تھا جو بانی اسلام تھے۔ دوسری طرف باپؑ کا جو مجاہد و محافظ اسلام تھے اور تیسری طرف ماں جو طبقہ خواتین کے لیے تعلیمات پیغمبرؐ کی عملی ترجمان بننے کے لیے پیدا ہوئی تھیں۔ بقول علامہ اقبال

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ	مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

مسجد میں پانچوں وقت نماز جماعت پیغمبرؐ کے بصیرت آفروز مواعظ اور خطبے مسلمانوں کا ذوق وشوق و جوش وخروش اور گھر میں رات دن عبادت و ذکرِ الٰہی کی آوازیں تکبیر کی صدائیں، وحی کی آیتیں، غزوات کے تذکرے، اسلام کو ترقی دینے کے مشورے اور یا پھر غریبوں کی خبر گیری، کمزوروں کی دستگیری اور مظلوموں کی دادرسی بس ہر وقت یہی ذکر ہے

یہی فکر۔ یہی قصے ہیں اور یہی کہانیاں۔ ایک طرف فطرت کے مخصوص عطیے' دوسری جانب یہ نورانی اور روحانی ماحول اور اس پر تربیت پیغمبرؐ ایسے بلند معلم کہ جن کا مقصدِ رسالت ہی قرآن کے اعلان کے مطابق تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب وحکمت تھا اور آپ نے خود بھی اعلان کیا تھا کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل میرا اصلی نصب العین ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ رسولؐ اپنے اہل بیت کی تربیت میں اس فرض کو نظر انداز کر دیتے جو بحیثیت معلمِ اخلاق کے بحیثیت بزرگ خاندان کے اور بحیثیت ایک پیغمبرؐ کے آپ پر عائد ہوتا تھا چنانچہ حضرت نے اس کمسنی ہی کے عالم میں ان بچوں کو اپنے اخلاق واوصاف کا نمونہ بنا دیا اور ان آئینوں میں جو قدرت کی طرف سے کمال کا جوہر لے کر آئے تھے اپنی سیرت کا پورا عکس اتار دیا۔

انہی ذات وصفات کی مخصوص بلندیوں کا یہ نتیجہ تھا کہ رسولؐ ان اپنے نواسوں کے ساتھ غیر معمولی محبت رکھتے تھے جس کے مظاہرات تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں یکساں طور پر درج ہیں۔ اس کے علاوہ آپ دوسروں کو بھی ان سے محبت کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ جس نے حسنؑ وحسینؑ سے محبت رکھی' اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان کو دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا۔ آپ اللہ کو گواہ کرتے تھے کہ میں ان سے انتہائی محبت کرتا ہوں۔ مگر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ حسینؑ اپنے نانا کی بلند سیرت' فرائض کے بارے میں اہتمام اور اسلام کے متعلق آپ کے انہماک کو دیکھتے ہوئے یہ مشاہدہ کرتے تھے کہ رسول اللہ ہم کو بہت چاہتے ہیں مگر ہم سے زیادہ آپ اپنے دین یعنی اسلام اور اس کے آئین و شریعت کو چاہتے ہیں اس لیے اگر اس دین اور شریعت پر کوئی وقت پڑے تو پیغمبرؐ تیار ہوں گے کہ ہم کو اس پر نثار کر دیں۔

۱۰ھ میں نجران یمن کے عیسائیوں کے ساتھ ایک طرح کے روحانی مقابلہ کا موقع آیا جس کا نام "مباہلہ" ہے۔ یعنی دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹے پر عذاب نازل ہو۔ اس موقع پر رسول تشریف لے گئے تو اس طرح کہ ہاتھ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہاتھ تھا۔

حسنؑ و حسینؑ آگے آگے تھے اور فاطمہ زہراؑ پیچھے آ رہی تھیں۔ نجران والے یہ نورانی منظر دیکھ کر مرعوب ہوئے اور خراج دینے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ خدا اس مہم کو تنہا سر کر سکتے تھے۔ پھر قرآن کی تصریح کے مطابق رسول اللہؐ اپنے اہلبیت کو ساتھ لے جانے پر کیوں مامور ہوئے، اس کا مقصد ایک طرف حق کے کامل نمایندوں کا خلق سے تعارف تھا تو دوسری طرف تعلیم و تربیت کا انداز بھی تھا۔ گویا ابھی سے خاندان رسولؐ کی ان ہستیوں پر ذمہ داری کا بار ڈالا جا رہا تھا کہ ضرورت کے وقت حفاظتِ اسلام کی ان ہی سے امید ہے۔ رسولؐ ان میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج تو میں خود موجود ہوں۔ میں تم کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں لیکن اگر کسی وقت میں موجود نہ ہوں تو تم اسی طرح حفاظتِ اسلام کے لیے نکل کھڑے ہونا جس طرح میں نکلا ہوں۔ آج کے اس عمل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام کی نصرت اور خدمت کے موقع پر مرد، عورت، جوان، بچہ کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور ضرورت پر ہر ایک کو اس مقصد میں صرف ہونا لازم ہے۔ سب سے کم سن اس جماعت میں حسینؑ تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ان کا اس موقع پر ساتھ لانا قدرت کی طرف سے اس مستقبل کی تمہید ہے کہ انہی کو عملی طور پر دوبارہ اس مثال کے پیش کرنے کا موقع ملے گا جسے آج پیش کیا گیا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ سے بڑھ کر کوئی شخص جوہر شناس نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ آپ کے تعلیمات کی حفاظت کن کے ذریعہ سے ہوگی۔ اس لیے مختلف صورتوں سے اپنی امت کو ہدایت کی کہ میرے اہلبیتؑ کی پیروی کرتے رہنا۔ کبھی فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک رکھو گے گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ ان میں سے ایک قرآن ہے اور دوسرے [redacted] اہل بیتؑ اور کبھی فرمایا کہ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے، جو اس کشتی پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو روگرداں ہوا وہ دریائے ہلاکت میں غرق ہوا۔

خصوصیت کے ساتھ اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں کبھی فرمایا۔ ''حسنؑ و حسینؑ جوانانِ اہل بہشت کے سردار ہیں۔'' اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کا کردار اتنا بلند ہے اور رہے گا کہ ان کی سیرت زندگی کی عملی حیثیت سے تقلید ہی رضائے الٰہی کا سبب بن سکتی ہے اور کبھی فرمایا کہ ''یہ دونوں میرے فرزند امام ہیں خواہ کھڑے ہوں اور خواہ بیٹھے۔ آئے گا ایک زمانہ جب ایک ان سے صلح کر کے بیٹھا ہوگا اور ایک جہاد میں کھڑا ہوگا۔ پیغمبر اسلامؐ کے ارشاد سے دونوں کے طرز عمل کے اپنی اپنی جگہ صحیح ہونے پر روشنی پڑے گی۔

اس کے ساتھ خاص امام حسینؑ کے بارے میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں یعنی میرا کام اور میرا نام دنیا میں حسینؑ کی بدولت قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ بکثرت حدیثیں ہیں جو فضائل ومناقب کی کتابوں میں درج ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری کتاب عظمت حسینؑ کا مطالعہ کرنا مناسب ہوگا۔

افسوس کہ حسینؑ کے لیے اس لطف ومحبت' بے پایاں سکون' اور اطمینان کی عمر طولانی نہیں ہوسکی' ابھی آپ کا سن سات برس کا بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں حضرت محمد مصطفیؐ کی وفات ہوگئی اور حسینؑ رسول اللہؐ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔

۱۱ھ تا ۴۰ھ ناناؐ کی شہادت سے باباؑ کی شہادت تک

حضرت رسول خداؐ کی وفات تمام خاندان کے لیے ایک بڑا روح فرسا حادثہ تھی۔ آپ کے اخلاق واوصاف نے دوست اور دشمن کے دل کو مسخر کرلیا تھا اس لیے آپؐ کے دنیا سے اٹھ جانے کا احساس ہر فرد بشر کو ہوا تھا اور اسلامی گروہ کا ہر فرد جتنا تعلق پیغمبرؐ سے رکھتا تھا۔ اس اعتبار سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو رہا تھا۔

پھر خاص کر اہل بیتؑ کے غم والم کا اندازہ کہاں کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً حسین ابن علیؑ جن کے ساتھ پیغمبرؐ کی شفقت کا انداز ہی ایک نرالا تھا۔ وہ نانا جو اپنی گود میں بٹھاتا تھا۔ سینہ پر لٹاتا تھا اور کاندھے پر اٹھاتا تھا' جو ذرا سی بھی خاطر شکنی کو گوارا نہ کرتا تھا' آج حسینؑ آنکھیں پھرا پھرا کر چاروں طرف دیکھتے تھے اور وہ شفیق ومہربان نانا نظر نہ آتا تھا۔

یہ بھی واضح بات ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی میں ان کی غیر معمولی محبتوں کو دیکھ کر نیز ان کے متواتر اعلانات کی وجہ سے کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے حسینؑ سے محبت کرنا چاہیے' عام مسلمان جو بھی رسولؐ کے ساتھ عقیدت اور محبت کا دم بھرتے تھے ان کے حکم پر خون بہانے کا دعویٰ رکھتے ہیں پیغمبرؐ کے سامنے ان کے ان فرزندوں کے ساتھ انتہائی لطیف ترین جذبات محبت و نیاز مندی کا اظہار کرتے تھے اور اگر ذرا سا بھی اس میں کمی کا شائبہ پیدا ہوا تھا تو پیغمبرؐ کی تیور پر بل دکھائی دینے لگتے تھے۔ ایک کھلا ہوا ثبوت اس کے اس واقعہ سے ملتا ہے جب رسولؐ حسنِ مجتبیٰؑ کو کاندھے پر سوار کیے ہوئے تھے اور ایک صحابی نے کہہ دیا کہ "اے صاحبزادے کتنا اچھا مرکب ہے تمہارا۔" رسولؐ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا۔ "یہ سوار بھی کتنا اچھا ہے" یہ باتیں ایسی نہیں تھیں جن کے بعد مزاج نبوت میں کچھ بھی درخور رکھنے والے مسلمان یا آپ کے چشم و ابرو پر چلنے والے نیاز مندان صاحبزادوں کی خاطر داری اور ان کے ساتھ اظہار محبت میں ذرا بھی کمی کرتے۔ اس طرح یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہے کہ اس دور میں حسینؑ ایک چراغ تھے جس کے گرد پروانے طواف کرتے تھے یا ایک آفتاب جس کے گرد ستارے چکر لگاتے تھے۔ عقیدت کی ایک دنیا ان کے قدموں پر نثار ہوتی تھی اور محبت کا ایک آسمان تھا جو ان کے سر پر سایہ فگن تھا مگر دنیا ایک حال پر نہیں رہتی۔ وہ انقلابات کا مجموعہ ہے۔ آج وہ مرکز جس کی مقناطیسی کشش دنیا کو جذب کیے ہوئے تھی قبر میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک کیا گیا کہ حسینؑ کی دنیا بالکل بدل گئی۔ وہ

ماحول تبدیل ہو گیا۔ جو آپ کے سامنے رہا تھا۔ صبح ہوئی اور رسولؐ نے دروازہ پر آ کر آواز دی۔ الصلوۃ، الصلوۃ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا** (یعنی) اٹھو نماز کا وقت آ گیا اور پھر یہ قرآن کی آیت پڑھتے تھے (جو آیت تطہیر کے نام سے مشہور ہے یعنی) ''اللہ کو منظور یہی ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے ہر طرح کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔'' سب فوراً اٹھ بیٹھے باپ اور بھائی کی طرح حسینؑ نے بھی فوراً وضو کیا۔ مسجد میں پہنچے۔ مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ پیغمبر نے نماز پڑھائی۔ پھر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء ہر وقت یہی سماں۔ نمازوں کے بعد یا پہلے اور ضرورت کی صورت میں مختلف اوقات پر پیغمبرؐ کے خطبے۔ شریعت اسلام کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہجوم۔ قبائل عرب اور سلاطین دنیا کے وفود اور سفراء کا دور۔ مختلف جماعتوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ اور اس کے مدافعتی انتظامات، دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کا پیش ہونا، گواہوں کے بیانات، بحث اور جرح اور مقدمات کا فیصلہ۔ مجرموں کی سزائیں۔ زکوٰۃ و خمس اور اموالِ غنیمت کا آنا اور مقررہ اصول و قواعد کے مطابق تقسیم۔ غرض یہ کہ دین اور دنیا کے تمام مسائل اس ایک نقطہ پر مجتمع نظر آتے تھے۔ حسینؑ اپنے نانا کے پاس تقریباً ہر وقت موجود رہتے تھے اور آنکھ کھول کر اسی عالم سے روشناس ہوئے تھے۔ اب پیغمبرؐ کی وفات کے بعد یہ تمام سماں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ انقلاب اور عظیم الشان انقلاب۔

افسوس ہے کہ رسولؐ کی خلافت کا مسئلہ اتنا اختلافی بن گیا کہ آج تک اس کی بنیاد پر شیعہ اور سنی کا تفرقہ قائم ہے۔ اس کتاب میں جو تاریخ کو کو غیر نزاعی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے لکھی جا رہی ہے اس پر بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ نہ ان ناگوار واقعات کا کوئی مستقل تذکرہ مقصود ہے۔ بہرحال یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ

رسولؐ کے بعد کچھ افرادِ امت نے متفق ہو کر سیاسی اقتدار خاندانِ رسولؐ سے ہٹا دیا۔ اس انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سرکارِ رسالت کے بعد ڈیوڑھی کی چہل پہل اور رونق سناٹے سے تبدیل ہو گئی اور وہ ماحول جس میں حسینؑ زندگی بسر کر رہے تھے یک دم بدلا ہوا نظر آیا۔

حسینؑ ماں کے پاس جاتے تو یہ دیکھتے کہ سوا اوقات نماز کے ہر وقت گریہ و زاری سے کام ہے کچھ دن تک تو گھر ہی پر رویا کرتی تھیں پھر اہل مدینہ کی اس شکایت پر کہ آپ کے رونے کی وجہ سے ہم آرام نہیں کر سکتے۔ آپ جنت البقیع میں چلی جاتی تھیں اور اس قبرستان میں گریہ کرتی رہتی تھی حسینؑ باپ کے پاس آتے تو یہ دیکھتے کہ انہوں نے اہل زمانہ کی بے رخی کو دیکھتے ہوئے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے۔ آپ ہر وقت ایک گوشہ میں بیٹھے قرآن مجید کے متفرق اجزا کو اصل ترتیب اور شان نزول کے مطابق کتابی شکل میں مرتب کرتے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے عہد کیا کہ عبا دوش پر نہ ڈالوں گا جب تک قرآن جمع نہ کرلوں اس صورت حال کو دیکھ کر حسینؑ کا دل نہ گھٹتا ہو گا۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ اے خدا یہ کیسا اندھیرا ہے جو ایک دم ہماری آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ بہر حال اپنے باپ کے طرزِ عمل میں یہ نصب العین نمایاں پایا کہ چاہے حالات کتنے ہی ناساز گار ہوں مگر ہمیں اسلام کی خدمت سے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے اس لیے قرآن کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اس فرض کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

امام حسینؑ نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ میرے باپ کے پاس آتے ہیں اور وہ انہیں جوش دلانا چاہتے ہیں کہ آپ اسلامی حکومت کے حصول کے لیے کوشش کیجئے جو واقعی آپ کا حق ہے۔ اٹھیے اور ہم آپؑ کی مدد کے لیے تیار ہیں۔ ان میں سچے دوست بھی ہیں اور نمائشی بھی۔ ایک طرف رسولؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ'

میں تمہاری بیعت کرلوں اس کا مسلمانوں پر بڑا اثر پڑے گا، اور وہ کہیں گے پیغمبر اکرمؐ کے چچا نے ان کے ابن عم کی بیعت کر لی ہے، پھر کسی کو عذر نہ ہوگا اور دوسری طرف بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بن حرب ہے اور وہ آ کر کہتا ہے کہ کتنے غضب کی بات ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے عرب کے ایک رزیل ترین خاندان نے غلبہ حاصل کرلیا۔ خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد کے لیے مدینہ کو سوار پیادوں سے بھر دوں۔ مگر چونکہ آپ کی ذات جذبات سے بلند اور نفسانیت سے پاک تھی اور آپ اسلام کا حقیقی درد اپنے سینہ میں رکھتے تھے اس لیے آپ اپنا حق سمجھتے ہوئے بھی ان لوگوں کے کہنے میں نہیں آئے اور آپ نے ابوسفیان کو اس طرح ڈانٹ کر جواب دیا کہ ''خدا کی قسم تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہو، یہ اس کا عملی اظہار تھا کہ چاہے ہمارے حقوق ہاتھ سے جائیں۔ ہمارے شخصی مفاد کو نقصان پہنچے مگر ہم کو ہمیشہ اجتماعی اور اسلامی مفاد پر نظر رکھنا چاہیے اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہ نتیجہ بھی اس واقعہ سے ظاہر تھا کہ ابوسفیان اور اس کے خاندان کے لوگوں کا اسلام صرف نمائشی حیثیت رکھتا ہے اور ان سے اسلام کے متعلق ہمیشہ نقصان رسانی کا اندیشہ موجود ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی اسلام کو اس کے کھلے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا ان نمائشی دوستوں سے پہنچ سکتا ہے اس لیے اسلام کا تحفظ کرنا ہے تو ہمیشہ اس جماعت کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا چاہیے اور کوئی موقع نہ آنے دینا چاہیے کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔

افسوس ہے کہ رسولؐ کی وفات سے چند ہی مہینوں کے بعد گوناگوں مصائب و تکالیف اٹھانے کے ساتھ حسینؑ سے ان کے بزرگ مرتبہ ماں بھی جدا ہوگئیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کی شہادت سے علی بن ابی طالبؑ اور بھی دل شکستہ ہو گئے اور حسنؑ و حسینؑ کے لیے مہر و محبت کی دنیا بڑی حد تک ویران نظر آنے لگی۔ اب ان کے لیے گہوارہ شفقت و

تربیت صرف ایک تھا اور وہ ان کے بزرگ مرتبہ باپ کی ذات۔ سات برس کی عمر سے لے کر چھتیس سال کی عمر تک انتیس سال برابر حسینؑ اپنے وہبی کمالات کے ماوراء حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ایسے حکیم آلہی، عالم ربانی معلم اخلاق انسانی اور مجموعہ فضائل نفسانی کے علمی اور عملی فیوض سے بہرہ ور ہوتے رہے اور وہ زمانہ ہے جس میں عام نظام اسباب کی دنیا میں انسانیت کی حقیقی تعمیر ہوتی ہے۔ اس عمر کے آغاز سے بلوغ کی مدت تک اوصاف وملکات کی داغ بیلیں پڑتی ہیں۔ نوجوانی کے زمانہ میں ان پر دیواریں اٹھتی ہیں اور جوانی کے اختتام تک یہ عمارت مکمل ہو کر اس پر نقش ونگار بن جاتے ہیں اور وہ ساز وسامان اور شیشہ آلات سے بھی آراستہ ہو جاتی ہے۔ امام حسینؑ کے لیے ان تمام منازل کی ظاہری تکمیل علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نگرانی میں ہو رہی تھی۔

حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے والد بزرگوار علیؑ بن ابیطالبؑ باوجودیکہ زمانہ کی بے توجہی، حق فراموشی اور سرد مہری سے کبیدہ خاطر ضرور تھے لیکن جب کسی علمی مسئلہ میں، کسی مہم کے متعلق مشورہ میں، کسی مقدمہ کے فیصلہ میں ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور اس سے امداد کی خواہش کی جاتی ہے تو وہ فوراً بلا عذر امداد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذباتی انسانوں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ وہ اگر کسی منصب کے حصول سے جس کے حقدار ہوں محروم کر دیے جائیں تو وہ متعلقہ افراد سے خفا ہو کر الگ ہو جائیں گے اور اگر اس منصب سے تعلق رکھنے والے معاملات میں ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ اپنی دلی رنجش کی بنا پر تعاون سے انکار کر دیں گے۔ اس سے اہلبیتؑ کے ہر فرد کے سامنے یہ نمونہ پیش ہو رہا تھا کہ ہم چاہے مسلمانوں کے معاملات سے کتنے ہی دور کر دیے جائیں مگر ہمیں کبھی اپنے کو غیر متعلق سمجھنا نہیں چاہیے۔ ہمیں ہر ایسے موقع کا منتظر رہنا چاہیے کہ جس وقت ہمارے ذریعہ سے اسلامی مفاد کو حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہو تو اس موقع پر فوراً ہمیں اپنے

فرض کو انجام دینا چاہیے اور اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھنا چاہیے۔

تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر ایسا وقت آیا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ تخت حکومت کو حاصل کر لیتے جبکہ خلیفہ دوم نے اپنے انتقال کے وقت چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا کر خلافت کو ان میں منحصر کر دیا اور ان میں سے ایک حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو بھی قرار دیا تھا۔ تمام دوسرے ارکان حضرت علی کو خلافت کے منصب پر نامزد کرنے کے لیے تیار تھے بشرطیکہ آپ کتاب وسنت کے علاوہ شیخین (ابوبکر وعمر) کی سیرت پر عمل کا بھی عہد کریں مگر امام حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے حقیقت پرور، بلند ہمت اور باپ نے اس موقع کو اپنے ہاتھ سے جانے دیا۔ اس بنا پر کہ وہ کتاب اور سنت پر عمل کے علاوہ کسی دوسری شرط کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں وہ ظاہری خلافت کا ہما جوان کے سر پر چکر لگا رہا تھا کہ ایک طویل عرصہ تک کے لیے ان سے علیحدہ ہو گیا۔

امام حسینؑ نے اس میں ایک بڑے اہم سبق کا عملی نمونہ دیکھا جس پر ان کے آئندہ اقدامات کی بنیاد قائم تھی اور وہ یہ کہ شریعت اور مسلمان حکمرانوں کی سیرت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو حکومت وقت کا آئین اور اس کا عمل ہو وہی شریعت کا عمل ہو اس کو شریعت کی رو سے بھی صحیح ماننا پڑے بلکہ شریعت کے مستقل اصول ہیں جنہیں مقتدا ہونا چاہیے اور حکومت کے عمل کو ان کا ماتحت ہونا چاہیے اور جب ایسا نہ ہو تو ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کو تسلیم کرے اور حکام کے عمل کو تسلیم نہ کرے اور اگر کسی وقت ایسا موقع پیش آئے کہ حکام کا عمل کھلم کھلا شریعت کے خلاف اور آئین مذہب میں بنیادی تبدیلی کا باعث ہو تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شریعت کی حمایت میں کمر بستہ ہو جائے اور اس کے لیے بشرط ضرورت کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ اسی دور میں ۳۱ھ کو یزدجرد بادشاہ ایران کا سر سمیگی اور کسمپرسی کے عالم میں ایک ایرانی ہی کے ہاتھ سے

خاتمہ ہوا جس کے بعد شاہزادیاں بحیثیت قیدی کے مدینہ بھیجی گئیں اور اس موقع پر جبکہ غنیم ملک کی شاہزادیوں کو قید دیکھ کر بہت سے آدمی خوش ہو رہے ہوں گے حضرت علیؑ اور ان کے عالی دماغ شاہزادہ حسینؑ نے انہیں کنیزی کی ذلت سے بچا ہی نہیں لیا بلکہ انہیں خاندان رسول کے گھر کی ملکہ کا تاج پہنا دیا۔ چنانچہ شاہزادی جن کا نام شہر بانو یا شاہ زنان مشہور ہے امام حسینؑ کے عقد میں آئیں اور اس طرح انہوں نے اسلام کی اس تعلیم کو زندہ رکھا جو ملکی تفریق کو مٹا دینے کی علمبردار ہے۔

تیسرے خلیفہ عثمانؓ کے دور کا آخری حصہ بڑی بے اطمینانی اور کشمکش میں گزرا، مسلمانوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہوئیں اور آخر اقدامات کی حد تک پہنچیں مگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ان اقدامات کو تقویت پہنچانے کے بجائے پوری کوشش کے ساتھ ان کو روکنے کی سعی فرمائی۔ کئی مرتبہ بیچ میں پڑ کر صلح کرائی۔ مخالف جماعت کی شکایات دور کرائیں اور اسے سمجھا بجھا کر منتشر کیا۔ مگر مروان جو اس دور میں ''کاتب'' کے عہدہ پر تھا اس کی شرارتوں نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور آخر اس جماعت نے حاکم وقت کے مکان کا محاصرہ کر لیا اس وقت بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے یہ ہمدردی کی کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ محاصرہ کرنے والوں نے پانی بند کر دیا ہے تو آپ نے حسنؑ اور حسینؑ اپنے دونوں فرزندوں کو کچھ مشکوں کے ساتھ روانہ کیا اور ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر پانی قصر حکومت کے اندر پہنچا دیا۔ بہر حال نظم حکومت کا پیمانہ لبریز تھا اور پانی سر سے گزر چکا تھا۔ حملہ آور جماعت نے دار الحکومت کی سرزمین کو خلیفہ کے خون سے رنگین اور ان کے رشتہ حیات کو قطع کر دیا۔ حیرت کا امر ہے کہ اتنا بڑا مسلم اکثریت کا مسلم الثبوت فرمانروا خود اپنے دار السلطنت میں ایک مہینہ انیس دن محصور رہا اور آخر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس دار السلطنت کے لوگوں میں جو پیغمبر کا

دارالہجرت اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جہاں کے اہل حل وعقد خلیفہ گری کے کام کا اپنے کو واحد ذمہ دار سمجھتے تھے کوئی جوش مقاومت پیدا نہ ہوا۔ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ لاش ...... تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی اور مسلمان دفن کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ آخر میں **راتوں رات** "حش کوکب" نام کے مقام پر جو مسلمانوں کے قبرستان سے الگ تھا سپرد خاک کیے گئے۔

اس عبرت ناک موقع سے ایک حساس انسان کس قدر اہم نتائج اخذ کرسکتا تھا؟ سلطنت دنیا کے بے ثباتی، جمہور کی وفاداری پر عدم اعتماد نیز مروان اور دوسرے بنی امیہ کے ہاتھوں اسلام کے شیرازہ کی ابتری یہ سب کچھ حسینؑ نے دیکھا اور اپنی آئندہ زندگی کے سب سے اہم کارنامہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں ان میں سے ہر ایک پہلو کا لحاظ رکھا جس کے سننے اور سمجھنے کے لیے آپ کو مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور ان حالات کے لحاظ سے عوام کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اس ہنگامی انقلاب کے نتیجہ میں مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور ان کے انتخاب کی نگاہیں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے چہرہ پر جم گئیں۔ انہوں نے آپ کے پاس آ کر خلافت اسلامی کی ذمہ داری کو سنبھالنے کی درخواست کی۔ یہ بات حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام باوجودیکہ اس کے پہلے ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت اور ان کے نظم ونسق کی **اصلاح** کے لیے بے چین اور خلافت رسولؐ کے لیے اپنے استحقاق کا اعلان فرماتے رہے تھے۔ آج مسلمانوں کی اس متفقہ ملتجیانہ پیشکش کو مسترد فرما رہے تھے اور ان کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے۔ حسینؑ خوب جانتے تھے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ حکومت اور عمال حکومت کے رویہ کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ اسلامی حکومت بڑی حد تک دنیوی اقتدار

سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی تھی اور کسرویت وقیصریت کے آثار اس میں نمودار ہو گئے تھے۔ یہ چیز کسی طرح اس سادگی اور مساوات کے ساتھ سازگار نہ تھی جسے پیغمبر اسلامؐ نے دنیا میں پھیلایا تھا جس پر حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ نہایت سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے اس لیے حضرت خوب جانتے تھے کہ اگر میں اس وقت حکومت کو سنبھالوں تو یا تو مجھے زمانہ کے ساتھ ساز باز کر کے ہوا کے رخ پر چلنا پڑے گا اور اس کے لیے میرا ضمیر مجھ کو اجازت نہیں دے سکتا اور یا میں زمانہ کے ساتھ جنگ کروں گا۔ بیشک اگر میں ذمہ داری اپنے سر لے لوں تو مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مملکت میں خلفشار رہے گا اور بحیثیت ایک حاکم کے میرا دور ناکامیاب سمجھا جائے گا۔ آپ نے پورے طور پر انکار کیا مگر مسلمانوں کا اصرار اتمام حجت کی صورت اختیار کر گیا یعنی وہ علیؑ بن ابی طالبؑ پر یہ ذمہ داری عائد کرنے لگے کہ دنیا آپ سے ہدایت واصلاح کی طالب ہے اور آپ اس سے گریز کرتے ہیں۔ ایک داعی حق کو یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ خلق خدا پر بے اعتمادی کی آڑ پکڑ کر ان کی درخواست کو ٹھکراتا رہے اور ان کی ہدایت کی ذمہ داری کو پورا کر کے ان پر حجت تمام نہ کرے۔ مجبوراً حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ ذمہ داری قبول فرمانا پڑی۔ بے شک آپ نے دنیا کو دھوکے میں مبتلا نہ رکھنے کے لیے صرف اعلان کر دیا کہ دیکھو جب تم ذمہ داری کو میرے سپرد کر رہے ہو تو جو ٹھیک راستہ سمجھوں گا اسی پر تمہیں چلاؤں گا اور کسی کے اعتراض اور نکتہ چینی کی پروانہ کروں گا لوگوں نے اس کا اقرار کر کے ذی الحجہ ۳۵ھ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کی بیعت کی اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیے گئے۔ اس سے ایک طرف یہ ثابت کیا گیا کہ دنیا کی فضا اب اہلبیتؑ کے حکومت واقتدار کے لیے موزوں نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ کہ اگر اللہ کے بندے وفاداری کے عہد کے ساتھ رہنمائی کے طالب ہوں تو جب تک حجت ان پر پورے طور سے تمام نہ ہو جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم بظاہر ان کے عہد و پیان

کو باور کریں اور ان کی خواہش رہنمائی کی تکمیل کے لیے قدم آگے بڑھائیں۔

خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد وہی ہوا جو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے کہ دنیا آپ کے تعلیمات کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ کچھ لوگوں نے تو بیعت سے پہلوتہی کی جیسے اسامہ بن زیاد' حسان بن ثابت' عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ۔ حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی حالانکہ تمام مسلمانوں کے نقطہ نظر سے آپ کی بیعت مکمل ہو چکی تھی اور اس لیے ان کا بیعت سے انحراف ان سب کے نزدیک غلط تھا مگر جب تک وہ عملی طور سے کوئی مخالفت نہ کرتے اور ان نظام میں خلل نہ ڈالتے' ضرورت ہی کیا تھی کہ ان سے تعرض کیا جائے جبکہ اصول مذہب میں دستور یہ ہے کہ ''لا اکراہ فی الدین'' تو خلافت کے تسلیم کرانے میں اکراہ کے کیا معنی؟

لیکن بعض لوگوں کا یہ مشورہ کہ معاویہ اور جتنے عثمان کے زمانہ کے عامل ہیں ان سب کو آپ برقرار رکھیں اور جب وہ مطمئن ہو جائیں اور آپ کی گرفت میں آ جائیں تو پھر چاہے سب کو معزول کر دیں' اسے آپ نے منظور نہیں فرمایا اور آپ نے کہا اور مذہبی ذمہ داری کے لحاظ سے آپ اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے سیاست دنیا کے لحاظ سے تو بیشک یہی بہتر ہے جو تم کہتے ہو مگر جب میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور نا اہل ہیں تو انہیں اپنی طرف سے حکومت کا پروانہ بھیج کر میں ان کے ظلم میں شریک ہوں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

یہ بڑا دور رس واقعہ ہے۔ اگر علیؑ بن ابی طالبؑ اپنی ماتحتی میں معاویہ ایسے شخص کو دینی فریضہ کے ماتحت برداشت نہیں کر سکتے تھے تو اس کے بعد کبھی حسینؑ بیعت کر کے معاویہ سے بڑھ کر یزید ایسے شخص کی حکومت کیونکہ تسلیم کر سکتے ہیں؟

پھر بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے معاویہ کے نام جو خط لکھا اس میں کوئی سختی و

درشتیٔ لب ولہجہ کی تلخی اور جنگجویانہ انداز نہ تھا بلکہ ایک برسرِ اقتدار آنے والے حاکمِ اعلیٰ کو اپنے کسی عامل کو جس طرح کا خط لکھنا چاہیے ویسا ہی تھا۔ اس خط کا مضمون جو مشہور مورخ واقدی کی کتاب الجمل سے منقول ہے حسب ذیل ہے:

''تم کو معلوم ہوگا کہ میں نے مسلمانوں کے معاملات میں اپنے دامن کو کس طرح صاف رکھا اور کس طرح تختِ خلافت سے بے اعتنائی اختیار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ہوا جو ٹل نہیں سکتا تھا (قتل عثمان) اور اس کے بعد میرے لیے چارہ کار باقی نہ رہا۔ یہ واقعات بہت طولانی ہیں۔ بہر حال جو ہونا تھا وہ ہوا اور اب جو حالات پیش ہیں وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اب تم وہاں کے لوگوں سے بیعت حاصل کرو اور اپنے یہاں کے آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ میرے پاس حاضر ہو۔''

معاویہ اگر مخالفت پر پہلے سے تلے ہی ہوئے نہ ہوتے تو اس خط کے مضمون پر انہیں عمل کرنا چاہیے تھا مگر وہاں تو عناد مخالفت کی چنگاریاں پہلے سے سلگ رہی تھیں۔ آخر آپ کے مقابلہ میں قتل عثمان کا غلط الزام تراشا گیا اور اس بہانہ سے آپ کی مخالفت کا جھنڈا اونچا کیا گیا۔

معاویہ نے شام والوں کو حضرت علیؑ بن ابی طالب کے خلاف اس غلط تہمت کو ان کے ذہن نشین کر کے پورے طور پر مشتعل کر دیا۔ مسجد جامع دمشق میں ماتمی جلسے کئے گئے۔ مقتول خلیفہ کا خون بھرا کرتا منبر پر ڈال دیا گیا اور عالم یہ تھا پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع اسے دیکھ دیکھ کر نالہ وزاری کرتا اور اس جوش رقت میں ان سے کہا جاتا تھا کہ اب تمہیں علیؑ سے اس خون کا بدلا لینا ہے۔ اب حضرت علیؑ شام کی مہم کے تدارک کا سامان کرنا چاہ رہے تھے تو اچانک یہ خبر آئی کہ طلحہ اور زبیر نے زوجہ رسولؐ عائشہ بنت ابی بکر کو آمادہ کر کے آپ کے خلاف محاذ تیار کر لیا ہے۔

وہ لوگ جو پچیس برس تک حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو میدان جنگ سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے خاموشی کی زندگی گزارتے دیکھ چکے تھے انہیں یقین ہوگا کہ علیؑ کسی نہ کسی طرح اس قضیہ کو رفع دفع کر دیں گے۔ اور جنگ کی نوبت نہ آنے دیں گے مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ وہی علیؑ جو اپنی تلوار کو اتنے عرصے تک نیام میں رکھ چکے تھے کہ جوانی گزر کر بڑھاپا آ گیا تھا' آج وہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد ہو جانے کے بعد آئین و اصول اور حق کی حفاظت کے لیے جنگ پر بالکل تیار ہیں۔ بیشک امام حسینؑ نے دیکھا کہ ان کے پدر بزرگوار نے اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی فرمائی کہ جب تک فریق مخالف نے عملاً جنگ کی ابتدا نہ کر دی اس وقت تک تلوار نیام سے نہ نکالی جائے چنانچہ جمل کے میدان میں یہی ہوا کہ جب صفوف لشکر مرتب ہو چکے تو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ایک قرآن ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کرنے کی دعوت دے مگر یہ بتائے دیتا ہوں کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر اہل کوفہ میں سے ایک جوان جس کا نام مسلم تھا کھڑا ہو گیا۔ کہا میں جاؤں گا۔ حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر بلند آواز سے کہا کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کی دعوت دے مگر وہ قتل ہو جائے گا۔ پھر کھڑا ہوا تو وہی جوان۔ حضرت نے پھر سکوت کیا اور پھر وہی الفاظ بلند آواز سے کہے۔ جب پھر وہی جوان کھڑا ہوا تو آپ نے وہ قرآن اس کے سپرد کیا وہ اسے لے کر صفوف مخالف کے سامنے گیا۔ ظالموں نے اس کا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو اس نے قرآن کو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے تھام کر سینہ سے لگا لیا۔ اس حالت میں کہ خون کی اس کے کپڑوں پر بارش ہو رہی تھی۔ اس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا۔ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ پکارے کہ اب ان سے جنگ جائز ہو گئی۔ اب دنیا نے دیکھا کہ وہی تلوار جو بدر، اُحد خندق اور خیبر میں کسی وقت چمک چکی تھی۔ جمل کے میدان میں چمکنے لگتی ہے۔ وہی

ہاتھ ہے اور ہاتھ کی صفائی۔ وہی دل ہے اور دل کی طاقت۔ یہاں تک کہ جمل کا معرکہ فریق مخالف کی شکست پر ختم ہوا اس وقت حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے فریق مخالف کی سرگردہ ام المومنین عائشہ کے ساتھ شریفانہ اور باعزت برتاؤ کیا جو کسی فاتح نے اپنے مفتوح فریق کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔ یہ معرکہ روز پنجشنبہ ۱۰ جمادی الثانیہ ۳۶ھ کو پیش آیا۔

ظاہر ہے کہ عام اسباب کے لحاظ سے اب جناب امیر کا سن لڑائیوں کی امنگوں کا متقاضی نہیں تھا۔ انسٹھ برس کی عمر تھی مگر آپ کا پچیس برس کی خاموشی کے بعد اب میدان جنگ میں آ جانا اعلان کرر ہا تھا کہ حقیقتاً ہمارا حرکت وسکون سب فرض کے احساس کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ فرض کی پکار پر ہمیں ہمیشہ جواب دینا چاہیے۔ اصول اور فرض کے حدود میں جذبات کا تقاضا اور سن کا اختلاف کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر فرض ہمارا خاموشی کا ہوتو چاہے جوانی کی تمام امنگیں قدم اٹھانے پر آمادہ کررہی ہوں پھر بھی ہم کو اپنی زندگی خاموشی کے ساتھ گزاردینا چاہیے اور جوانی سکون کے عالم میں بسر کرنا چاہیے اور اگر فرض ہمارا عملی اقدام کا ہوتو چاہے بڑھاپے کا احساس جسمانی قوتوں کو متاثر بھی کیے ہو مگر ہمیں عزم وارادہ کے قدموں پر کھڑا ہونا چاہیے اور وہ کرنا چاہیے جو جوانمردانہ ہمت کا تقاضا ہے۔

ادھر شام میں اشتعال انگیزی مسلسل جاری رہی۔ حضرت عثمان کا خون بھرا کرتا اوران کی زوجہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منبر پر آویزاں اور اس کے سامنے گریہ وزاری' یہ سلسلہ ایک سال تک برابر جاری رہا۔ بہت سے اہل شام نے قسم کھائی کہ وہ عورتوں کے قریب نہ جائیں گے' سوا غسلِ واجب کے کسی دن نہائیں گے نہیں اور بچھونے پر سوئیں گے نہیں جب تک ان آدمیوں کو جو قتل عثمان میں شریک تھے قتل نہ کرلیں گے اس طرح معاویہ نے پورے شام کو حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے خلاف برانگیختہ کردیا مگر آپ نے اپنی جانب سے اصلاح کی کوشش جاری رکھی۔ چنانچہ اسی کے لیے آپ نے جریر بن

عبداللہ بجلی کو دمشق بھیجا مگر اس کا کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کو صفین کی جنگ کے لیے فوجیں میدان میں آ گئیں۔ اب بھی آپ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ موقوف نہیں کیا۔ بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تمیمی ان تین آدمیوں کو معاویہ کے پاس روانہ فرمایا کہ وہ جا کر اتحاد و اتفاق اور اطاعت و اجتماع کی طرف دعوت دیں۔ مگر اس امن پسندانہ پیش قدمی کا جواب یہ ملا کہ پلٹ جاؤ میرے پاس سے کیونکہ میرے تمہارے درمیان بس تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ کہاں تو حاکم شام کے یہ جنگجویانہ انداز اور کہاں حضرت علیؑ کی وہ گفتگو جو آپ نے نمائندگان شام حبیب بن مسلم فہری، شرجیل بن سمط اور معن بن یزید بن اخنس کے سامنے فرمائی تھی جس میں آپ نے کہا تھا "میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے باطل کو پامال کرنے اور حق کو زندہ کرنے کی جانب دعوت دیتا ہوں" لیکن آپ کی یہ دعوت مسترد کر دی گئی اور بالآخر مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جانے لگا۔

اس جنگ کے آغاز درمیان اور انجام میں بہت سے جاذب توجہ امور پیش آتے رہے۔ پہلے یہ کہ اس جنگ میں بھی حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو ہدایت کر دی کہ جب تک دشمن ابتدا نہ کرے تم جنگ نہ کرنا۔ آپ نے ان تمام معرکوں میں جو نام نہاد مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے ہیں برابر فوج کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس وقت تک جنگ نہ چھیڑنا جب تک کہ وہ ابتدا نہ کریں۔ اس لیے کہ تمہاری حجت بحمد اللہ حقانیت کے لحاظ سے تو تمام ہے، اب یہ تمہارا جنگ میں ابتدا نہ کرنا اور اُدھر سے ابتداء ہونا ان کے مقابلہ میں مزید اتمام حجت کا باعث ہو جائے گا اور جب لڑائی چھڑ جائے اور پھر دشمن کو شکست ہو تو کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کسی عورت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ کسی مقتول کے اعضاء قطع نہ کرنا، خیام میں بلا اجازت داخل نہ ہونا۔ ان کے مال و اسباب کو نہ لوٹنا اور دشمنوں کی عورتیں تمہیں اور تمہارے سرداروں کو گالیاں بھی دیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچانا۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک واقعہ سامنے آیا کہ معاویہ کے مقدمتہ الجیش ابوالاعور سلمی نے نہر فرات پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ مجبوراً آپ نے پانی کی جنگ کا حکم دیا۔ آپ کے لشکر نے ابوالاعور سلمی کی فوج سے گھاٹ چھین لیا اور یہ ارادہ کیا کہ اب دشمن کی فوج پر اسی طرح پانی بند کر دیا جائے جیسے اس نے ہم پر بند کیا تھا۔ مگر حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ان کا فعل تھا مگر تم انہیں پانی سے نہ روکو۔ اطمینان کے ساتھ سیراب ہونے دو۔

اس سے یہ سبق دیا جارہا تھا کہ ہماری مخالف جماعت انسانیت اور اخلاق میں کتنی ہی پست ہو جائے مگر ہم کو ہمیشہ بلند ظرفی سے کام لینا چاہیے اور اس کے کمینہ طرز عمل کا بدلہ اسکے مثل سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیں انسانیت کی بلندی کا تحفظ کرنا ضروری ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو مسلمانوں کی خونریزی سے بڑی تکلیف محسوس ہو رہی تھی چنانچہ آپ نے پکار کر امیر شام سے کہا کہ اس سے کیا حاصل ہے کہ عام مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ بس تم نکل آؤ میدان میں اور میں آجاؤں اور اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ مگر معاویہ نے اس خطرہ کو اپنی ذات کے لیے مول نہ لیا۔ وہ دوسروں کے گلے کٹواتے رہے اور خود کبھی مقابلے کے لیے میدان میں نہیں آئے۔ بر خلاف **آپ** کے کہ برابر مجاہدین کی صفوں کے آگے آگے تھے اس لیے کہ ان کا ضمیر مطمئن تھا۔ وہ شہادت کے مشتاق تھے۔ ان کا تو قول تھا کہ میں موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ آغوشِ مادر سے مانوس ہوتا ہے۔ بیشک وہ اس موت کو ناپسند کرتے تھے جو بزدلی کے ساتھ بستر راحت پر ہو۔ چنانچہ اصحاب سے فرماتے تھے کہ یاد رکھو اگر تم قتل نہ ہوئے تو اپنی موت مرو گے اور قسم خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ہزار ضربتیں تلوار کی جو سر پر پڑیں آسان ہیں فرش خواب پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے۔ چنانچہ ان کا

طرز عمل ہمیشہ اسی کا مظہر رہا تھا۔ ابتدائے شباب میں جب ہر انسان کو زندگی انتہائی عزیز ہوتی ہے۔ رسولؐ کا ارشاد کہ علیؑ میرے بستر پر سو رہو اور علیؑ کا بسر و چشم آمادہ ہو جانا اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ معلوم تھا کہ خون کے پیاسے دشمن کھنچی ہوئی تلواریں لیے قتل پر آمادہ ہیں۔ مگر وہاں راہ حق میں موت کو خوشگوار سمجھی جاتی تھی۔

اسی جنگ صفین میں ایک موقع پر امام حسنؑ سے فرمایا:

''تمہارے باپ کو کوئی پروانہیں ہے کہ موت اس پر گر رہی ہے یا وہ خود موت کے اوپر گر رہا ہے۔ پھر ایسے باپ کے جو بیٹے ہوں' جن کے سامنے یہ سیرت ہو اور جن کے کانوں میں یہ باتیں پڑ رہی ہوں۔ انہیں موت کا اندیشہ کیونکر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس جنگ میں برابر سے حصہ لے رہے تھے اور سخت سے سخت موقعوں پر ثبات قدم کے جوہر دکھلا رہے تھے۔ تاریخ نے ایک ایسے موقع کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہ جب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے لشکر کا بڑا حصہ شکست کھا چکا تھا لکھا ہے کہ اس وقت نہیں رہ گئے تھے علیؑ کے پاس مگر بڑے فرض شناس اور پُر جگر افراد اس وقت آپ نے اپنے گھوڑے کا رخ میسرہ کی جانب پھیرا کہ جدھر قبیلہ ربیعہ کے لوگ اب تک دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ راوی جس کا نام زید بن وہب جہنی ہے بیان کرتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا علیؑ کو کہ آپ ربیعہ کی فوج کی طرف جا رہے تھے اور آپ کے فرزند حسنؑ حسینؑ اور محمد حنفیہ آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور تیر علیؑ کے کان اور شانوں کے پاس سے گزر رہے تھے مگر آپ کے فرزند بڑھ بڑھ کر سپر بن جاتے تھے اور اپنے باپ کی حفاظت کرتے تھے۔ کیا یہ جذبہ فدا کاری اور قربانی کا معمولی مظاہرہ ہے جو علیؑ کی آنکھوں کے سامنے ان صاحبزادوں سے ظاہر ہو رہا تھا؟ کیا اس کے بعد کبھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ علیؑ کے یہ بہادر بیٹے موت کے ڈر سے کسی فرض میں کوتاہی کریں

یا کسی باطل کے سامنے جان کے خوف سے سر جھکائیں؟

اسی صفین کے میدان میں ایک اور منظر کا بھی مشاہدہ ہوا۔ وہ یہ کہ عین جنگ کی حالت میں حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی نگاہ آفتاب پر تھی۔ ابن عباس نے سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھتا ہوں نماز ظہر کا وقت ہوا ہے یا نہیں۔ ابن عباس نے عرض کیا' کیا یہ نماز کا موقع ہے؟ جنگ تو ہو رہی ہے! آپ نے فرمایا یہ ہماری جنگ کس بات کے لیے ہے؟ اسی نماز کے لیے تو جنگ کر رہے ہیں۔

یہ عبادت الٰہی کے فرض کی اہمیت کا ایک بے مثل درس تھا کہ تیروں کی بارش ہو یا آگ برس رہی ہو۔ جب نماز کا وقت آئے تو لازم ہے کہ اس فرض کے ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

جنگ کو بہت طول ہو چکا تھا۔ آخر ایک دن حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے طے کر لیا کہ اب مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد ہی جنگ کو موقوف کیا جائے گا۔ ایک دن اور رات مسلسل ہنگامہ دار و گیر برپا رہا جس کے نتیجہ میں فوج شام کے قدم اکھڑنے لگے اور معاویہ کو شکست کا یقین ہو گیا۔ مگر عمر بن العاص نے اس دن کے لیے ایک چال اٹھا رکھی تھی۔ وہ یہ کہ فوراً قرآن نیزوں پر بلند کر دیے گئے اور ندا دی گئی کہ بھائیو یہ کتاب خدا ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی۔ شام والے سب ہلاک ہو گئے تو شام کے حدود کا کون نگہبان ہوگا حالانکہ آغاز جنگ سے پہلے ہی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ قرآن کے فیصلہ کی دعوت دے چکے تھے۔ مگر اس وقت کامیابی کے تخیلات کی بنا پر حضرت علیؑ کی دعوت کو مسترد کر دیا گیا۔ اب شکست کے آخری انجام سے بچنے کے لیے قرآن درمیان میں لایا جا رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنی فوج والوں کو اس مکاری اور چالبازی سے آگاہ کیا اور صاف فرمایا کہ یہ لوگ نہ اہل دین ہیں نہ اہل قرآن۔ مگر آپ کی فوج کے بہت سے لوگ آپ

سے منحرف ہو کر اس بات پر مُصر ہو گئے کہ اب تلوار روک لیجیے۔ نہیں تو ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار چلے گی۔ یہ بڑی کشمکش کا موقع تھا۔ دشمن سے مقابلہ کے ہنگامہ میں ایسی حالت کا پیدا ہو جانا کہ خود اپنی فوج میں تلوار چلنے لگے ایک انتہائی ہولناک صورت حال تھی۔ جسے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ مجبوراً آپ نے جنگ کے التوا کا حکم دیا اور طے پایا کہ ایک حکم اہل شام کی طرف سے نامزد ہو ایک اہل کوفہ کی طرف سے۔ مگر اہل شام کی طرف سے عمرو بن عاص ایسا امیر شام کا نفس ناطقہ مقرر کیا گیا اور جب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے چاہا کہ مالک اشتر یا عبداللہ بن عباس یا کسی دوسرے ایسے ہی اپنے مخلص اور خیر خواہ کو اپنی جانب سے مقرر کریں تو وہی اپنی فوج والے پھر بگڑ گئے کہ یہ لوگ تو بالکل اس جنگ کے ذمہ دار ہیں۔ ہم ان کو کیونکر مقرر کریں۔ آخر سب نے ابو موسیٰ اشعری کو جو پہلے حضرت علیؑ کی موافقت سے گریز کر چکے تھے اپنی جانب سے مقرر کیا۔ مصلحت وقت یہی تھی کیونکہ اپنی جماعت میں خونریزی کا انسداد اسی پر موقوف تھا کہ حضرت بادل نخواستہ اس کو برداشت کر لیں۔ یہاں تک کہ نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ تاہم آپ نے جو صلحنامہ لکھوایا اس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

''حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ذمہ لیتے ہیں اہل کوفہ اور تمام ان مسلمانوں کا جوان کے ساتھ ہیں اور معاویہ نے ذمہ داری لے لی اہل شام اور تمام اپنے طرف داروں کی کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب کے فیصلہ پر دارومدار رکھتے ہیں اور سوا کتاب خدا کے کوئی شے ہم میں فیصلہ کن نہیں ہو گی اور کتاب خدا ہمارے سامنے رہے گی۔ شروع سے لے کر آخر تک ہم زندہ رہیں گے اسی بات کو جسے خدا زندہ کرے۔ اور مردہ کریں گے اس کو جسے کتاب خدا مردہ کرے۔ لہٰذا حکمین کو لازم ہو گا کہ وہ کتاب خدا پر نظر کریں اور جو کچھ اس میں ملے اس پر عمل کریں اور اگر کتاب خدا میں انہیں کوئی ہدایت نظر نہ آئے تو رسول خداؐ کی سنت پر جو

اختلاف نہ ہو عمل کیا جائے گا۔''

اس معاہدہ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حکمین کو اپنی ذاتی رائے سے جو کسی سیاست دنیوی کا تقاضا ہو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود حکمین سے جو فیصلہ کے لیے مقرر ہوئے تھے فرمایا تھا کہ ''تم اس شرط پر حکم ہو کہ کتاب اللہ کے رو سے فیصلہ کرنا اور اگر تمہیں کتاب خدا کی رو سے فیصلہ کرنا ہو تو تمہیں اپنے کو حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔ دوسرے اشخاص سے بھی یہ بتا دیا گیا کہ حکمین پر یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بنا پر فیصلہ کریں اور اپنی ذاتی رائے کو کام میں نہ لائیں۔

یہ اقرار نامہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو پایہ تکمیل تک پہنچا۔

باوجود حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی اس دور اندیشی اور احتیاط کے پھر بھی ساتھ والے مفسد آدمی فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز نہ آئے اور ابھی اقرار نامہ لکھا ہی گیا تھا کہ اسی وقت حضرت علیؑ کی فوج میں یہ آواز بلند ہوگئی کہ انسانوں کو حکم بنانا درست نہیں ''لاحکم الا اللہ ''یعنی حکم ہونا اللہ سے مخصوص ہے۔ اس آواز کا سب سے پہلے بلند کرنے والا قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص عروہ بن ادیہ تھا۔

یہ جماعت خوارج کا سنگ بنیاد تھا۔ ان لوگوں نے حضرت علیؑ سے اصرار کیا کہ چلیے معاویہ سے جنگ کیجیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے وہی جواب دیا جو رسول خدا صلح حدیبیہ کے بعد دیتے تھے۔

''ہم نے نوشتہ دے دیا ہے۔ شرائط طے کیے ہیں۔ عہد و میثاق کرلیا ہے۔ اب اس کی مخالفت ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں حکم ہوا کہ وفا کرو عہد و پیمان کے ساتھ اور قسم کھانے کے بعد اس کی مخالفت نہ کرو جبکہ تم نے اللہ کو اس کا ضامن بنا دیا ہے اور یقیناً اللہ تمہارے افعال و اعمال پر مطلع ہے۔

آپ نے اس سختی کے ساتھ معاہدہ پر عمل کیا مگر حکمین نے خود شرائط مقررہ کی پابندی نہیں کی اور کتاب خدا و سنت رسولؐ سے کوئی سروکاری نہیں رکھا۔ چونکہ ابوموسیٰ سادہ لوح آدمی تھے اور جناب امیرؑ سے کوئی خلوص و محبت بھی نہیں رکھتے تھے' انہیں عمرو بن العاص نے اپنی سیاست کا شکار بنالیا۔ اس طرح کہ جب وقت مقررہ پر دومتہ الجندل میں جو کوفہ و شام کے لحاظ سے بالکل وسط میں واقع تھا اور اس فیصلہ کے لیے وہیں اجتماع طے پایا تھا۔ یہ لوگ یکجا ہوئے۔ روزانہ ملاقات اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ قائم ہو گیا تو عمرو بن عاص نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب گفتگو ہو تو ابوموسیٰ اشعری کو اپنے اوپر مقدم قرار دیں اور کہیں کہ آپ بزرگ ہیں۔ رسول خداؐ کی صحابیت کا مجھ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں۔ آپ پہلے تقریر کیجئے۔ پھر میں جو کہنا ہے کہوں گا۔ اس طرح عمرو عاص نے ابوموسیٰ اشعری پر اپنے خلوص و عقیدت کا اثر جمایا اور آئندہ کے لیے جو منصوبہ سوچا تھا اس کی تمہید قائم کر دی۔

پھر زیر بحث مسئلہ کے متعلق تبادلہ خیالات کیا اور ابوموسیٰ کو یہ پٹی پڑھائی کہ ہم دونوں فریق یعنی حضرت علیؑ اور معاویہ کو ایک ساتھ معزول کر دیں گے اور پھر مسلمانوں کو اختیار دیں کہ وہ از سر نو جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ ابوموسیٰ اس فریب میں آ گئے اور بخیال خود متفقہ حیثیت سے یہی طے کر لیا۔

جب فیصلہ کا وقت آیا اور طرفین کے آدمی فیصلہ سننے کو جمع ہوئے تو عمرو عاص نے حسب عادت ابوموسیٰ اشعری سے کہا۔ "بسم اللہ! آپ فرمائیے جو کچھ فرمانا ہے۔" ان کی تو عادت پڑی ہی تھی کہ ہمیشہ گفتگو میں پہل کریں۔ وہ بلا عذر تقریر کے لیے آمادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن عباس نے جو سمجھ دار آدمی تھا متنبہ بھی کیا کہ دیکھو عمرو بن عاص کہیں چوٹ نہ دے دے۔ پہلے اسے تقریر کر لینے دو۔ پھر تم تقریر کرنا۔ مگر ابوموسیٰ اشعری نے کہا نہیں'

ہم نے باہم متفقہ طور پر ایک چیز طے کر لی ہے۔ چنانچہ کھڑے ہو گئے اور حمد وثنا کے بعد کہنے لگے کہ ''ہم نے انتہائی غور و خوض کے بعد ایسی بہترین صورت طے کی ہے جس سے افتراق و اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ہم دونوں علیؑ اور معاویہ کو معزول کر دیں اور خلافت کو از سرِ نو مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ کہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں۔'' وہ یہ کہہ کر جونہی بیٹھے عمرو بن عاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''حضرات! آپ لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری کی تقریر سنی وہ علیؑ کے نمائندہ ہیں اور انہوں نے علیؑ کو معزول کر دیا ہے میں معاویہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے علیؑ کے معزول کرنے میں ان سے متفق ہوں گے مگر معاویہ کو میں برقرار رکھتا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ ابو موسیٰ چیخ اٹھے۔

''ارے یہ تو نے کیا کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے' تو نے غداری کی' بے ایمانی کی۔ تو کتے کی طرح ہے کہ چاہے اس پر حملہ کرو یا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ بھونکنے سے باز نہ آئے گا۔

عمرو عاص نے جواب دیا۔

''تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔''

مجمع میں سے کوئی ابو موسیٰ کی طرف جھپٹ کر حملہ آور ہوا اور کوئی عمرو عاص پر۔ غرضیکہ اس شور و شرابہ کے ساتھ اجتماع منتشر ہو گیا ظاہر ہے کہ اس طرح کی مکارانہ دھاندلی کو کسی باضابطہ فیصلہ کا درجہ دیا ہی نہیں جا سکتا تھا چنانچہ اسے کسی نے بھی صحیح تسلیم نہ کیا اور اختلاف جوں کا توں قائم رہ گیا لیکن اس سے حضرت علیؑ کی جماعت کے انتشار میں کچھ اور زیادتی ہو گئی۔

ادھر خوارج نے اپنی جماعت کو منظم کر کے مقابلہ کی تیاری کر دی جس سے ۳۸ھ میں جنگ نہروان کی صورت پیش آئی۔

واقعات کے اس طویل سلسلہ میں بڑے نتائج برآمد ہوتے تھے اور محسوس ہوتا تھا کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کے ہاتھوں جبکہ وہ خالص و مخلص، یکدل اور ہم آہنگ نہ ہوں کتنی کشمکش اور روحانی تکلیف کا سامنا ہوا ہے اور اس سے مقصد کو کس درجہ نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نہروان کے بعد بھی یہ فتنے اور شورشیں بالکل ختم نہیں ہوئیں۔ ایک طرف خوارج نہروان کے ہم خیال افراد جو جنگ میں نہیں گئے تھے اور شہروں کے اندر مقیم تھے حضرت امیرؑ کے خلاف فضا میں انتشار پیدا کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف امیر شام معاویہ جنہوں نے اہل کوفہ کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت کو زیادہ منظم کر لیا تھا برابر اطراف مملکت میں اپنی فوجیں بھیج کر بدامنی کا سلسلہ قائم کیے ہوئے تھے۔ جس میں خفیہ اور علانیہ ہر قسم کے اقدامات شامل تھے مثلاً مصر میں جناب امیرؑ کے بہت بڑے معاون مالک اشتر کا زہر دلوا کر خاتمہ کیا اس کے بعد محمد بن ابی بکر گورنر بنا کر بھیجے گئے تو عمرو بن عاص نے خطوط لکھ کر خود مصر کے بعض عمائد سے ساز باز کی اور پھر اپنی فوج لے کر حملہ کر دیا۔ ادھر شام کی فوج اور ادھر سے خود مصر والوں کا ایک مسلح لشکر محمد بن ابی بکر مع اپنی جماعت کے چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے۔ آخر ان کی فوج نے شکست کھائی اور خود انتہائی بیدردی کے ساتھ قتل کیے گئے بلکہ لاش کو بھی آگ میں جلا دیا گیا۔ محمد ابن ابی بکر کے بعد مصر میں معاویہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ اسی سے ان کی ہمت اور بڑھی چنانچہ ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر کی سرکردگی میں دو ہزار کی فوج نے عین التمر پر حملہ کیا جو ناکامی کے ساتھ پسپا ہوا۔ سفیان بن عوف غامدی نے چھ ہزار کی فوج کے ساتھ انبار پر حملہ کیا اور اشرس بن حسان بکری کو جو جناب امیرؑ کی طرف سے وہاں مقرر تھے ان کے تیس ہمراہیوں سمیت قتل کر دیا اور تمام مال و اسباب لوٹ کر واپس چلا گیا۔ عبداللہ بن مسعدہ خزاری نے سترہ آدمیوں

کے ساتھ تیما پر حملہ کیا۔ حضرت علیؑ نے مسیّب بن نجبہ فزاری کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا جنہوں نے جنگ کر کے اس کو شکست دی اور اس نے شام کی جانب فرار کیا۔ اسی صورت میں ضحاک بن قیس کو تین ہزار فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو لوٹ مار کرتی ہوئی قادسیہ کے حدود تک پہنچ گئی اور حجر بن عدی فوج لے کر گئے تو اس نے فرار اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صفین کی جنگ کے بعد محسوس ہو گیا تھا کہ حضرت علیؑ سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کر لینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہ گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کر لیا گیا تھا جس سے اسلامی مملکت میں ایک مستقل خلفشار قائم رکھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ کا سب سے اندوہناک سانحہ بسر بن ابی ارطاۃ کا تین ہزار کی فوج کے ساتھ حجاز پر حملہ تھا جس نے مدینہ اور مکہ والوں سے بجبر بیعت لینے کے بعد یمن کا رخ کیا اور وہاں کئی آدمیوں کو قتل کیا۔

عبداللہ بن عباس کا مکان لوٹا اور ان کے دو کمسن بچوں کو ذبح کرا دیا۔ پھر جب حضرت علیؑ نے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجا تو وہ مع اپنی فوج کے فرار کر گیا۔

یہ بزدلی کا طریقہ جنگ حضرت علیؑ کے لیے انتہائی تکلیف کا باعث تھا۔ مجبوراً پھر آپ نے تہیہ فرما لیا تھا کہ دمشق پر فوج کشی کر کے ہمیشہ کے لیے اس قصہ کو ختم کیا جائے۔ جس کے لیے آپ نے ایک نہایت پر زور خطبہ پڑھ کر مسلمانوں کو آمادہ کر لیا مگر اس کے بعد ایک ہفتہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ مسجد میں عین حالت نماز میں ۱۹ ماہ رمضان کو آپ کے سر مبارک پر ابن ملجم مرادی ملعون نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی جس کے اثر سے ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

اس وقت حسینؑ بن علیؑ چھتیس برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس طولانی دور میں حسینؑ نے اپنے والد بزرگوار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے کیا کچھ دیکھا، کیا کچھ سنا اور کتنا

اثر لیا؟

مسلم الثبوت شیعی معتقدات سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی عام تاریخی حالات اور ظاہری اسباب کے ماتحت یہ اہم تجربات اور گراں قدر تعلیمات جو ایک ربع صدی سے زیادہ تک حضرت امام حسینؑ کو حاصل ہوتے رہے۔ ایک انسان کے بلندی اخلاق و صفات اور پختہ کاری کے قطعی ضامن اور ذمہ وار ہیں۔

بنی امیہ کا اقتدار اور ان کی سیاسی روش

بنی امیہ اور اس طرح کے اکثر لوگ جو دبدبہ اور شکوہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے یعنی نفرت۔ دشمنی، غصہ، جذبۂ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہ کر سکتے تھے مگر برابر موقع کے منتظر تھے کہ کسی طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچائیں اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم ان خصوصیات امتیازی کو تبدیل کر دیں جو اس نے قائم کیے ہیں اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچا ہے اور اسلام کے پردے میں ہی سہی ان حدود و امتیازات کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔ انہوں نے اس کی تیاری تو رسولؐ کے زمانہ ہی سے شروع کر دی تھی مگر پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں ان کے اس مقصد کی تکمیل مشکل تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے واسطے ہر طرح کی کوشش کی مگر ان کے جذبات وہی رہے اور ذرا اسلام پر کوئی مصیبت پڑتی تو ان کے چہرے خوشی سے کھل جاتے اور کبھی جذبات دلی زبان پر آ جاتے تھے۔ چنانچہ جنگ حنین میں چند افراد کے سوا باقی تمام مسلمان میدان جنگ سے

روبفرار ہوئے تو ابوسفیان نے کہا۔ بس اب یہ سمندر تک بھاگتے چلے جائیں گے اور ایک نو مسلم نے کہا۔ بس اب جادو ختم ہو گیا ہے۔

وفاتِ رسولؐ کے بعد ابوسفیان نے اسلام پر حملہ کرنے کی پہلی کوشش وہ کی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے پاس آ کر آپ کو تلوار اٹھانے پر آمادہ کرنا چاہا۔

یقیناً اس موقع پر اگر کوئی جذباتی انسان ہوتا تو ابوسفیان کا یہ حربہ اتنا کامیاب ثابت ہوتا کہ اسلام کی بنیاد ہل جاتی۔ مسلمان اسی وقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتے اور اسلام کا شیزازہ درہم برہم ہو جاتا مگر وہ نورِ الٰہی سے دیکھنے والے نباض فطرت علیؑ تھے جنہوں نے مخاطب کے مقصد کو تاڑ لیا اور باوجودیکہ خلافت کے مستحق وہ صرف اپنے کو سمجھتے تھے۔ پھر بھی ابوسفیان کو ڈانٹ کر جواب دیا کہ تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہو۔

جب ادھر سے مایوسی ہوئی تب ابوسفیان نے طریقہ بدلا۔ اور اس روش میں کامیابی بھی ہو گئی۔ اس طرح ۱۳ھ کے آغاز میں خلیفہ اول ابوبکر نے ملک شام پر فوج کشی کا بندوبست کیا اور سات ہزار کے لشکر کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا۔ فوج کے دوسرے حصہ پر ابوعبیدہ جراح کو مقرر کیا گیا اور یزید بن ابی سفیان کے ساتھ سہیل بن عمرو اور دیگر شیوخ قریش کو مشیر کار بنایا گیا اور اس کے بعد جب کچھ اور فوج جمع ہوئی تو اس پر معاویہ ابن ابی سفیان کو افسر مقرر کر کے یزید کے پاس روانہ کیا گیا۔

مجموعاً یہ ستائیس ہزار کی جمعیت ہو گئی۔ ان لوگوں کی امداد کے لیے خالد بن ولید کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی فوج لے کر عراق سے پہنچ جائیں چنانچہ ۹ ہزار فوج لے کر وہ پہنچے۔

اس طرح مسلمانوں کا چھتیس ہزار کا لشکر ہو گیا۔ اسی وقت ان امراء میں سے ہر ایک کو ایک جگہ کی حکومت کے لیے نامزد بھی کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ابوعبیدہ جراح کو حمص، شرجیل بن حسنہ کو شرق اردن، عمرو بن عاص اور علقمہ بن مجزر کو فلسطین اور یزید بن ابی سفیان کو دمشق کا حاکم قرار دیا گیا۔

ابوسفیان کی اولاد میں سے یزید اور معاویہ کے علاوہ ان کی ایک بہن جویریہ بنت ابی سفیان بھی اپنے شوہر کے ساتھ موجود تھیں اور انہوں نے جنگ میں شرکت بھی کی۔

اس دوران میں خلیفہ اول کا انتقال ہو گیا لیکن ملک شام میں لڑائیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ رجب ۱۴ھ میں شہر دمشق فتح ہوا اور حسب قرارداد سابق یزید بن ابی سفیان وہاں کے حاکم ہوئے۔

اس کے بعد تدریجاً شام کے دوسرے شہر بھی فتح ہوئے۔

۱۸ھ کو طاعون کی بیماری میں ابوعبیدہ اور یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہو گیا۔

ابوسفیان اس وقت مدینہ میں تھے۔ ان کو بیٹے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی کہ شام کے ملک کی۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے جب انہیں بلا کر یزید کے مرنے کی اطلاع دی تو انہوں نے فوراً یہ سوال کیا کہ آپ نے اس کی جگہ پر کسے مقرر کیا؟ جب معلوم ہوا کہ معاویہ کو وہاں کا حاکم بنا دیا گیا تو وہ خوش ہو گئے۔

اب معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ نے خوب ہی فوائد حاصل کیے۔ یہاں تک کہ ہندہ مادر معاویہ کو جنہیں ابوسفیان نے اب طلاق دے دیا تھا مرکزی حکومت کے بیت المال سے چار ہزار درہم کی رقم قرض دی گئی جس سے انہوں نے تجارت شروع کی اور نفع حاصل کیا اور ابوسفیان دمشق گئے تو انہیں ایک دفعہ میں سو اشرفیاں بطور پرورش حاصل

ہوئیں۔

حالانکہ ان کے جذبات اسلام کے متعلق اب بھی خیر خواہی کے نہ تھے چنانچہ جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا اس وقت ابوسفیان دور سے کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے نظر آتا تو کہتا تھا۔ ایہ بنی اصفر یعنی ''شاباش اے ملک روم کے بہادرو۔'' اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت حاصل ہوتی تھی تو ابوسفیان کی زبان سے حسرت ویاس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا

و بنو الاصفر الملوک ملوک	الروم لسبیق منھم مذکور

مطلب یہ تھا کہ ''ہائے افسوس سلطنتِ روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے۔'' عبداللہ بن زبیر نے اس واقعہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے باپ زبیر سے بیان کیا۔ اس وقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی زبیر نے کہا۔ خدا اسے غارت کرے۔ یہ نفاق سے باز نہ آئے گا۔ کیا ہم اس کے لیے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں؟

اس کے بعد ۲۳ھ میں جب عثمان خلیفہ ہوئے تو چونکہ وہ خاندان بنی امیہ کے ایک فرد تھے ابوسفیان وغیرہ سمجھے کہ اب ہماری بات بن گئی ہے۔ دلی جذبات اتنی قوت کے ساتھ ابلے کہ تاب نہ رہی۔

ابوسفیان ان کے پاس آیا۔ وہ اس وقت بہت بوڑھا تھا اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا۔ اس نے کہا بڑی مدت کے انتظار کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے۔ اب اس کو گیند کی طرح اپنی مرضی کے مطابق گردش دو اور بنی امیہ کے ذریعہ سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو۔ اس لیے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیوی سلطنت ہے۔ رہ گیا جنت و دوزخ اس کو میں کچھ سمجھتا نہیں۔

چنانچہ ابوسفیان کے خاندان والوں نے اس خلافت سے خوب فائدہ اٹھایا اور کوئی شک نہیں کہ ابوسفیان نے اپنے دنیوی خوابوں کی تعبیر اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ ۳۱ھ تک دمشق اور شرق اردن کے ساتھ ساتھ حمص، قنسرین اور فلسطین بھی معاویہ کے زیرنگین ہو گئے اور وہ بلاشرکت غیرے پورے ملک پر قابض قرار دے دئے گئے۔

اسی ۳۱ھ میں ابوسفیان بن حرب ۸۸ برس کی عمر میں واصل جہنم ہوئے۔

مگر وہ مشورہ جو انہوں نے خلیفہ سوم کو دے دیا تھا وہی ان کے بعد ان کی جان جانے کا باعث ہوا۔ چنانچہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے اپنی سب سے پہلی ملاقات میں جو اصلاح حالات کے لیے خلیفہ ثالث سے کی تھی ان سے صاف کہہ دیا تھا کہ آپ اپنے قرابتداروں کے ساتھ غیر معمولی مراعاتیں برتتے ہیں۔ ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ معاویہ بغیر آپ کی مرضی کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ عثمان کا حکم ہے۔ آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور پھر بھی آپ معاویہ کو اس پر کوئی تنبیہہ نہیں کرتے۔

اب حضرت عثمان کے منہ پر یہ کہا جانے لگا تھا کہ ان کے بعد عالم اسلامی کی خلافت معاویہ کو ملے گی اور اس کی کوئی رد نہ کی جاتی تھی۔

غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ان کا محاصرہ ہوا اور انہوں نے معاویہ کو مدد کے لیے لکھا تو معاویہ نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی بلکہ نتیجہ کے منتظر ہو گئے کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کے بعد خلافت مجھے ملے گی اور عمرو بن عاص تو صاف صاف عثمان کے خلاف اشتعال انگیزی کرتے تھے، اور جب قصر حکومت کا محاصرہ ہو گیا تو وہ فلسطین جا کر اپنی کوششوں کے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہر آنے والے سے مدینہ کا حال

بڑی بیتابی سے دریافت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا' کیا کہنا میرا۔ یہ تو میری ہی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد یہی عمرو بن عاص معاویہ کے دست راست بنے اور بڑے مناصب حاصل کیے۔ انہوں نے خود ایک موقع پر معاویہ سے صاف کہہ دیا کہ اگر حقانیت سامنے ہوتی تو ہم تمہارا ساتھ ہی کیوں دیتے۔ علیؑ کا ساتھ نہ دیتے جن کے اسلامی خدمات' فضیلت اور رسولؐ سے قرابت سب کو معلوم ہے۔ مگر ہمارے پیش نظر تو دنیا ہے۔ اسی لیے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔

آل ابوسفیان نے شام میں حکومت قائم کرنے کے بعد ابتداء ہی سے اپنی سیاسی روش شاہانہ رکھی۔ کوئی سیاح اگر ممالکِ اسلامیہ کا سفر کر کے اسلامی سادگی اور مساوات کی مثالیں دیکھ چکا ہوتا اور پھر شام جا کر وہاں کے تزک واحتشام کا مشاہدہ کرتا وہ حیرت واستعجاب کی ایک دنیا میں چکر لگانے لگتا۔ وہ سادگی جو اسلامی زندگی کا طرۂ امتیاز تھی وہاں نام ونشان کا بھی نہ تھی بلکہ اس کے بجائے ملوکانہ عظمت وجلالت کے مظاہرات پوری طاقت کے ساتھ نظر آتے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا اور پیغمبر اسلامؐ کے جاری کیے ہوئے طرز زندگی سے مانوس بعض صحابہ کو اندیشہ ہوا کہ اس طرح اسلام کا حصول قدر و قیمت اور معیار عظمت جو اس نے بڑی کوشش سے جاہ وشوکت کی قدر و قیمت کو مٹا کر قائم کیا تھا فنا ہو جائے گا۔ چنانچہ معاویہ نے پانی پینے کے پیالے سونے کے زیادہ وزن پر فروخت کیے تو ابو درداء صحابی نے منع کیا اور کہا ہم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ زیادہ وزن پر خرید منع ہے۔ معاویہ نے کہا۔ میرے نزدیک تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ سن کر ابو درداء نے کہا۔ کیا خوب! میں تو رسول اللہ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اپنی رائے ظاہر کر رہے ہو۔

عبادہ بن صامت مشہور صحابی کے ساتھ بھی سونے کی بیع وشراء کے معاملہ میں اسی طرح کا قصہ ہوا تھا اور معاویہ نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم اس کو کسی طرح برا نہیں سمجھتے۔ عبادہ نے کہا میں تو رسول خداؐ کا حکم بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو۔ خدا مجھے اس جگہ سے نکالے۔ میں اس سرزمین پر ہرگز نہ رہوں گا جس پر تم حاکم ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کشمکش دمشق کی سیاست اور پرستاران شریعت میں اس وقت سے شروع ہوگئی تھی۔

اس کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری تیسری خلافت کے دور میں ایک جہاد کے سلسلہ میں شام کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں پر شراب کی مشکیں بھری ہوئی جارہی ہیں۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے نیزہ سے ان مشکوں کو چاک کر دیا۔ غلاموں نے مزاحمت کی اور یہ خبر معاویہ کو پہنچائی۔ انہوں نے کہا چھوڑو اس بڈھے کو اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا میری عقل نہیں گئی ہے مگر رسول اللہؐ نے ہم کو ممانعت فرمائی ہے کہ شراب ہمارے شکموں اور ہمارے ظروف میں داخل نہ ہو۔

انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ ان سن رسیدہ افراد کو جو صحابہ رسولؐ میں شمار ہوتے تھے معاویہ سے تنفر پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ معاویہ اہل شام کی ایک جماعت کے ساتھ جبکہ وہ مکہ معظمہ حج کو گئے ہوئے تھے۔ صبح سویرے سعد بن ابی وقاص کی طرف سے گزرے۔ انہیں سلام کیا مگر سعد نے جواب نہیں دیا۔ معاویہ نے اپنی خفت مٹانے کو اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ یہ سعد ہیں' حضرت رسولؐ کے صحابی۔ ان کا اصول ہے کہ سورج طلوع ہونے تک کسی آدمی سے بات نہیں کرتے۔ سعد کو یہ

بات معلوم ہوئی تو کہا: اس کی کوئی اصلیت نہیں مگر بخدا میں نے اس سے بات کرنا پسند نہ کی۔

اس کے بعد سلطنت دمشق جتنی طاقتور ہوتی گئی اتنا ہی اس نے اسلامی تمدن کے بجائے دنیادارانہ تمدن کو فروغ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی قدر و قیمت کے معیار اور وہ امتیازات ختم ہو گئے جو اسلام کے سادہ اور غرباء پرور اصول نے قائم کیے تھے۔ اس کا ایک نمونہ ہے۔ ۳۰ھ میں حضرت ابوذر غفاری کا جلاوطن کیا جانا۔ ان کا ایک قصور یہ تھا کہ وہ اس سرمایہ پرستی کی مذمت کرتے تھے جو انہیں اس وقت اسلامی ملک میں نظر آ رہی تھی۔ وہ غریب مسلمانوں کو بھوکا مرتے دیکھتے تو دمشق کی گلیوں میں وہ آیتیں قرآن کی پڑھتے پھرتے تھے جو سرمایہ پرستی کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ سونا چاندی خزانوں میں جمع کر رہے ہیں اور انہیں راہ خدا میں صرف نہیں کرتے انہیں منتظر رہنا چاہیے۔ اس وقت کا کہ جب آتش جہنم سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی۔

یہ بھی تھا کہ وہ حکومت کی خوشامد نہیں کرتے تھے بلکہ موقع پر سچی بات کہہ گزرتے تھے۔ چنانچہ جب معاویہ نے قصر خضرا کی تعمیر کی تو ابوذر سے پوچھا، کیوں اسے آپ کیسا سمجھتے ہیں؟ حضرت ابوذر نے فرمایا۔ اگر تم نے اسے خدا کے مال سے بنایا ہے تو تم نے خیانت کی اور اگر خود اپنے ذاتی مال سے بنایا ہے تو اسراف کیا۔

مزاج قیصریت اس کا متحمل کب ہو سکتا تھا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شکایت دارالسلطنت مدینہ میں بھیجی گئی اور وہاں سے ہدایت ہوئی کہ ابوذر کو مدینہ کی طرف روانہ کر دو۔

ابوذر شام سے مدینہ بھیج دئے گئے اور یہاں پہنچ کر بجائے اس کہ معاویہ کو کچھ تنبیہہ کی جاتی اس جلیل القدر صحابی کو مدینہ سے نکلنے کا حکم ہو گیا۔ مسافرت اور بے

سروسامانی آس پاس کوئی ہمدرد کیسا شناسا تک نہیں۔ آخر یہ شدائید نہ اٹھ سکے۔ ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگر کوئی شخص ان حالات کو تفصیل سے پڑھنا چاہئے تو وہ ہماری کتاب تذکیۂ نفس کلضرور مطالعہ کریں۔

جب ابوذر کی حالت خراب ہوئی پاس صرف بیوی اور ایک لڑکی تھی۔ ابوذر نے ان کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد تم دونوں مل کر مجھے غسل دینا' کفن پہنانا اور پھر لاش کو لے جا کر قافلہ کی گزرگاہ پر لٹا دینا اور جو قافلہ ادھر سے گزرے اس سے کہنا یہ رسولؐ خدا کا صحابی ابوذر ہے اس کو دفن کر دو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو غمزدہ ماں بیٹی نے اسی ہدایت پر عمل کیا۔ لاش کے ساتھ سرراہ آ کر بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً عبداللہ بن مسعود اہلِ عراق کے ایک قافلہ کے ہمراہ جو مکہ معظمہ حج کے لیے جا رہا تھا ادھر سے گزرے۔ روتی ہوئی خاتون اور بچی کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور دریافتِ حال کیا۔ مصیبت زدوں نے کہا۔ ''لوگو! رسولؐ کے مظلوم صحابی ابوذر نے غربت کے عالم میں وفات پائی۔ انہی کا لاشہ ہے جو بے گوروکفن پڑا ہے۔ ابن مسعود اور ان کے ساتھی چیخیں مار مار کر رونے لگے اور انہوں نے ابوذر کو دفن کیا۔ دوسری روایت میں مالک اشتر کا ذکر ہے۔

یہ حکومتِ وقت کے ظلم کے خلاف پہلی قربانی تھی جو رسولؐ کے مقدس صحابی حضرت ابوذر غفاری نے پیش کی۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ ابوذر غفاری اور عبدالرحمٰن بن سہل انصاری اپنی فرض شناسی کی بنا پر اسلام کے قائم کردہ حدود و امتیازات میں بڑی عظمت کے مستحق تھے مگر موجودہ سیاست کے حدود میں وہ بالکل کم حقیقت اور بے وقعت ہو گئے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اسلامی انقلاب کی جگہ قدامت پرستانہ انقلاب فتح پانے لگا اور اسلام کے مقرر کردہ حدود کے بجائے دوسرے حدود و امتیازات قائم ہو گئے۔

رسولؐ کے بعد وارثان بنی ہاشم اور وارثان بنی امیہ میں تصادم

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے حقیقی ورثہ دار جو ان کے اہلبیتؑ تھے۔ اسلامی انقلاب اور اس کے خصوصیات و امتیازات کے محافظ تھے۔ دنیا میں عالی شان محل تعمیر ہو چکے تھے۔ لیکن ان کا وہی چھوٹا سا مکان تھا جس میں انہیں پیغمبر اکرمؐ نے رکھ دیا تھا۔ دنیا کے محلات میں ریشمی پردے دروازوں پر لگے ہوئے تھے مگر ان کے دروازے پر وہی پھٹا ہوا پردہ اب بھی نظر آتا تھا۔ دنیا کے جسم پر حریر و دیبا نظر آتا تھا لیکن یہ کھدر کا لباس اب بھی زیب تن کرتے تھے دنیا مفتوحہ ممالک کی دولت سے عیش و عشرت میں زندگی گزارتی تھی مگر یہ اب بھی اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کمانا اور مال حلال کی تلاش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور جو دولت ملتی اسے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی نذر کر دیتے، اور اس بنا پر ان میں اور ان کے متوازی دوسرے انقلاب کے علم برداروں میں کشمکش لازمی تھی۔ حضرت علیؑ سے معاویہ کا تصادم جس کے بہت سے واقعات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اسی کشمکش کا نتیجہ تھا چونکہ حضرت علی علیہ السلام بنی ہاشم کے وارث تھے جبکہ معاویہ بنی امیہ کا وارث تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت اور اس کے علاوہ جب کبھی بھی مقابلہ پڑا ہے دنیا میں آل رسولؐ کے ساتھی کم نکلے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ اس کے وجوہ اقتصادی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ نفسیاتی بھی اور نسلی بھی۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام قدیم امتیازات کو مٹا کر مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس نے امتیاز صرف فرائض انسانی کی زیادہ سے زیادہ بجا آوری کی بنا پر قرار دیا تھا۔ مشترکہ دولت جو مال غنیمت سے حاصل ہوتی ہے اس کی اس طرح تقسیم کہ جس میں جانبداری اور عدم مساوات پیدا ہو

جائے اسلام کے اصول کے خلاف تھی اور اسلام کے سچے محافظین اس کے قریب نہ جا سکتے تھے۔ اس لیے آل رسولؑ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ خزانہ میں روپیہ جمع کر کے دولتمند بنیں اور خصوصیت سے ان لوگوں کو زروجواہر سے مالا مال کریں جن سے ان کو اپنے اقتدار کے قوی بنانے میں فائدہ کی امید ہو۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ جو کچھ بیت المال میں آتا ہے روز کا روز تقسیم کر دیتے ہیں اور پھر بیت المال میں جھاڑو دلوا دیتے ہیں اور وہیں پر نماز پڑھتے ہیں کہ وہ زمین خدا کے یہاں گواہی دے کہ علیؑ نے مسلمانوں کے مال کے پہنچانے میں مستحق لوگوں تک دریغ نہیں کیا۔

اصفہان سے مال آتا ہے۔ اس وقت اتفاق سے سات آدمی مستحقین موجود ہیں۔ آپ نے تمام مال کے سات برابر حصے کر دیے اور ایک روٹی بھی اس مال میں نظر آ گئی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کر کے ہر حصہ میں ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ ممکن ہے خیال کیا جائے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا آدمی کو لحاظ نہیں کرنا چاہیے اور اس روٹی کو کسی ایک حصہ میں شامل کر دیا جاتا تو بظاہر شریعت کے مطابق کوئی جرم نہ تھا مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ذہنیت عوام کی تشکیل ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ تو عوام کی اسی مساوات کے سانچے میں ڈھالنے کا کام انجام دے رہے تھے جسے رسول خداؐ نے سکھایا تھا اور مسلمان رسولؐ کی رحلت کے بعد اسے بھلا بیٹھے تھے۔

اس کے برخلاف امیر شام کے یہاں ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہاں اپنے اقتدار کے قائم رکھنے کے لیے خزانہ کا منہ کھلا تھا اور جس کو مطلب کا سمجھا جاتا تھا اسے مالا مال کر دیا جاتا تھا۔ پھر لوگ جو امتیازات کے عادی ہو چکے تھے ان کا ساتھ دیتے یا ان کا؟

دنیا کی تو یہ حالت ہے کہ چاہے ملے ملائے کچھ نہیں لیکن اگر معلوم ہو کہ کسی کے پاس روپیہ بہت ہے اور خزانہ میں دولت جمع ہے تو یہی اس کا اثر قائم ہونے کے لیے کافی

ہوتا ہے۔اوراس طرح اس کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ یہاں حضرت علیؑ کی یہ کیفیت کہ منبر پر اپنی تلوار کے فروخت کا اعلان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مجھے ایک لباس کی ضرورت ہے جو بغیر اس تلوار کے فروخت کیے ہوئے ممکن نہیں ہے۔عبدالرزاق محدث نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ اس حالت میں تھا کہ جب سوائے شام کے تمام عالم اسلام کی سلطنت آپ کے قبضہ میں تھی اسے کہتے ہیں عادل حکمران۔ ہر ایک حریص شخص سمجھتا تھا کہ جس کے پاس خود اپنے لباس کے لیے روپیہ نہ ہو اس کے پاس ناحق کسی دوسرے کو دینے کے لیے روپیہ کہاں ہو سکتا ہے۔

دنیا ظاہری طمطراق اور آؤ بھگت سے بھی مرغوب ہوتی ہے مگر یہاں یہ حالت تھی کہ جناب امیرؑ اپنی حکومت کے زمانے میں کبھی اس کو عار نہ سمجھتے تھے کہ میثم تمار کی دکان پر خرید و فروخت کریں۔ بازار میں قنبر کو ساتھ لے کر گئے اور دو پیراہن خرید لئے۔ ایک سات درہم کا اور ایک پانچ درہم کا۔سات درہم کا پیراہن قنبر کو دیا اور پانچ درہم کا خود زیب تن کیا۔قنبر نے کہا یہ زیادہ قیمت والا آپ لیں۔کوئی اور ہوتا اور وہ ایسا کرتا تو شاید جواب دیتا کہ میں مساوات کے پھیلانے اور غلاموں کا درجہ بلند کرنے کے لیے ایسا کرتا ہوں۔علیؑ کا مقصد یقیناً ایسا ہی تھا لیکن اگر یہ جواب دیتے تو اس میں خود عدم مساوات کا پہلو مضمر تھا۔ سننے والے کو احساس غلامی ضرور پیدا ہو جاتا اس لیے آپ نے ایسا جواب دیا جو بچوں کو دیا جاتا ہے۔فرمایا قنبر! تم نوعمر ہو' تمہیں وہی پیراہن اچھا معلوم ہوتا ہے۔میرا کیا' میں یہی پہن لوں گا۔ان باتوں کی قدر اہل دنیا کہاں کر سکتے تھے اور ان کے دل پر ان باتوں کا اثر کہاں قائم ہو سکتا تھا۔

اس کے علاوہ اسلام نے ان تمام مقتدر اشخاص اور جماعتوں کے امتیازات کو ختم کیا تھا جو اس کے پہلے برسر اقتدار تھیں۔وہ مقتدر جماعتیں آپس میں کتنی ہی دشمنیاں رکھتی

ہوں لیکن اسلام سے زخم خوردہ وہ سب ہی تھیں۔ اس لیے اسلام کے حقیقی مقصد اور قائم کردہ امتیاز کے مٹانے میں وہ سب ہم آہنگ بن سکتی تھیں کیونکہ اس کے مٹانے میں ان میں سے ہر ایک کے اقتدار رفتہ کی واپسی منحصر تھی اور پھر سابق کی شکستوں کا اثر سب ہی پر تھا اور سب ہی میں جذبۂ انتقام پایا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی کہ اسلام نے اپنے مساوات کی تلقین سے خود قوم عرب کا بحیثیت قوم بھی امتیاز خاص ختم کیا تھا۔ اور پردیسیوں کے حقوق پر بڑا زور دے دیا تھا اور غیر عربی عناصر جو آتے تھے انہیں عربوں کے برابر حقوق دیے جاتے تھے۔ یہ بات تمام عرب والوں کو ناپسند تھی۔ بنی امیہ نے اپنے دور میں عربی تعصب کا مظاہرہ کر کے عربی قومیت کے امتیاز کی حمایت کی۔ چنانچہ اس دور کے امتیازی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ عرب اور غیر عرب کا سوال پیدا ہو گیا۔ بنی امیہ کی اس سیاسی روش کا قدرتاً یہ نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ عرب زیادہ تر بنی امیہ کے طرفدار ہو جاتے۔ بنی ہاشم اسلامی اصول کے حامی ہونے کی وجہ سے عربی قومیت کے اس جذبہ کی طرفداری نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے عرب کی جانبداری کا پہلوان کا کمزور تھا۔ اس کی تصدیق اس سے ہو سکے گی کہ اس کے بعد جب بنی امیہ کے خلاف ہاشمین یعنی بنی عباس وغیرہ نے علم بلند کیا تو ہاشمین کا ساتھ دینے والے موالی اور عجم زیادہ تھے۔

بنی ہاشم کے قدیمی روایات اور سیادت و شرافت کے امتیاز کی وجہ سے عرب خاندانوں کو ان سے پہلے ہی حسد و عناد تھا۔ اس لیے نسلی تعصبات بھی مخالفت پر آمادہ کرتے تھے اور عرب میں قبائلی نظام بڑی قوت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر قبیلہ کے سرگروہ اور بڑے افراد اپنے جذبات کی بنا پر جس راستے پر جاتے تھے عوام اور پست افراد اہل قبیلہ بھی ان ہی کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ لیڈروں کے پابند ہوتے ہیں اور لیڈر زیادہ تر جذبات کے شکنجہ میں قید ہوتے ہیں۔ انہیں باتوں کا نتیجہ تھا کہ آل رسولؐ کے مقابلہ میں ان کے مخالفین کی تعداد زیادہ رہتی تھی۔

امام حسنؑ کی صلح اور اس کے نتائج

۴۰ھ تا ۶۰ھ

حضرت علی کے شہادت کے وقت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ایک تحریری وصیت نامہ امام حسنؑ کے نام لکھا اور اس پر امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ اور دیگر اولا دٔ اعزا اور مخصوص اصحاب کی گواہیاں لکھوائیں اور وصیت نامہ امام حسن مجتبیٰؑ کو سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم اسے حسینؑ کے سپرد کر دینا۔ اس کے علاوہ ایک وصیت آپ نے امام حسنؑ اور حسینؑ دونوں بھائیوں سے مشترکہ طور پر فرمائی وہ یہ تھی کہ ''میں تم کو فرض شناسی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم کبھی دنیا کے طلب گار نہ ہونا۔ چاہے وہ دنیا خود تمہاری طلبگار ہو' اور کسی دنیوی نقصان پر کبھی رنجیدہ نہ ہونا اور ہمیشہ حق کے لیے زبان کھولنا اور ثواب کے لیے کام کرنا اور ظالم کے مدمقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا میں تم کو اپنی اولاد اور اعزا اور ان لوگوں کو جن تک میرا پیغام پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا اور اپنے درمیانی جھگڑوں کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرتے رہنا اور دیکھو یتیموں کا خیال رکھنا' ان کی برابر خبر گیری کرتے رہنا اور پڑوسیوں کا خیال رکھنا اس لیے کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی' اور دیکھو قرآن کا خیال رکھنا تم سے بڑھ کر کوئی قرآن پر عمل کرنے والا نہ ہو' اور نماز کا خیال رکھنا' یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور اللہ کے گھر کا خیال رکھنا۔ زندگی بھر اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا' اور دیکھو خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا' اور آپس میں صلہ رحم رکھنا' اور ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کے ساتھ پیش آنا اور دیکھو کبھی خلق خدا کو نیک اعمال کی ترغیب دینے اور بد

اعمالیوں سے روکنے سے باز نہ آنا کہ تم پر برے لوگوں کا اقتدار قائم نہ ہونے پائے اور دیکھو میرے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ بنی ہاشم مسلمانوں میں میرے خون کے بہانے سے خونریزی شروع کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ میرے خون کے قصاص کے طور پر بس میرے قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو ایک ضربت کی پاداش میں بس ایک ہی ضربت لگائی جائے اور اس کو ہرگز مثلہ نہ جائے۔ یعنی اعضاء و جوارح قطع نہ کیے جائیں۔ اس لیے رسول اللہؐ فرما گئے ہیں کہ خبردار کسی کو مثلہ نہ کرو چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔

نفسیات کے واقف کار خوب جانتے ہیں کہ کچھ وہ حالات ہوتے ہیں جن میں بات پتھر کی لکیر کی طرح سننے والے کے دل پر جم جاتی ہے۔ یہ صورت کہ ایک بزرگ مرتبہ واجب الاطاعت باپ بستر بیماری پر ہے۔ اس کی رحلت کا ہنگامہ قریب ہے اور اس وقت وہ اپنے تمام اہل بیتؑ میں سے دو ایک سعید فرزندوں کو خصوصیت کے ساتھ بلا کر کوئی خاص بات کہتا ہے۔ یقیناً اس وقت کی کہی ہوئی بات ان فرزندوں کے دل و دماغ پر ایسا اثر کرے گی جیسا کسی دوسرے صبر و سکون کے لمحوں کی بات اثر نہیں کر سکتی۔

عام دنیا سے جانے والے باپ اس وقت اپنی اولاد سے وصیت اپنے گھر کے نجی معاملات کے متعلق کرتے ہیں مگر آل محمدؐ تو دین و شریعت، کتاب اور سنت کو اپنے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت پر جو وصیتیں کی ہیں وہ سراسر مفاد عامہ، مفاد شریعت اور احکام الٰہی سے متعلق تھیں۔

یوں تو یہ فرزند وہ تھے جو خود صحیح اور مناسب ہی کام کرتے مگر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو تو بظاہر ایک مربی باپ کی طرح اپنا فرض، انجام دینا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ان وصیتوں کا ہر لفظ سعادت شعار بیٹوں کے دل پر نقش ہو جائے۔ یہ الفاظ ان کے

کانوں میں ہمیشہ گونجتے رہیں کہ فرض شناسی کو اپنا اصول رکھنا۔ دنیوی جاہ واقتدار کے کبھی طالب نہ ہونا۔ دنیوی نقصان کی کبھی پروانہ کرنا۔ زبان پر حق کو جاری رکھنا۔ ظالم کے مدمقابل رہنا اور مظلوم کے مددگار رہنا۔ چنانچہ ان تمام تعلیمات کو دونوں فرزندوں نے اپنے عمل سے مجسم شکل میں پیش کیا اور آپس میں ہم آہنگی کو بھی ہر صورت میں برقرار رکھا۔

یہ الفاظ کہ ''خدا کی راہ میں اپنے جان و مال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کی ہدایت اور بری باتوں کی ممانعت کو کبھی ترک نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر برے لوگوں کا اقتدار قائم ہو جائے۔''

خصوصیت کے ساتھ ان کو عملی جامہ پہنانے کا جس طرح حسینؑ کو موقع ملا وہ دنیا کی تاریخ میں یادگار ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر آپ کے بڑے فرزند امام حسنؑ کی خلافت تسلیم کی۔ آپ پر اپنے والد بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے خاص طور پر آپ کی سیرت اور ترک دنیا کا تذکرہ کیا اور اس ذکر میں گریہ آپ کے گلوگیر ہوا اور تمام حاضرین بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کیے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عباس نے کھڑے ہو کر لوگوں کو آپ کی بیعت کرنے کی طرف دعوت دی۔ اور سب نے برضا و رغبت آپ کی بیعت کی۔ یہ جمعہ کے دن ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ کا واقعہ ہے آپ نے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ قول و قرار لے لیا تھا کہ اگر میں صلح کروں تو تم کو صلح کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی۔ اس کے بعد آپ ملک کے انتظامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اطراف میں عمال مقرر

کیے۔ حکام معین کیے اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

ابھی ملک حضرت علیؑ کے غم میں سوگوار ہی تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ معاویہ کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہو گئی اور ان کے خفیہ کارکن ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ چنانچہ ایک شخص قبیلۂ حمیر کا کوفہ میں اور ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوشگوار بنائیں۔ غنیمت ہے کہ اس کا انکشاف ہو گیا۔ حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قین والا آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''تم اپنی دراندازیوں سے باز نہیں آتے ہو۔ تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں بغاوت پیدا کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیے ہیں۔ معلوم ہوتا کہ تم جنگ کے خواہشمند ہو۔ ایسا ہے تو پھر تیار رہو۔ یہ منزل کچھ دور نہیں ہے نیز مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ تم نے میرے باپ کی شہادت پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے موت سب کے لیے ہے۔ آج ہمیں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہو گا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں۔ وہ تو ایسا ہے جیسے کوئی ایک مکان سے منتقل ہو کر اپنے دوسرے مکان میں جائے اور آرام کی نیند سوئے۔'' اس خط کے بعد معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی ردّ و بدل ہوئی بہر حال ان واقعات سے یہ امر بالکل ظاہر ہو گیا کہ امیر شام معاویہ کو جناب امیرؑ کی ذات سے کوئی وقتی عداوت نہ تھی ورنہ وہ ان کی شہادت کے ساتھ ختم ہو جاتی بلکہ یہ آلِ رسولؐ سے ایک مستقل دشمنی ہے جو ان کو اپنے بڑوں سے وراثت میں ملی تھی۔ جس کے نتائج آئندہ دیکھیے

کیا ہوں۔ یہ بھی اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ ملک میں دشمن کے جاسوسوں اور مخبروں کے لیے جائے پناہ موجود ہے اور اگر دو ایک واقعات کا انکشاف ہوا اور دو آدمی گرفتار ہو گئے تو یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے ہی کچھ دوسرے لوگ موجود نہیں ہیں جن کا انکشاف نہیں ہو سکا ہے اور جنہیں کافی کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ بہر حال امام حسنؑ دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار تھے اور حق کے بارے میں اس کے ساتھ کوئی مراعات کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

بیشک آپ کو اور آپ کے ساتھ حسینؑ کو اپنے ملک کی فضا کی طرف سے بے اطمینانی ضرور تھی۔ اس لیے کہ خوارج کے فتنہ کے بعد سے خود اہل کوفہ میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بظاہر حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے مگر قرابت، دوستی یا کسی اور وجہ سے خوارج کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ حضرت امیرؑ کو خود ان لوگوں کی شورش پسندی، اختلاف رائے اور نظم کی کمی سے اتنی تکلیف اور پریشانی تھی کہ آپ موت کے آرزومند تھے۔ تمام کتب تاریخ اور بالخصوص نہج البلاغہ میں وہ خطبے آپ کے درج ہیں جو آپ کی کبیدہ خاطری بلکہ روحانی تکلیف کے مظہر ہیں۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے کبھی فرمایا کہ تم نے میرا دل پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غم و غصہ سے پر کر دیا کبھی فرمایا کہ کاش معاویہ میرے ساتھ اپنی جماعت کا تمہاری جماعت سے تبادلہ کر لیتا۔ اس طرح جیسے سونے کے سکہ کا مبادلہ چاندی کے سکہ سے ہوتا ہے۔ یعنی تم میں سے لے لیتا اور اپنوں میں ایک مجھے دے دیتا کبھی فرمایا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ اہل شام باطل راستے پر متفق ہیں اور تم حق راستے پر ہو کے باہم تعاون نہیں رکھتے۔ اہل شام اپنے حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور تم اپنے امام کا کہنا نہیں مانتے درانحالیکہ وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی فرمایا کہ تم لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے چلو۔ گرمی کے زمانہ میں تو تم کہتے ہو کہ یہ تو سخت گرمی ہے۔ اتنی مہلت دیجئے

کہ یہ گرمی کم ہو جائے۔ افسوس! تم گرمی اور سردی سے اتنا بھاگتے ہو تو تلوار کی آنچ سے اور زیادہ بھاگو گے۔

یہی وہ جماعت تھی کہ جس سے اب امام حسنؑ کو واسطہ پڑا تھا۔ آپ ان لوگوں کی حالتوں سے اچھی طرح واقف تھے اور یقیناً امیر شام کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے یہاں کے حالات کا علم ہو گیا ہو گا اور وہ یہ بھی سمجھتے ہوں کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی جو ہیبت تمام عرب کے قلوب پر چھائی ہوئی تھی وہ بالکل اسی درجہ پر حضرت حسنؑ کے لیے ابھی حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے انہیں ہمت ہوئی کہ وہ یکا یک عراق پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر جسر منج تک پہنچ گئے۔ اب امام حسنؑ نے بھی مدافعت کے انتظامات شروع کیے اور حجر بن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے تمام مقامات کے عاملوں کو صورت حال کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کریں۔ مگر اندازہ کے بالکل مطابق یہ افسوسناک صورت سامنے آئی کہ لوگوں نے حجر بن عدی کی کوشش کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال نہیں کیا۔ عام طور پر جمود اور سردمہری سے کام لیا گیا۔ کچھ تھوڑی سی جمعیت مقابلہ کے لیے تیار ہوئی تھی تو اس میں کچھ حصہ خوارج کا تھا جو کسی نہ کسی کے بہانے کے ساتھ معاویہ سے جنگ کرنا ہی چاہتے تھے۔ کچھ شورش پسند اور مال غنیمت کے طلبگار اور کچھ لوگ صرف اپنے سرداران قبائل کے دباؤ سے بادل نخواستہ ساتھ ہو گئے تھے۔ جنہیں فرض کے احساس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ تھوڑے لوگ وہ ہوں گے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے اطاعت گزار سمجھے جا سکتے ہیں بہر حال حضرت امام حسنؑ نے قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو بیس ہزار کی فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا اور خود مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں جب قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر نمایاں طور سے آپ کو اپنے ساتھیوں کی سردمہری کا مشاہدہ ہوا۔ آپ نے ان لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "دیکھو

میں تمام خلق سے زیادہ خلق خدا کا بھی خواہ ہوں اور مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں۔ آگاہ ہونا چاہیے کہ اتفاق واتحاد چاہے تمہیں ناپسند ہو اختلاف وافتراق سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔ یاد رکھو کہ میں تمہارے فائدے کے لیے تم سے بہتر سوچنے کا حق رکھتا ہوں۔ تم کو لازم ہے کہ میری رائے سے انحراف اور میرے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ آپ کی تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں بدنظمی پیدا ہوگئی اور خوارج نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ یہ کافر ہوگئے۔ کچھ لوگوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ کے قدموں کے نیچے سے مصلا کھینچ لیا اور دوش مبارک پر سے چادر بھی اتار لی۔ آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گئے اور آواز بلند سے پکارا کہ کہاں ہیں ربیعہ اور ہمدان۔ یہ دونوں قبیلے ادھر اُدھر سے دوڑ پڑے اور شورش پسندوں کو آپ سے دور کیا۔

ابن جریر کی روایت یہ ہے کہ کسی نے خبر اڑادی کہ قیس بن سعد قتل ہو گئے۔ بس اس پر یہ شور مچ گیا اور وہ خیمہ جس میں امام حسنؑ کا قیام تھا لوٹ لیا گیا۔ یہاں تک کہ جس بچھونے پر آپ تھے اسے آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔

اس کے بعد آپ مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر وہاں پہنچنے پر جراح بن قبیصہ اسدی نے جو انہی خوارج میں سے تھا کمینگاہ میں چھپ کر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ عرصہ تک مدائن میں علاج کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ سے مقابلہ کی تیاری کی۔

معاویہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر چاہیں میں صلح کرنے پر تیار ہوں اور اس کے ساتھ آپ کی فوج کے ان سرداروں کے خطوط بھی روانہ کر دئے جنہوں نے خفیہ طریقہ پر معاویہ سے سازباز کرنا چاہی تھی اور دعوت دی تھی کہ آپ آئیے تو ہم حسنؑ کو گرفتار کر کے آپ کے سپرد کر دیں گے یا ان کو قتل کر ڈالیں گے۔

امام حسنؑ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کی غداری سے واقف تھے اور اس لیے جنگ کو مناسب وقت خیال نہیں کرتے تھے لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو کہ باطل کی حمایت کا دھبہ بھی میرے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس خاندان کے لوگوں کو حکومت واقتدار کی تو ہوس کبھی رہی نہیں، انہیں تو مطلب' اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود وحقوق الٰہی کا اجراء ہو۔ اب معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کی آمادگی ظاہر کی تو آپ نے اپنے ناناؐ اور باپؑ کی دیکھی ہوئی سیرت کے مطابق مصالحت کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو ناکام واپس نہیں کیا۔ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کیے۔ وہ تمام شرائط جن سے قانونی طور پر آئین وشریعت کا تحفظ ہو جاتا ہے چنانچہ صلح کی دستاویز مکمل ہوئی اور جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت امام حسینؑ اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ کے ساتھ ان سرد وگرم حالات کا برابر مطالعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے ان واقعات پر کبھی ایک غیر متعلق انسان کی طرح نظر نہیں ڈالی۔ بلکہ وہ اس کو اپنی سرگزشت سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ہمیں اسی حال پر مستقبل کی عمارت کو بلند کرنا ہے۔ اس وقت کے واقعات کا یہ پہلو بہت اہم تھا کہ ساتھیوں کی کثرت اور جمعیت پر اعتماد کا خیال بالکل فضول ہے۔ حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ایک دفعہ ان ساتھیوں کے عمل کو دیکھ چکے تھے کہ وہ ان کے سامنے تلواریں کھینچ کر آ گئے اور اب اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ساتھیوں کے طرز عمل کو دیکھ لیا کہ خود اپنی فوج کے ہاتھوں کس طرح ان کے بھائی کی جان خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ ممکن ہے کسی وجہ سے اس وقت امام حسینؑ اپنے بڑے بھائی کے پاس موجود نہ ہوں اور ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سخت اور ناگوار موقع پر کوئی تذکرہ امام حسین علیہ السلام کا نظر نہیں آتا مگر انہوں نے یقیناً ان حالات کو دردمندانہ طریقہ پر سنا اور اس زخم کو دیکھا ہوگا جو ان کے بھائی کے جسم پر خود

اپنے ساتھ والوں میں سے کسی کے ہاتھ سے آ گیا تھا اور اس کا اثر ان کے حساس دل پر جتنا بھی ہوا ہو وہ کم ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے بزرگوں کی سیرت میں ایک دفعہ یہ نمونہ اور دیکھ لیا کہ امن عالم کے لیے نقطہ اول صلح وسلامتی ہے۔ جنگ کا درجہ صلح کے بعد ہے اور صلح کے امکانات پیدا ہونے تک ہے اس لیے صلح کے خیال کو جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ دشمن سے صلح کی گفتگو کو کبھی اپنی خودداری کے خلاف نہ سمجھو چاہے جذباتی لوگ اس پر معترض بھی ہوں اور چاہے اس کے لیے تمہیں اپنے جاہ واقتدار، راحت وآرام یا کسی دوسرے شخصی مفاد کی قربانی بھی دینا پڑے مگر یہ خیال ضروری ہے کہ اس صلح کے اندر کوئی ایسا اصول پامال نہ ہونے پائے جس کا محفوظ رکھنا بہرحال بہت ضروری ہے۔ یہی نمونہ امام حسینؑ نے اپنے نانا سے دیکھا تھا، یہی ان کو اپنے باپ کے یہاں نظر آیا اور یہی اب ان کو اپنے واجب الاطاعت بھائی امام حسنؑ کی جانب سے پیش نظر تھا۔

ایک بات ضمنی طور پر اور دوبارہ سامنے آ گئی۔ وہ یہ کہ سچائی کے راستے میں اگر اتمام حجت کی ضرورت ہو تو دوست نہیں بلکہ دشمن کے بھی اقرار پر بھروسا کر لینا چاہیے۔

امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح کی شرائط

اس صلح نامہ پر مکمل شرائط جو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں درج کیے ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور صحیح راستے پر چلنے

والے خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل کریں گے۔

۲۔ یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

۳۔ یہ کہ شام وعراق وحجاز ویمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔

۴۔ یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال اور ناموس واولاد محفوظ رہیں گے۔

۵۔ یہ کہ معاویہ حسنؑ بن علیؑ اوران کے بھائی حسینؑ اور کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں کوئی نقصان پہنچانے یا ان کی جان لینے کی کوشش نہ کریں گے۔ نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ اوران میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا' ڈرایا اور دہشت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاول ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

اگر غور کیا جائے تو اس صلح کے ذریعہ سے حضرت امام حسنؑ نے وہ مقصد حاصل کرلیا تھا جس کے لیے ان کی اپنے فریق مخالف سے منازعت تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حضرات ذاتی اغراض کے لیے کسی سے دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی لڑائی جو کچھ تھی وہ اصول شریعت و مذہب کے لیے ہوتی تھی۔ حضرت امام حسنؑ نے صلحنامہ کی پہلی شرط کے لحاظ سے امیر شام کو پابند بنادیا کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق عمل کریں۔ اس سے آپ نے ایک طرف تو یہ بات ہمیشہ کے لیے مسلم بنادی کہ اصول شریعت اور ہے آئین حکومت اور ہے۔ یہ وہ بڑی چیز تھی جس کے لیے آل محمدؐ برابر کوشاں رہے تھے یعنی کبھی ایسا نہ ہو کہ حکام اسلام کا طرز عمل عین شریعت سمجھ لیا جائے۔ دوسرا امر یہ بھی آپ نے ثابت کر دیا بلکہ فریق مخالف سے تسلیم کرالیا کہ اب تک جو کچھ حکومت شام کا رویہ رہا ہے وہ کتاب اور سنت کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے

کہ صلح نامہ کی بنیادی چیزیں وہی ہوتی ہیں جو دو فریق میں بنائے دشمنی ہوں۔ اگر حکومت شام کا سابقہ طرز عمل اب تک برابر کتاب وسنت کے مطابق ہوتا تو اس شرط کی ضرورت کیا تھی۔ اس کے بعد دوسری اہم شرط کی ضرورت کیا تھی۔ اس کے بعد دوسری اہم شرط یہ قرار دی کہ ان کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے مستقبل کا تحفظ کیا کیونکہ یہ ممکن تھا کہ معاویہ اپنی زندگی بھر کتاب اور سنت کے مطابق عمل کرتے لیکن بعد میں کوئی ایسا آتا جو اس کے خلاف کرتا۔ اس لیے آپ نے آیندہ کے لیے جانشین بنانے کے حق کو سلب کرلیا۔

بہرحال صلح ہوگئی۔ فوجیں واپس چلی گئیں اور معاویہ کی گرفت تمام ممالک اسلامیہ پر مضبوط ہوگئی اور اب شام ومصر کے ساتھ عراق وحجاز، یمن اور ایران وغیرہ بھی ان کے تصرف میں آ گئے۔ حضرت امام حسنؑ کو اس صلح کے بعد اپنے ساتھ کے بہت سے لوگوں کی طرف سے انتہائی دلخراش اور توہین آمیز الفاظ سننا پڑے جن کا برداشت کرنا انہی کا کام تھا۔ بعض لوگ ایسے جو کل تک ''امیرالمومنین'' کہہ کے پکارتے تھے آج ''مذل المومنین''، یعنی ''مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے'' کے الفاظ سے سلام کرتے تھے مگر امام حسنؑ نے صبر واستقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔

معاویہ کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی

لیکن معاویہ نے جنگ کے ختم اور سیاسی اقتدار کے قائم ہوتے ہی عراق میں داخل ہوکر نخلیہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان

کر دیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو۔ روزے رکھنے لگو' حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو۔ میرا تو مقصد جنگ سے فقط یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلّم ہو جائے۔ وہ حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد مکمل ہو گئی اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے اس مطلب میں کامیاب کر دیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کیے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں اور ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے۔ مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا مگر اب کس میں جرأت تھی کہ وہ اس کے خلاف زبان کشائی کرتا۔

اقتدار شاہی کی جرآت اس نقطہ تک پہنچی کو کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی میں معاویہ نے حضرت امیرؑ اور امام حسنؑ کی شان میں ناسزا کلمات استعمال کیے۔ اس پر سکوت کرنا اعتراف واقرار کا مترادف سمجھا جا سکتا تھا۔ اس لیے فوراً امام حسینؑ جواب دینے کے لیے کھڑے ہو گئے مگر حضرت امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں امیر شام کی تقریر کا جواب دیا۔ حسینؑ جانتے تو پہلے ہی تھے مگر اس وقت سے محسوس کر لیا تھا کہ حالات کی رفتار کیا ہے اور ہم کو اس کا آخری مقابلہ کس طرح کرنا ہو گا۔ مگر وہ جلد باز انسان نہ تھے' نہ وہ ذمہ داریوں کے موقع سے ناواقف تھے۔ انہیں صبر آزما انتظار کے ساتھ حالات کی تدریجی رفتار کے دوش بدوش اپنے کردار کی منزل کو آگے بڑھانا تھا اور اس کے پہلے ایک فرض شناس انسان کی طرح اپنے بھائی کے ساتھ وقت کی موجودہ ساکن مگر پر اضطراب خاموشی میں غرق رہنا تھا۔

حضرت امام حسنؑ نے امور سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد کوفہ کا قیام ترک کر کے پھر سے مدینہ میں جا کر سکونت اختیار فرمائی تو حسینؑ نے بھی بھائی کا ساتھ دیا اور مدینہ میں جا کر قیام فرمایا۔ مگر اس اتحاد عمل کے باوجود بھی بنی امیہ نے یہ غلط

پروپیگنڈا کیا کہ اس صلح کے بارے میں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں بھائیوں کی یک جہتی میں واقعی کوئی فرق آ جائے مگر ان کے تمام توقعات بالکل غلط ثابت ہوئے۔

حسینؑ قول، عمل اور مسلک میں اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بالکل متحد تھے اور ہمیشہ رہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ امام حسنؑ نے اگرچہ اتمام حجت کے لیے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے مگر خیال ان کا بھی یہی ہے کہ آخر میں پھر تلوار درمیان میں آئے گی اور آخری فیصلہ بغیر ایک سخت اور مشکل اقدام کے نہ ہو سکے گا اور وہ اس کے لیے تیار بھی ہیں بشرطیکہ حالات کی تدریجی رفتار انہی کے دور حیات میں اس آخری نقطہ تک پہنچ جائے۔ جو اس آخری اقدام کے لیے ضروری ہے۔ امام حسنؑ اکثر یہ اشعار بطور تمثیل پڑھا کرتے تھے

من عاذ بالسیف لاقیٰ فرصة عجبا	موتا علیٰ عجل اوعاش منتصفا
لا ترکبوا السهل ان السهل مفسدة	لن تدرکوا المجد حتیٰ ترکبوا عنفا

''جو تلوار کو اپنا پشت پناہ بنائے وہ عجیب سکون و اطمینان حاصل کر لے گا یا دنیا سے جلد ہی گزر جانا اور یا زندگی ایسی جو دادرسی کے ساتھ ہو۔ کبھی سہولت پسندی سے کام نہ لو۔ سہولت پسندی بڑی خرابی کی بات ہے۔ عزت حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک کہ دشوار گزار منزل کو طے نہ کرو۔''

رہ گئے موجودہ حالات ان کے لحاظ سے امام حسینؑ بھی اس صلح سے متفق تھے چنانچہ بروایت دینوری جب حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو جو صلح کے معاملہ میں اختلاف رکھتے تھے امام حسینؑ کے پاس آئے اور کہا' آپ لوگوں نے عزت کے بدلے میں ذلت کو خرید لیا۔ کم حقوق حاصل کر کے بہت سے حقوق سے دست کشی کر لی۔ اچھا اب آپ بذات خود آج ہماری ایک بات مان لیجیے۔ پھر کبھی کوئی بات نہ مانیے گا۔ وہ یہ ہے

کہ آپ حضرت امام حسنؑ کو تو اس صلح کے راستے پر جو انہوں نے اختیار کیا ہے چھوڑ دیجیے۔ لیکن آپ اپنے ساتھیوں کو جو کوفہ میں ہیں یا کوفہ کے باہر جمع کیجئے اور ہم دونوں کو مقدمہ الجیش کا افسر بنا دیجئے۔ پھر دیکھیے گا کہ معاویہ کو خبر بھی نہ ہوگی اور ہم اچانک تلواریں مارتے ہوئے نظر آئیں گے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا' یہ نہیں ہوسکتا۔ ہم عہد کر چکے اور قول و قرار ہو چکا۔ اسی طرح علی بن محمد بن بشیر ہمدانی کا بیان ہے کہ میں سفیان بن ابی لیلیٰ کی معیت میں مدینہ پہنچا اور امام حسنؑ کے پاس ملنے گیا۔ آپ کے پاس اس وقت میسّب بن نجبہ' عبداللہ بن دواک تمیمی اور سراج بن مالک خشعمی موجود تھے۔ میں نے کہا۔ السلام علیک یا مذل المومنین ''سلام ہو آپ پر اے مومنین کو ذلیل کرنے والے۔'' آپ نے فرمایا وعلیک السلام. بیٹھو۔ میں مومنین کی ذلت کا باعث نہیں ہوں۔ میں نے تو ان کی عزت رکھ لی اور ان کو خونریزی سے بچا لیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اب جنگ کا جوش اور ولولہ باقی نہیں ہے اور کمزوری نمایاں ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اگر جنگ جاری رکھی گئی تب بھی ایک دن یہی ہونا ہے کہ معاویہ کی بادشاہت قائم ہو جائے گی۔'' اب یہ لوگ حضرت کے پاس سے اٹھ کر امام حسینؑ کے پاس گئے اور پوری گفتگو حضرت امام حسنؑ کی بیان کی۔ آپ نے فرمایا ک سچ کہا ابو محمد حضرت امام حسنؑ نے تمہیں لازم ہے کہ ہر شخص تم میں سے خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ جائے اور بیٹھا رہے اس وقت تک کہ جب تک یہ شخص معاویہ زندہ ہے۔''

یہ آخری فقرہ درحقیقت بڑا دور رس تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ معاہدہ کی پابندی نہیں ہوگی اور آپ جانتے تھے کہ یہ معاہدہ موت کی آخری ہچکی اس وقت لے گا جب معاویہ دنیا سے جانے لگیں گے اور اپنے بعد جانشین نامزد کر جائیں گے۔ وہ وقت ہوگا جب ہماری جانب سے کوئی دوسرا اقدام کیا جائے۔ آئندہ چل کر دنیا کو حسینؑ کے تدبر

کی داد دینا پڑے گی جنہوں نے بیس برس پہلے یعنی ۴۱ھ کے آئینہ میں ۶۰ھ کی تصویر اپنی آنکھ سے دیکھ لی اور امام حسینؓ کی پیش بینی آئندہ چل کر حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔

اس معاہدہ کے بعد اب بنی امیہ کی قوت بہت مستحکم ہوگئی تھی۔ ان کے راستے میں جو ایک مشکل تھی وہ بالکل دور ہوگئی تھی۔ اور انہیں اپنی اسکیم کے پورا کرنے کا پورا موقع مل گیا تھا۔ چنانچہ جتنی شرطیں طے ہوئی تھیں سب کی مخالفت کی گئی اور کسی ایک پر بھی عمل نہ ہوا۔

پہلی شرط یہ تھی کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل ہوگا۔ یہ شرط مسلمانوں کے کسی فرقہ کے نزدیک بھی پوری نہیں ہوئی۔ شیعوں کا عقیدہ تو اس بارے میں ظاہر ہے اور اہلسنت کا نقطہ نظر سے حضرت رسول اللہؐ کی وفات کے بعد تیس برس تک خلافت راشدہ رہی ہے اور یہ تیس برس کی مدت ختم ہو جاتی ہے حضرت امام حسنؑ کی صلح پر۔ اس کے بعد ملوکیت و جہانبانی اور دنیا داری ہے' خلافت راشدہ نہیں ہے۔ اگر یہ شرط پوری ہوئی ہوتی کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل ہو تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ معاویہ کی حکومت خلافت راشدہ کے حدود سے خارج ہوتی۔ عمر بن عبدالعزیز تک کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا زمانہ خلافت راشدہ سے ملتا جلتا ہے مگر فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس میں شمار نہیں ہوا۔ مگر معاویہ کے دور حکومت کے متعلق کسی نے یہ رائے ظاہر نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک اس شرط پر عمل نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ واقعات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

خلاف ورزی کی چند اہم مثالیں

ان میں سے ایک بات تھی سیاسی مصالح کی بناء پر زیاد بن سمیہ کو اپنے باپ کا ناجائز فرزند بنا کر اپنا بھائی قرار دینا حالانکہ اسلام میں ناجائز فرزند کو نسب میں شریک نہیں کیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ زیاد پہلے زیاد بن عبید کہلاتا تھا کیونکہ اس کی ماں سمیہ ایک ثقفی قبیلہ والے شخص کے غلام عبید کی زوجیت میں تھی اور یہ خود حارث بن کلدہ کی کنیز تھی۔ حارث نے اس کو آزاد کر دیا تب اس کے یہاں زیاد پیدا ہوا اور اس لیے زیاد غلامی سے خارج رہا اور زیادہ بڑا سمجھدار و ذہین اور عقلمند ثابت ہوا۔ مغیرہ بن شعبہ جب خلیفہ دوم کی طرف سے بصرہ کے حاکم ہوئے تو وہ زیاد کو اپنے ساتھ بصرہ لے گئے اور وہاں سے اسے لکھنا پڑھنا سکھلایا۔ جب حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ خلیفہ ہوئے تو آپ نے زیاد کو سرزمین فارس کا گورنر بنایا۔ آپ کی شہادت کے بعد معاویہ نے زیاد کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس پر زیاد نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ جگر خوارہ کا لڑکا اور نفاق کا مرکز اور دشمنان اسلام کا سردار مجھے ڈرانا چاہتا ہے؟ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رسولؐ کے چچازاد بھائی ابن عباس اور حسنؑ ابن علیؑ نوے ہزار اپنے شیعوں کی فوج لیے ہوئے موجود ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس نے ادھر کا رخ کیا تو وہ دیکھے گا کہ میں تلوار لیے ہوئے سامنے موجود ہوں گا اور بڑی شدید جنگ کروں گا۔ معاویہ کو معلوم ہو گیا کہ اس شخص کو دھمکیوں سے متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ جب امام حسنؑ نے صلح فرمائی اور معاویہ کی سلطنت مضبوط ہو گئی تو زیاد اصطخر میں قلعہ بند ہو گیا۔

معاویہ نے اسے امان نامہ لکھا کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ جو کچھ تم کہو گے وہ میں تمہیں دوں گا چنانچہ زیاد معاویہ کے پاس آیا اور معاویہ کی بارگاہ میں اس کا اثر

رسوخ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۴۴ھ میں معاویہ نے اسے اپنا بھائی ظاہر کیا ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے اصلی باپ کا پتہ نہ ہو اور ہو بھی ایک غلام سے وہ ایک دم شہنشاہ وقت کا بھائی بن جائے اس سے بڑھ کر اس کی عزت کیا ہو سکتی ہے۔ معاویہ نے کہا' یہ میرے باپ ابوسفیان کے نطفہ سے ہے اور اس کی گواہی ابومریم سلولی نے جو قبل اسلام طائف میں شراب بیچتا تھا نے دی۔ اس نے کہا کہ ابوسفیان میرے شراب خانہ میں آیا اور مجھ سے ایک اس قسم کی عورت کو بلا دینے کو کہا جو اس رات اس کی دلچسپی کا باعث ہو۔ میں نے سمیہ کو اس کے پاس بلا دیا اور اس طرح ابوسفیان اور سمیہ میں تعلقات ناجائز پیدا ہوئے اور ان تعلقات سے زیاد کی ولادت ہوئی۔ ایک شخص نے قبیلہ بنی مصطلق میں سے جس کا نام یزید تھا گواہی دی کہ میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا تھا کہ زیاد میرے نطفہ سے ہے۔ حالانکہ پہلے زیاد نے کوفہ میں آ کر وہاں کے لوگوں سے یہ خواہش کی تھی کہ تم معاویہ کے ساتھ میری قرابت کے لیے گواہی دے دو۔ ان سب نے انکار کیا کہ ہم جھوٹی گواہی نہ دیں گے۔ یہاں سے مایوس ہو کر وہ بصرہ گیا اور وہاں ایک شخص گواہی دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس ثبوت کو کافی سمجھا گیا اور زیاد معاویہ کا بھائی قرار پا گئے۔

اس بات سے مسلمانوں میں اور بالخصوص صحابہ کے طبقہ میں بڑی نفرت پیدا ہوئی کیونکہ پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد متواتر طور پر سب کو معلوم تھا کہ ''الولد للفراش والعاهر الحجر '' یعنی'' بچہ اصلی شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور زانی کے لیے بس پتھر ہیں۔'' مگر اقتدار حکومت کے کان عوام کی چیخ پکار سننے سے بالاتر ہوتے ہیں۔ انہوں نے کوئی پروا نہیں کی۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس ذریعہ سے انہوں نے زیاد اور اس کی اولاد کو ہمیشہ کے لیے خرید لیا۔

چنانچہ جب زیاد کا ذرا سر اٹھانے کا اندیشہ پیدا ہوتا تو احسان یاد دلا کر اس کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا جاتا تھا جیسا کہ ایک مرتبہ جب کہ زیاد بہت سے تحائف لے کر معاویہ کے پاس آیا جن میں جواہرات کا ایک نہایت نفیس گلوبند بھی تھا اور معاویہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تو زیاد نے بطور فخر کہنا شروع کیا۔ حضور دیکھیے میں نے آپ کے لیے کس طرح عراق کو پامال کر دیا ہے اور کس طرح وہاں کے چپے چپے پر آپ کا تسلط قائم کر دیا ہے اور وہاں کی ہر لذت و نعمت آپ کے قدموں پر لا کر ڈال دی ہے۔ یہ سن کر معاویہ ابھی کہنے نہ پائے تھے کہ یزید بول اٹھا۔ تم نے یہ سب کچھ کیا تو کیا کمال کیا ہم نے جو تم کو قبیلہ ثقیف کی غلامی سے نکال کر قریشی ہونے کی عزت دے دی اور عبید کی فرزندی کے بجائے ابوسفیان کی فرزندی کا شرف عطا کر دیا اور دفتر میں قلم کی گھس گھس سے اونچا کر کے منبروں کی بلندی نصیب کر دی۔

ظاہر ہے کہ یزید ایسے نوعمر کی زبان سے زیاد ایسے سن رسیدہ کا ان الفاظ کو سن کر خاموش ہونا اس احساس کمتری کا نتیجہ تھا جو نسبی اعتبار سے اس میں موجود تھی۔ پھر اس صورت میں زیاد کی نسل اب بھی معاویہ یا ان کے بعد یزید کے مقابلہ میں سرتابی کرنے کی کہاں ہمت رکھ سکتی تھی۔ یہ دوررس اثر تھا اس سیاسی اقدام کو جو زیادہ بھائی بنا کر کیا گیا تھا۔ چاہے شریعت اس پر کتنی بھی سرزنش کا مستحق قرار دیتی ہو۔

دوسرا واقعہ: ایک شخص تھے حتات بن زید بن علقمہ تمیمی دارمی۔ حضرت رسول خداؐ نے ان میں اور معاویہ میں مواخات قرار دی تھی، ویسی ہی مواخات جیسی ایک مرتبہ مہاجرین میں اور ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار میں کی گئی تھی۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اس مواخات سے نسبی احکام جاری نہیں ہوتے اور میراث ایک دوسرے کو نہیں ملتی۔ یہی عملدرآمد متفقہ طور پر ثابت تھا کہ ہر ایک کی میراث اس کے نسبی ورثا کو پہنچے۔ اس مذہبی

بھائی کو نہیں جو مواخات کے ذریعہ سے بھائی قرار دیا گیا ہے۔ مگر اتفاق کی بات کہ حتات، معاویہ کے پاس آئے ہوئے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا تو معاویہ نے ان کی میراث پر قبضہ کر لیا۔ یہ کہہ کر کہ یہ میرا بھائی ہے۔ اس پر بھی مسلمانوں میں شور ہوا یہاں تک کہ فرزدق نے اس بارے میں شعر بھی کہے۔

ابوک و عمی یا معاوی اورثا	تراثا فیحتاز التراث اقاربه
فما بال میراث الحتات اکلته	ومیراث مخرجا مدلک ذائبه
فلو کان هذا الامر فی جاهلیة	علمت من المرٔ القلیل خلائبه
ولو کان فی دین سوی ذا	لنا حقا اوغد بالماء شاربه

(یعنی) ''تمہارے باپ نے اور میرے چچا نے اے معاویہ میراث چھوڑی تو اصول یہی رہا کہ میراث قرابتداروں کو دی جائے۔ پھر کیا بات ہے کہ حتات کی میراث تو تم نے لے لیا اور ابوسفیان کی میراث تمہاری ہی ملکیت قرار پائی۔ بس یہ معاملہ اگر زمانہ جاہلیت کی رسم میں داخل ہیں تو ہمیں اس کا علم ہونا چاہیے اور اگر یہ اس کے علاوہ کسی اور دین میں ہے جس کی ایجاد تم نے کی ہے تو ہمیں بھی ہمارا حق ملنا چاہیے نہیں تو یہ تمہیں ہضم نہیں ہو سکتا۔''

مگر تاریخ نہیں بتاتی کہ معاویہ نے اس مال کو کبھی واپس کیا ہو یا حتات کے ورثاء کو اس کا معاوضہ دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں خلاف شریعت رواج پا رہی تھیں۔ مثلاً معاویہ نے زکوٰۃ فطرہ کے متعلق کہا' ہماری رائے میں زکوٰۃ فطرہ دو مد سمراء شام ہیں یعنی شام کے گیہوں دو مد ابوسعید خدری نے فرمایا یہ معاویہ کی مقرر کردہ مقدار ہے۔ ہم اس پر عمل نہیں کرتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں۔ ہم عہد رسولؐ

میں ہر ایک چھوٹے بڑے اور غلام و آزاد کی طرف سے زکوۃ فطرہ ایک صاع گندم' ایک صاع پنیر یا جو یا کھجور یا منقیٰ' اسی طرح نکالتے رہے یہاں تک کہ جب معاویہ حج کے لیے آئے تو انہوں نے کہا ہماری رائے میں دو مد گندم شام زکوۃ فطرہ ہے ابوسعید خدری کا قول ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں کبھی معاویہ کے اس کہنے کے مطابق عمل نہ کروں گا۔ ابن زبیر نے معاویہ کی اس رائے کو سن کر کہا۔ "بئس الاسم الفسوق بعد الایمان" یعنی ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت برا ہے۔ مقدار زکوۃ تو بس صاع ہی ہے۔

مقدام بن معدی کرب کی گفتگو جو معاویہ سے ہوئی ہے اس میں انہوں نے کہا' تمہیں خدا کی قسم بتاؤ' کیا رسولؐ نے نہیں فرمایا کہ سونا پہننا حرام ہے۔ معاویہ نے کہا صحیح ہے۔ پھر مقدام نے کہا' کیا آنحضرتؐ نے درندہ جانوروں کی کھال پر بیٹھنا اور ان کا پہننا ممنوع قرار نہیں دیا تھا؟ معاویہ نے کہا' ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ مقدام نے کہا' پھر کیا بات ہے کہ میں یہ سب چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں؟ اس کے علاوہ شریعت اسلام کا حکم ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کے وقت روبقبلہ یا پشت بقبلہ بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری جب شام میں پہنچے تو تمام پاخانہ کے مکانات کو روبقبلہ پایا۔ انہوں نے استغفار پڑھ کر منہ پھیر لیا۔

عرفہ کے روز حج میں تلبیہ کہنا "لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک" الخ ضروری اور لازمی شعائر حج میں سے ہے۔ رسول کریمؐ اور اصحاب برابر کہتے چلے آئے مگر اس نیک کام کو معاویہ ترک کرتے ہیں اور لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے سعید سے عرفہ کے روز پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا کہ لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔

یہ سن کر ابن عباس اپنے خیمہ سے نکلے اور پکارے "لبیک اللّٰھم لبیک" اور کہا کہ معاویہ کا برا ہو۔ ان لوگوں نے علیؑ کی عداوت میں اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔ اس طرح تین روایتیں کنز العمال میں درج ہیں، جن میں ابن عباس نے بد دعا دی ہے اس بات پر کہ عرفہ کے روز تلبیہ کہنے سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ علیؑ عرفہ کے روز تلبیہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے یہ کد اور ضد بہت سے سنن و احکام میں ترمیم کا باعث ہوگئی۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے کہنے پر زور دیتے تھے۔ اس لیے بنی امیہ کو اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے بلند آواز میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت پر زور دیا صرف اس لئے کہ حضرت علیؑ کے آثار باقی نہ رہیں۔

مدینہ میں معاویہ نے لوگوں کو نماز عشاء با جماعت پڑھائی تو نہ بسم اللہ پڑھی اور نہ بعض تکبیریں کہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جماعت مہاجرین و انصار نے شور مچایا کہ تم نے نماز میں عمداً چوری کی ہے یا بھول گئے ہو؟ بسم اللہ اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیریں کہاں گئیں؟ مگر معاویہ نے کوئی اعتنا نہیں کی اور اس نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ہی بخاری اور مسلم دونوں کے یہاں یہ روایت موجود ہے کہ عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی اور ختم نماز کے بعد کہا کہ انہوں نے ہم کو وہ نماز یاد دلائی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر ذکر کیا کہ علیؑ جب سجدہ سے اٹھتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو تکبیر کہتے تھے۔

نیز مطرف بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے علیؑ بن ابی طالبؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب علیؑ سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے تھے اور جب سجدہ

سے سر اٹھاتے تھے تو بھی تکبیر کہتے تھے اور جب دو رکعتوں کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے تھے۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا' بے شک انہوں نے ہم کو حضرت رسولؐ کی نماز یاد دلا دی یا یہ الفاظ کہے کہ انہوں نے ہم کو حضرت محمد مصطفیٰؐ والی نماز پڑھائی ان ہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ اصحاب رسولؐ روتے تھے اور افسوس کرتے تھے چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ ایک روز ابوالدرداء غصہ میں بھرے گھر میں آئے۔ سبب دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ میں ان لوگوں میں امت محمدؐ ہونے کی نشانی نہیں پاتا۔ سوا اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔ امام مالک نے روایت کی ہے کہ جو باتیں ہم پہلے پاتے تھے ان میں۔ انس بن مالک کے پاس دمشق گیا تو ان کو روتے پایا۔ سبب پوچھا تو انس نے کہا جو باتیں میں نے عہد رسول اللہؐ میں دیکھی تھیں۔ اب ان میں سے سوا اس نماز کے کوئی نظر نہیں آتی اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔

امیر شام کے یہاں گانے والوں کی قدر ومنزلت ہوتی تھی سائب فاثر نے جو ایک فاسق و فاجر شخص تھا انہیں گانا سنا کر اپنی تمام حاجتیں جو لے کر آیا تھا پوری کرالیں۔

اس آغاز کا انجام اگر یزید کی شرابخواری اور رقص و سرور کے ساتھ فریفتگی کی شکل میں ظاہر ہو تو تاریخ کی طبیعی رفتار کے لحاظ سے قابل تعجب نہیں ہے۔

علامہ ابن الفقیہ نے لکھا ہے کہ معاویہ نے سب سے پہلے پولیس چوکی اور پہرہ دار مقرر کیے اور خواجہ سرا بنائے اور اموال خزانہ میں جمع کر کے رکھے انہوں نے سلاطین روزگار کی طرح اپنے عمال کے ذریعہ سے نوروز اور مہرگان (ایرانی تہوار) کے تحائف وصول کیے جن کی مقدار ایک کروڑ درہم سالانہ تک پہنچی۔

مذکورہ بالا واقعات میں سے ممکن ہے کہ بعض حیرت میں ڈالنے والے ہوں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ تاریخ میں اس سے زیادہ حیرت انگیز باتیں بھی درج ہیں جن کو دیکھ

کر ہر انسان یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ابوسفیان کی اولاد کو بنی ہاشم سے موروثی عداوت جو تھی اس کی بنا پر وہ ان کی ہر سنت، ہر رسم اور ہر طریقہ کو فنا کر دینا چاہتے تھے بلکہ سرے سے اسلام ہی کو نسیت و نابود کر دینے کے در پے تھے۔ صرف مجبوری یہ تھی کہ ان کی حکومت اسلام کی بناء پر تھی اس لیے انہیں پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کا انکار ممکن نہ تھا لیکن پھر بھی حضرت کی عظمت کے احساس اور اس کے اثرات کے قائم رکھنے کا کوئی جوش و ولولہ نہ رکھتے تھے۔ اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ معاویہ کو شوق پیدا ہوا ایک بڑے معمر آدمی سے ملاقات کا جو گزشتہ زمانہ کے حالات بیان کرے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرموت میں ایک شخص ہے جس کی تین سو ساٹھ برس کی عمر ہے۔ معاویہ نے اس کے پاس آدمی بھیجے اور اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابد بن ابد۔ معاویہ نے اس سے عبدالمطلب اور امیہ وغیرہ کے حالات پوچھے۔ پھر کہا تم نے محمدؐ کو بھی دیکھا ہے؟ اسے ایک مسلمان کی زبان سے حضرت کا نام نامی اس طرح سن کر حیرت ہوئی اور اس نے کہا ''ومن محمد'' یعنی محمد کون؟ انہوں نے کہا۔ ''وہی رسول اللہؐ'' اس نے کہا۔ پھر تم نے پہلے ہی ان کا نام اس شان کے ساتھ کیوں نہ لیا؟ جس کا خدا نے انہیں مستحق قرار دیا ہے۔ یہ کیوں نہیں کہا تم نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے؟

اس سے زیادہ اور انتہائی حیرت خیز یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا گیا اور ان کو سزا تو درکنار معمولی سی تنبیہ بھی نہیں کی گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عمرو بن عاص ایک دفعہ اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دارالخلافہ شام میں ملاقات کے لیے آئے یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو بن عاص، معاویہ سے کچھ برسر پرخاش تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اسے خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ بات

کرنا۔اس کی وجہ سے تمہاری ہیبت اس کے دل پر قائم ہو جائے گی۔معاویہ کو جب ان لوگوں کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنی ذہانت سے عمرو عاص کی سازش کو تاڑ گئے اور دربانوں سے کہا میرا خیال ہے کہ نابغہ کے لڑکے عمرو عاص نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا۔لہٰذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا۔یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ ان کی جان کی خیر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا اور وہ یوں آداب بجالایا کہ ''**السلام علیک یا رسول اللّٰہ**'' بس پھر کیا تھا سب نے اس کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا۔

مثل مشہور ہے۔**الناس علی دین ملوکھم** ''لوگ بادشاہوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔'' جب حکومت کی یہ روش ہو تو عام افراد کی نظر میں رسولؐ اور شریعت رسولؐ کی کیا عزت باقی رہ سکتی ہے۔جب لوگ دیکھ رہے ہوں کہ حکومت کی طرف سے مذہب کا نیلام کرایا جاتا ہے اور تھوڑے سے سکون کے عوض دین و مذہب کی خریداری ہوتی ہے تو لوگوں کی نگاہ میں مذہب کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ حتات مجاشعی' جاریہ بن قدامہ' احنف بن قیس اور جون بن قتادہ چاروں آدمی معاویہ کے پاس آئے۔معاویہ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم دیے مگر حتات کو ستر ہزار درہم دیے۔حتات کو جب اس کا علم ہوا تو معاویہ سے آکر اس کی شکایت کی۔معاویہ نے کہا کہ ان لوگوں سے میں نے ان کا دین خرید کیا ہے۔حتات نے پھر کہا' پھر مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجیے۔

اب جو ذرا بھی خدا ترس مسلمان تھے وہ زندگی سے عاجز آگئے تھے۔چنانچہ حکم بن عمرو غفاری نے جو یمن و خراسان کے حاکم بنائے گئے تھے جب ۵۰ھ میں ایک جنگ

کے بعد اموال غنیمت حاصل کیے اور یہ حکم نامہ پہنچا کہ لوٹ کے مال کو سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے تمام نقد و جنس خزانہ سرکاری میں بھیج دیا جائے تو انہوں نے ہمت کر کے یہ جواب لکھ دیا کہ یہ حکم قرآن کے بالکل خلاف ہے اس لیے میں عمل کرنے سے قاصر ہوں۔ مگر اس کے بعد اتنا خوف ہوا کہ خدا سے دعا کی۔ بار الہا اب مجھے زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ میری روح قبض فرمالے۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

آثار بنی ہاشم کے مٹانے کی سعی تعمیری یادگاروں تک بھی پہنچی۔ چنانچہ جب معاویہ نے حج کیا تو واپسی میں مدینہ بھی گئے اور منبر رسولؐ کو اس کی جگہ سے حرکت دی۔ چاہتے تھے کہ اسے شام لے جائیں اسی وقت سورج کو گرہن ہوا۔ جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا' معاویہ نے رسول اللہؐ کے شہر اور ان کے دار الہجرت میں بڑا حادثہ رونما کیا۔ ضرور یہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ اسی سال معاویہ لقوہ میں مبتلا ہوئے۔

یہ ۵۰ھ کا واقعہ ہے۔ منبر کو جنبش دیتے ہی سورج میں گرہن لگا ایسا کہ تارے نظر آنے لگے۔ اہل مدینہ میں اس سے اتنا ہیجان پیدا ہوا کہ معاویہ کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور کہا کہ میں نے تو منبر ہٹا کر صرف یہ دیکھنا چاہا تھا کہ اسے دیمک تو نہیں لگی ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ جو دشمنی تھی وہ بھی آپ کی ذات سے خصومت کی بناء پر نہ تھی بلکہ صرف اس لیے کہ آپ بنی ہاشم کے چشم و چراغ اور اصول اسلام کے علمبردار تھے۔ اس لیے سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ملک میں آپ کے خلاف نفرت پیدا کرائی جائے۔ قتل عثمان کا الزام بھی فقط اس سیاست کے پورا کرنے کا ایک بہانہ تھا چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے۔ مروان بن الحکم کی زبانی منقول ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی شخص علیؑ سے زیادہ عثمان کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ کسی نے کہا کہ پھر تم لوگ منبروں پر انہیں گالیاں کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا بغیر اس کے ہمارا اقتدار قائم نہیں ہو سکتا۔

پھر جب کہ صلحنامہ کی بنیاد یعنی کتاب اور سنت کی موافقت والی شرط کا یہ انجام ہوا تو دوسری شرطوں کا نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ دوسری شرط یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا' اس کے انجام کا آئندہ تفصیل سے بیان ہوگا۔

تیسری شرط یہ تھی کہ شام وعراق وحجاز ویمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہو گی۔ اس کا انجام بہت دردناک ہے۔ عراق میں زیاد بن سمیہ کے ہاتھوں جو خونریزیاں ہوئیں وہ صفحۂ تاریخ پر نمایاں حروف میں درج ہیں۔ اس شخص کے خصوصیات میں لکھا ہے کہ وہ جرم سے پہلے سزا دیتا' بدگمانی کی بنا پر بلا تحقیق وتفتیش قید کر دیتا اور شبہ پر ایذا رسانی کرتا تھا۔ انسان کی جان کا لینا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھا۔ اس کا ایک عجیب نمونہ اس واقعہ میں ہے کہ اس نے یہ عام حکم دے دیا تھا کہ جو نصف شب کے قریب گلی کوچہ میں نظر آئے اس کو قتل کر دیا جائے۔ ایک رات ایک دیہاتی عرب کو گرفتار کیا گیا اور اسے زیاد کے پاس لائے۔ اس نے اپنی صفائی پیش کی کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں۔ دیہات سے آج ہی آیا ہوں اور مجھے آپ کے اس حکم کی اطلاع نہیں تھی۔ زیاد نے کہا کہ واللہ میرے خیال میں تو سچ کہہ رہا ہے اور بے خطا ہے مگر تیرے قتل کر دینے میں عامہ خلائق کے لیے بہتری ہے چنانچہ فوراً اسے قتل کر دیا گیا۔

زیاد کے بعد بصرہ میں اس کے جانشین سمرہ بن جندب کے مظالم اس سے بھی زیادہ تھے۔ ایک بار چھ مہینہ کی مدت میں آٹھ ہزار آدمی اس نے تہ تیغ کیے۔ ابو سوار عددی کا بیان ہے کہ سمرہ نے میری قوم میں سے ایک دن میں ۴۷ آدمی قتل کیے جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔

ایک دن سمرہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکلا۔ بنی اسد کے مکانوں کے قریب ایک شخص اس قبیلہ کا کسی ضرورت سے ایک گلی میں سے نکلا۔ لشکر کے آگے آگے

کے سواروں میں سے ایک نے اسے دیکھتے ہی اپنے حربہ سے حملہ کر دیا اور وہ گر کر خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ سمرہ بن جندب اس کی لاش پر سے گزرا اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ جب ہماری سواری گزرا کرے تو ہمارے نیزوں سے بچتے رہا کرو۔

مسلم عجلی کا بیان ہے کہ ایک شخص سمرہ کے پاس آیا اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی۔ پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھنا شروع کی۔ اتنی دیر میں ایک شخص آیا اور اس کی گردن اڑا دی۔ اس طرح کہ مسجد میں ایک طرف اس کا سر کٹ کر جا گرا اور دوسری طرف بدن۔

ایک دوسرے موقع پر مشاہدہ بیان کیا ہے کہ بہت سے آدمی اس طرح قتل کیے گئے کہ ان سے شہادتین کا اقرار لیا جاتا تھا۔ وہ توحید اور رسالت کا اقرار کرتے تھے اور خوارج سے برآت کا اعلان کرتے تھے اور پھر اس کے بعد ان کا سر قلم کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ سب کچھ امیر شام معاویہ کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا۔ چنانچہ جب عرصہ کے بعد معاویہ نے سمرہ کو معزول کیا تو اس نے کہا' خدا غارت کرے معاویہ کو۔ اگر میں نے اللہ کی اتنی اطاعت کی ہوتی جتنی معاویہ کی اطاعت انجام دی تو وہ کبھی مجھ کو عذاب نہ کرتا۔

چوتھی شرط یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعوں کے جان و مال و ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے اس شرط پر قطعی عمل نہیں ہوا۔

عراق میں شیعیان علیؑ پر جتنے مظالم ہوئے ان میں سب سے ہلکی بات یہ تھی کہ ان کو کوفہ سے جلاوطنی پر مجبور کیا جاتا تھا اور ان کی جگہ معاویہ کے طرفداروں کو لا کر بسایا جاتا تھا۔

کوفہ اور بصرہ دونوں جگہ کے شیعوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ان میں سے اکثر کو شام کے مقام قنسرین میں جو بالکل غیر آباد تھا لے جا کر فوجی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔

حجر بن عدی اور ان کے ساتھی شام میں بلوا کر قتل کر دیے گئے حالانکہ وہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اپنے معاہدہ پر قائم ہیں اور باغی نہیں ہیں۔ مگران کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ محبّ اہلبیتؑ تھے اس لیے ان کے واسطے نہ حلم میں گنجائش تھی نہ رحم وکرم ان پر نگاہ ڈالنے کی اجازت دیتا تھا۔ صفی بن فسیل شیبانی جو انہیں میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ زیاد کے پاس لائے گئے تو زیاد نے پوچھا کہ تم حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ کہا بہترین رائے جو اللہ کے بندگان مومنین میں سے کسی کے بارے میں رکھی جا سکتی ہے۔ زیاد نے حکم دیا کہ اسے لکڑی سے پیٹو' اتنا کہ زمین سے لگ جائے۔ چنانچہ انہیں اتنی ہی شدت سے زدوکوب کیا گیا۔ زیاد نے کہا بس کرو۔ پھر پوچھا' ہاں اب بتاؤ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا بخدا اگر استروں اور چھریوں سے میری بوٹیاں کاٹ ڈالو تب بھی وہی کہوں گا جو پہلے سن چکے ہو۔ کہا تجھ کو ان پر لعنت کرنا ہوگی ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ صفی نے کہا تو پھر پہلے گردن اڑا ہی کیوں نہ دو' مجھے اس میں کوئی عذر نہیں بلکہ میں اس سے راضی اور مطمئن ہوں۔

زیاد نے بارہ آدمیوں کو پابزنجیر شام کی طرف روانہ کیا۔

حجر بن عدی کندی' آرقم بن عبداللہ کندی' شریک بن شداد حضرمی' صیفی بن فسیل' قبضیہ بن ضبیعہ عبسی' کریم بن عفیف خشمی' عاصم بن عوف بجلی' ورقاء بن سمی بجلی' کدام بن حیات غزی' عبدالرحمن بن حسان غزی' محرز بن شہاب تمیمی' عبداللہ بن حویہ سعدی۔

عتبہ بن اخنس سعدی اور سعد بن نمران ہمدانی' ان دو آدمیوں کو زیاد نے بعد میں بھیجا جس کے بعد ان کی تعداد چودہ ہوگئی۔

ان میں سے سات آدمی مختلف لوگوں کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے اور چھ آدمیوں کو مقام مرج عذرا میں تہ تیغ کیا گیا۔

اس شخص عبدالرحمٰن بن حسان غزی کے لیے معاویہ کو خود اپنی بے رحمی ناکافی محسوس ہوئی اور ان کو پھر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس انتباہ کے ساتھ کہ یہ ان تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ شیعیت میں سخت ہے۔ تم اس کے ساتھ بد سے بدتر طریقہ جو اختیار کر سکو اس طرح انہیں قتل کرو چنانچہ زیاد کے حکم سے انہیں زندہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔

حجر بن عدی ان میں سے تھے جو مرج عذرا میں قتل کیے گئے۔ ان کو عالم اسلام میں کتنی ہردلعزیزی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ان کے قتل کی اطلاع ام المومنین حضرت عائشہ کو پہنچی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کو حسب ذیل پیغام کے ساتھ معاویہ کے پاس روانہ کیا ''**اللّٰہ اللّٰہ فی حجر و اصحابہ**'' یعنی حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرنا' مگر افسوس ہے کہ عبدالرحمٰن اس وقت پہنچے جب حجر اپنے ساتھیوں سمیت قتل ہو چکے تھے۔ عبدالرحمٰن نے معاویہ سے کہا آپ نے ان کو جیل خانہ میں ہی ڈال دیا ہوتا اور وبا و طاعون سے ہلاک ہو جانے دیا ہوتا معاویہ نے طنزیہ طور پر جواب دیا کہ تمہارے ایسا کوئی مشورہ دینے والا موجود نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا اب بخدا عرب میں نہ تو آپ کے حکم کا کوئی ذکر ہوگا اور نہ آپ کی اصابت رائے قابل تسلیم رہی۔ آپ نے ایسے آدمیوں کو قتل کیا جن کو قید کر کے آپ کے پاس بھیجا گیا تھا اور وہ مسلمان تھے۔

عائشہ کو اس حادثہ کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے کہا ''اگر معاویہ کو احساس ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرآت و ہمت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کر کے شام بلوانے اور قتل کرنے کی جرآت نہ کرتا۔ لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ آدمی فنا ہو چکے ہیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ اپنی علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے لحاظ سے عرب کے سردار دماغ سمجھے جاسکتے تھے۔ لبیلہ شاعر نے کیا خوب نظم کیا ہے اپنے دوشعروں میں معاویہ

کے مظالم کو۔ مضمون یہ ہے کہ گذر گئے وہ لوگ جن کے پناہ میں زندگی بسر کی جاسکتی تھی اور رہ گیا ہوں میں ایسے بے دینوں (افراد) میں جو خارشی اونٹ کی کھال کے مثل ہیں۔ نہ تو ان سے کوئی فائدہ ہے اور نہ ان سے کسی اچھائی کی توقع ہے جب وہ بات کرتے ہیں تو عیوب سے مملو ہوتی ہے چاہے وہ شور وغل برپا نہ کریں۔

جب معاویہ مدینہ رسولؐ میں آئے اور ام المومنین عائشہ کے پاس سلام کے لیے حاضر ہوئے تو سب سے پہلی بات جو جناب عائشہ نے پیش کی وہ حجر کا معاملہ تھا اور اس گفتگو میں یہاں تک طول ہوا کہ معاویہ نے کہا۔ اچھا پھر چھوڑ دیجئے' مجھے اور حجر کو خدا کے ہاں دیکھا جائے گا۔

عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے کہ بازار میں تھے۔ ان کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو وہ بے چین ہو گئے۔ اور کھڑے ہو کر چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

حسن بصری کو جب حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو پوچھا کہ کیا ان پر نماز جنازہ پڑھ گئی؟ کفن دیا گیا؟ اور دفن کیا گیا اور قبلہ رخ لاش رکھی گئی؟ معلوم ہوا کہ سب کچھ کیا گیا۔ حسنؒ نے کہا تو پھر بخدا حجت ان کی تمام ہوگئی۔

مطلب یہ تھا کہ لاشوں کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل ان کے مسلمان سمجھے جانے کا ثبوت ہے تو ان کا خون مباح کیونکر ہوسکتا ہے؟

ربیع بن زیاد حارثی سے جو خراسان کے حاکم تھے حجر بن عدی کے قتل ہونے اور مسلمانوں کی بے حسی کا تذکرہ کیا اور پھر جمعہ کے دن مسجد میں آکر حاضرین سے کہا۔ ایہا الناس میں زندگی سے عاجز ہو چکا ہوں۔ اب میں ایک دعا مانگتا ہوں' تم سب آمین کہنا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھائے اور کہا۔ خداوندا اگر ربیع کے لیے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح قبض فرمالے۔ اس کے بعد مسجد سے باہر نکلے' کچھ دور نہ گئے تھے کہ زمین

پر گرے اور انتقال کیا۔

خود معاویہ کو بعد میں حجر کے بے گناہ قتل کرنے کے جرم کا احساس پیدا ہو گیا تھا چنانچہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور تکلیف زیادہ ہوئی تو ایک روز عبداللہ بن یزید اسدی ان کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بہت مضطرب ہیں۔ اس نے خوشامدانہ لب ولہجہ میں کہا آپ کو اضطراب کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مر گئے تو جنت میں پہنچے اور اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے جہاں پناہ رہے۔ معاویہ نے کہا۔ ''خدا رحمت نازل کرے تمہارے والد پر' وہ مجھے حجر بن عدی کے قتل سے منع کرتے تھے۔'' محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب معاویہ کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے کہا۔ یومی منک یا حجر یوم طویل. یعنی ''اے حجر تمہارے قتل سے مجھے طویل روز کا سامنا ہو گا حزن ومشقت کا زمانہ طولانی ہوتا ہے لہٰذا اس سے مقصود یہ ہے کہ مجھے اس قتل کے سبب سے روز قیامت بڑی تکلیف وزحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عمرو بن الحمق الخزاعی ایک بزرگ تھے جن کو حضرت محمدؐ نے سلام کہلوایا تھا اور اس لیے بہت بلند مرتبہ انسان سمجھے جاتے تھے۔ ان کی گرفتاری کا حکم ہوا اور معاویہ کی خصوصی ہدایت کے مطابق ان پر نو وار نیزے کئے گئے۔ حالانکہ پہلے یا دوسرے ہی زخم میں وہ جان بحق ہو چکے تھے۔

تاریخ کی تصریح کے مطابق سب سے پہلا سر جو اسلام میں نیزہ کی نوک پر بلند کیا گیا' وہ ان کا سر تھا۔

ان واقعات سے شیعیان علیؑ میں تلاطم برپا ہو گیا اور حضرت امام حسینؑ پر بھی سخت اثر ہوا چنانچہ دینوری نے لکھا ہے کہ جب حجر بن عدی اور ان کے اصحاب قتل ہو گئے تو اہل کوفہ نے اس کو بڑی ناگوار مصیبت سمجھا اور کچھ لوگ اشراف اہل کوفہ میں سے حضرت

امام حسینؑ کے پاس گئے اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے کہا۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اور یہ واقعہ آپ کو بہت شاق ہوا۔ تاہم آپ نے اس واقعہ پر ایک دم کوئی انتہائی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھا بلکہ آئندہ حالات کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتے رہے۔ بے شک جب معاویہ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ امام حسینؑ کے پاس شکایت لے گئے ہیں اور آپ نے ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے تو انہیں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں آپ مخالفت کے لیے کھڑے نہ ہو جائیں۔ اس بناء پر انہوں نے آپ کے نام تہدیدی خط لکھا۔ اس کے جواب میں اب حضرت امام حسینؑ خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ آپ نے ایک ایک کر کے امیر شام کو جو خلاف ورزیاں معاہدہ کے متعلق تھیں وہ گنوائیں اور خصوصیت کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو آپ نے موثر الفاظ میں پیش کیا اور اس پر سخت احتجاج فرمایا۔ جس کا ذکر آئے گا۔

پانچویں شرط یہ تھی کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ یا کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں سے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی جائے گی۔ نہ خفیہ نہ علانیہ۔ اس شرط کی بھی صریح خلاف ورزی کی گئی حالانکہ اس صلح کے بعد یہ حضرات ملکی اور سیاسی امور سے بالکل بے تعلق رہے مگر اس کے بعد بھی امام حسنؑ بنی امیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں رہے۔ اس کی مختلف صورتیں تھی۔ پہلے غلط پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات جن سے ان کی رفعت مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ خاندان پیغمبرؐ کے ان مقدس افراد کی زندگی اتنی پاک ہے کہ ان کے خلاف ایسا الزام جو کھلا ہوا اصول شریعت کے خلاف ہو عائد کرنا کسی طرح مفید نہ ہوگا اور وہ ہرگز مسلمانوں کی جماعت میں باور نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس طرح کے الزامات لگائے جو شرع کے حدود کے اندر تو ہوں مگر عام نگاہوں میں کچھ اچھی حیثیت سے دیکھے نہ جاتے ہوں۔ مثلاً کثرت ازواج اور کثرت طلاق۔ یہ

چیز بجائے خود شرع اسلامی میں جائز ہے۔ لیکن بنی امیہ کے پروپیگنڈے نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقہ پر پیش کیا جس سے لوگ حضرت امام حسنؑ کی نسبت کچھ اچھی رائے قائم نہ کریں۔ اسی طرح دونوں بھائیوں کے اختلاف طبیعت اور اختلاف رائے کا پروپیگنڈا اور ایسی بہت سی چیزیں جو صرف اموی سیاست کی پیداوار تھیں۔

دوسرے عمال بنی امیہ اور ان کے ہواخواہوں کا حضرت امام حسنؑ سے برابر برتاؤ سخت کلامی اور دشنام طرازی سے جس سے کسی وقت مشتعل ہو کر حضرت امام حسنؑ یا بنی ہاشم میں سے دوسرے لوگ لڑنے مرنے پر تیار ہو جائیں اور اس سے ایک طرف ان پر معاہدہ کی خلاف ورزی کا بے بنیاد الزام عائد کیا جا سکے دوسرے ان کی خونریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے۔ اس کا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان بن الحکم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے ہیں۔ اس وقت کہ جب امام حسنؑ کی شہادت کے بعد آپ کا جنازہ پر مروان رو رہا تھا۔ امام حسینؑ نے فرمایا آج تم رو رہے ہو حالانکہ اس سے پہلے تم ہی ان کو غم وغصہ کے گھونٹ پلایا کرتے تھے۔'' مروان نے کہا۔ ''ٹھیک ہے مگر وہ سب میں ایسے انسان کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والا تھا۔''

مگر اس انتہائی ضبط اور تحمل کے بعد بھی امام حسنؑ کی زندگی محفوظ نہ رہ سکی۔ حکومت وقت کو جب کوئی بہانہ ان کے خلاف جور وستم کا نہ ملا تو پھر خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر بڑی مہموں کے سر کرنے میں صرف کیا جاتا رہا تھا۔ امیر شام معاویہ نے اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے اس کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور یزید کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کیا

اوراس کے ذریعہ سے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوادیا جس سے آپ کے کلیجے کے ٹکڑے ہو گئے جب آپ کی حالت دگرگوں ہوئی تو آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد حسینؑ سے تم اختلاف کرو۔ حسینؑ میرے بعد امام ہیں اور ان کی اطاعت لازم ہے۔ محمد نے نہایت خلوص کے ساتھ اقرار وفاداری کیا اور امام حسینؑ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ پھر حضرت نے امام حسینؑ کو پاس بلایا اور وصیت کی مجھے غسل و کفن کے بعد میرے جد بزرگوار رسول خداؐ کے روضہ پر لے جانا تا کہ ایک مرتبہ زیارت رسولؐ کا شرف اور حاصل ہو جائے۔ اور مجھے یقین ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے گا مزاحمت کریں گے، تو خبردار اس بارے میں ایک قطرہ خون بھی گرنے نہ پائے۔ تم مجھ کو میری دادی فاطمہ بنت اسد کی قبر کے پاس جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

۲۸ صفر ۵۰ھ کو وہ امن و صلح و سلامتی کا شہنشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ امام حسینؑ وصیت کے مطابق اپنے بھائی کو غسل کے بعد تابوت میں لٹا کر روضہ رسولؐ کی طرف لے چلے۔ بنی امیہ کو یقین ہوا کہ آپ کو وہاں دفن کریں گے۔ سب کے سب مروان کے ساتھ ہتھیار باندھ کر نکل آئے اور درمیان میں سدراہ ہوئے۔ اس وقت بنی ہاشم کو بہت زیادہ اشتعال تھا مگر امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی وصیت اور فرض کے احساس سے مجبور تھے۔ آپ فرمارہے تھے کہ خدا کی قسم اگر بھائی کی وصیت اور ان کے اصول کا پاس نہ ہوتا تو تم دیکھتے کہ کیسی اس وقت تلوار چلتی ہے۔ بہرحال حضرت امام حسنؑ کے جنازہ کو روضہ رسولؐ سے واپس لے گئے اور جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ پھر یہ خبریں بھی معلوم ہوئیں کہ امیر شام نے امام حسنؑ کی شہادت پر اظہار مسرت کیا اور طعن و تشنیع کے کلمات کہے۔ اتفاق سے اس وقت ابن عباس دمشق میں تھے۔ انہوں نے یہ الفاظ سنے تو کہا کہ خوش نہ ہو تم بھی

امام حسنؑ کے بعد عرصہ تک زندہ نہ رہو گے۔

حضرت امام حسنؑ کی شہادت بنی ہاشم کے لیے ایک سخت حادثہ تھی۔ چنانچہ اس سانحہ عظیم پر بنی ہاشم ایک مہینہ تک سوگوار رہے۔ مگر اس کے بعد بھی امام حسینؑ اسی راستے پر قائم رہے جو امام حسنؑ نے قائم کر دیا تھا اور اس طرح یہ خیال بالکل غلط ثابت ہو گیا کہ آپ کو اپنے بھائی سے اصولی اختلاف تھا۔ اور صرف ان کے دباؤ کی وجہ سے آپ اس پر قائم تھے۔ ایسا نہیں بلکہ آپ اسی راستے کو صحیح سمجھتے تھے اور اسی لیے خود صاحب اختیار ہونے کے بعد بھی اسی کو برقرار رکھا۔ حالانکہ اس وقت شیعوں میں ہیجان بھی پیدا ہوا جس کا تذکرہ تاریخ ان الفاظ میں کرتی ہے کہ جب حضرت امام حسنؑ کی شہادت ہوئی تو عراق کے شیعوں میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے امام حسینؑ کو لکھا کہ ہم لوگ معاویہ کی بیعت توڑ کر آپ سے بیعت کرنے پر تیار ہیں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں، ہم میں اور معاویہ میں معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس کا توڑنا میرے لیے صحیح نہیں ہے۔ بیشک جب معاویہ کا انتقال ہو گا تو دیکھا جائے گا۔

آپ صبر و سکون کے ساتھ تمام شرائط کی خلاف ورزی اور حکومت شام کی چیرہ دستیوں کو دیکھتے اور ان سے متاثر ہوتے رہے اور انہیں آپ نے ایک ایک کر کے اس وقت ظاہر کر دیا جب امیر شام نے آپ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک تاریخی مکتوب تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے:

''تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تم نے میرے متعلق اپنی مخالفت کے بارے میں کچھ خبریں سنی ہیں جن کی تم کو امید نہ تھی۔ تم کو جو خبریں پہنچی ہیں وہ تمہارے خوشامدی لوگوں اور چغلخوروں کی پہنچائی ہوئی ہیں۔ جو افترا و بہتان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں اس وقت تم سے مخاصمت اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اور خاموش ہوں مگر تم کو

معلوم ہونا چاہیے کہ میں اس خاموشی سے خوش نہیں ہوں اور یقیناً مجھے اس سکوت سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اس کی وجہ سے مجھ پر ناراض نہ ہو۔ یہ میری خاموشی تمہارے لیے اور تمہارے ہوا خواہوں کے لیے کبھی کوئی سند نہیں بن سکتی۔ کیوں معاویہ! کیا تم ہی نہیں ہو وہ شخص جس نے حجر کندی کو قتل کیا؟ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جس نے ایسے نماز گزاروں اور پرہیزگاروں کو قتل کیا جو ظلم و بدعت کو پسند نہ کرتے تھے اور دین کے معاملہ میں کسی شخص کی ملامت اور سرزنش کی پروانہ کرتے تھے۔ حالانکہ تم ان کے ساتھ بڑی قسمیں کھا کر پختہ وعدے کر چکے تھے اور انہوں نے نہ کوئی فتنہ ملک میں پیدا کیا تھا اور نہ تمہاری مخالفت کی تھی مگر تم نے ان کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو کہ جس نے عمر بن الحمق الخزاعی صحابی رسولؐ کو قتل کیا جو ایسا صالح اور عبادت گزار بندہ تھا کہ کثرت عبادت سے اس کا جسم گھل گیا تھا۔ بدن ڈھل گیا تھا۔ قوتیں زائل ہو گئی تھیں اور چہرہ پر زردی چھا گئی تھی۔ تم نے پہلے ان کو امان دے دی تھی اور ایسا مضبوط وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسا وعدہ کسی جانور سے بھی کیا جائے تو وہ پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر پاس آ جائے۔ پھر تم نے بڑی جسارت کے ساتھ اس عہد کو توڑ دیا اور بے جرم و خطا ان کو مار ڈالا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو جس نے زیاد بن سمیہ کو جو بنی ثقیف کے غلام عبید نامی کا بیٹا تھا اپنا بھائی، اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا۔ حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اس کا سمجھا جائے گا جو عورت کا اصلی شوہر ہو، اور زنا کار کے لیے بس پتھر ہیں اور کچھ نہیں۔ مگر تم نے اپنی مصلحت کی بنا پر رسولؐ کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو اپنا بھائی بنا کر عراقین کا حاکم بنا دیا تا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پیر قطع کرے اور ان کی آنکھوں کو گرم لوہے کی سلاخوں سے پھوڑے۔ اور درختوں کی شاخوں میں لٹکا کر مارے۔ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جسے زیاد بن سمیہ نے لکھا تھا کہ حضرمیین علیؑ کے دین پر ہیں۔ تم نے حکم دیا کہ جو لوگ علیؑ کے دین پر ہیں ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑو۔

اس نے سب کو مار ڈالا اور مثلہ بھی کیا اور تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے نفس کا' اپنے دین کا اور امتِ محمدی کا خیال کروں اور ان کو فتنہ میں نہ ڈالوں اور جماعت کی تفریق سے پرہیز کروں۔ تو میرے خیال میں کوئی فتنہ اس امت میں تمہاری خلافت وحکومت سے بڑھ کر نہیں ہے اور میں اپنے نفس' اپنے دین اور امت محمدی کے لیے کسی فائدہ کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا کہ میں ان امور میں تمہاری مزاحمت کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو بیشک قربت الٰہی کا موجب ہوگا اور اگر ترک کروں اور خاموش رہوں تو اس کے لیے خدا سے استغفار کروں گا اور اس سے رشد وصلاحیت کا طالب ہوں گا۔''

اس خط سے امام حسینؑ کے تاثرات کا پورے طور پر اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ آپ کسی اہم اقدام کے لیے اپنی ذمہ داری کو محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کی جب تک کہ معاہدہ کی آخری سانس بھی قائم سمجھی جا سکتی تھی۔

یزید کی ولی عہدی

معاویہ کے لیے ان کی زندگی کا طویل دور کم نہ تھا جس میں انہوں نے مسلمانوں کی قسمت کے مالک بن کر اپنے تمام مقاصد حل کر لئے تھے اور دنیا کی جاہ وحشمت اور مال ودولت کے خوب خوب مزے لوٹ چکے تھے' جس کا اعتراف انہوں نے ایک خاص انداز میں خود بھی کیا اور کہا کہ ہم تو دنیا میں غلطاں ہوگئے اور لوٹ لوٹ کر اس میں رہے۔ مگر انہوں نے اس پر اکتفانہ کی اور یہ چاہا کہ ان کی اولاد بھی اسی طرح بہرہ اندوز ہو۔ حالانکہ وہ معاہدہ میں یہ شرط کر چکے تھے کہ میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہ کروں گا۔ پھر بھی انہیں فکر

اس بات کی ہوئی کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنادیں مگر وہ یزید کے افعال وعادات کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو اس پر تیار کرنا بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے۔ اس لیے وہ اس کو زبان پر نہیں لاتے تھے تاہم وہ رفتہ رفتہ اس کے انتظامات مکمل کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ایسے بااثر افراد کا جو مدعی خلافت بن سکیں ختم کرنا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید جن کا اثر اس وجہ سے شام میں بڑھ گیا تھا کہ ان کے والد کے کارنامے رومیوں کے مقابلہ میں اہل شام کے زبان پر عام تھے اور اس بنا پر معاویہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں اہل شام ان کو خلیفہ نہ تسلیم کرلیں لہٰذا ان کا علاج یہ کیا گیا کہ ابن اثال کے ذریعہ سے ان کو زہر دلادیا جس سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ معاویہ نے ابن اثال کو اس کا معاوضہ یہ دیا کہ ہمیشہ کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ کردیا اور حمص کے خراج کی وصولیابی کا اسے والی قرار دے دیا۔ مگر اسے اس رشوت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ اس لیے کہ عبدالرحمٰن کے بھائی مہاجر بن خالد نے مدینہ سے دمشق جاکر اپنی تلوار سے ابن اثال کو قتل کردیا جس پر معاویہ نے مہاجر کو قید کی سزادی اور ایک سال کے بعد رہا کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے اپنے باپ کے قاتل کو حمص جاکر وہیں تہ تیغ کیا۔ اس پر معاویہ نے اس کو تھوڑے دن تک قید کیا پھر دیت (خون بہا) لے کر رہا کردیا۔ یہ ۴۶ھ کا واقعہ ہے۔ ان کے مقربین اور گردوپیش کے رہنے والے اس کا اندازہ رکھتے تھے کہ معاویہ کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد بنائیں مگر انہیں بھی اس کے بروئے کار آنے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ سب سے پہلے جس نے اس تعطل اور جمود کو حرکت اور عمل میں تبدیل کیا وہ مغیرہ بن شعبہ تھا۔ یہ شخص بڑا ہی مدبر اور عرب کے نہایت چالاک لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مغیرہ نے شاید فقط امتحان کے طور پر دمشق جاکر معاویہ کے سامنے حکومت کوفہ سے استعفیٰ دینے کا خیال ظاہر کیا۔ وہ

سمجھتا تھا کہ امیر معاویہ مجھے کسی قیمت پر ہٹانے کے لیے تیار نہ ہوں گے اور اس کے بعد میری خوشامد کریں گے۔ وہاں معاملہ برعکس ہوا اور معاویہ نے ایک دوسرے شخص کو کوفہ کی حکومت کے لیے تجویز کیا۔ جب یہ صورت پیش آئی تو مغیرہ نے حکومتِ کوفہ پر برقرار رہنے کے لیے تدبیر کی کہ وہ یزید ملعون کے پاس گیا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ تم اپنے باپ سے ولی عہدی کا اعلان کیوں نہیں کراتے کون کہہ سکتا ہے کہ یزید خود ہی اس کے واسطے دل ہی دل میں بے چین نہ ہوگا اور اگر اسے شراب و کباب کے مشغلوں میں اب تک اس پر غور کرنے کا موقع نہ بھی ملا ہو تب بھی مغیرہ کا یہ کہنا اس کی دیوانہ طبیعت کے لیے کم نہ تھا۔ وہ معاویہ کے پاس گیا اور ایک لاڈ پیار سے پلے ہوئے بے باک بیٹے کی طرح اپنے باپ سے بضد ہو کر اپنی ولی عہدی کے لیے خواہش کی اور مغیرہ بن شعبہ کے خیالات کو جو اس بارے میں تھے بیان کیا۔ معاویہ کو تو کبھی اس کی توقع ہوئی ہی نہ تھی کہ کوئی سنجیدہ انسان اس منصب کے لیے یزید کا نام پیش کرے گا۔ انہوں نے جو مغیرہ کی گفتگو سنی تو انہوں نے مغیرہ کو بلوایا اور اس سے اس بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔ مغیرہ نے بڑے اعتماد کے ساتھ بتلایا کہ اس مہم کا پورا ہونا کوئی مشکل نہیں ہے۔ کوفہ میں یزید کی موافقت پر لوگوں کو ہموار کرنے کے لیے میں کافی ہوں۔ بصرہ میں زیادہ اس کام کو انجام دے گا۔ ان دو مقامات کے بعد پھر تیسری جگہ کوئی ایسی ہے ہی نہیں جو یزید کی مخالفت کی جرأت کر سکے۔ معاویہ نے مغیرہ کی ان باتوں کو بڑی توجہ کے ساتھ سنا اور اس کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیا۔ مغیرہ فوراً کوفہ پہنچا اور اس مقصد کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔ اسے اپنی کارگزاری کا نتیجہ جلدی سے معاویہ کی خدمت یں پیش کر کے صلہ حاصل کرنا اور اپنی وفاداری کا سکہ جمانا تھا۔ اس لیے اس نے سب سے پہلے جو خاص بنی امیہ کے ہوا خواہ تھے ان کو بلا کر اپنے مقصد کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ "خلیفہ المسلمین" اس امر کے متعلق مطمئن نہیں ہیں کہ کوفہ کے لوگ اس ولی

عہدی کو تسلیم کریں گے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ یہاں سے ایک وفد ان کی خدمت میں جائے اور یہ التجا پیش کرے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد قرار دیں۔ پھر بھی ایسے لوگ کم ملتے تھے جو اس وفد میں شریک ہونا پسند کریں۔ اس کے لیے مغیرہ کو اپنی جیب خاص یا خزانہ سرکاری سے ۳۰ ہزار درہم رشوت میں صرف کرنا پڑے۔ اس طرح کوفیوں کا ایک وفد مرتب کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کی قیادت میں معاویہ سے یزید کی نامزدگی کے لیے درخواست پیش کی۔ معاویہ اس التجا کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وفد کو مناسب جواب دینے کے بعد علیحدگی میں موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کتنے پر تمہارے باپ نے ان لوگوں کے دین وایمان کو خرید لیا؟ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم میں۔

معاویہ کو اس معاملہ میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے متعلق اب بھی اطمینان نہ تھا۔ انہیں عوام کی نفرت و بیزاری کا خوف دامن گیر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مغیرہ کے اس وفد کو رائے عامہ کا ترجمان نہیں سمجھا جا سکتا۔ اب انہوں نے زیاد بن ابیہ کو جسے وہ سیاسی طور پر اپنا بھائی بنا چکے تھے اس معاملہ میں مشورہ لینے کے طور پر خط لکھا۔ زیاد کو معاویہ کی اس خواہش کا اندازہ بہت عرصہ سے ہوگا۔ اب اس خط سے اس خواہش کا اظہار بھی ہو گیا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک وفادار گورنر کی حیثیت سے اس کا کیا فرض ہونا چاہئے تھا۔ خصوصاً جبکہ معاملہ اس کے ''بھتیجے'' کا تھا۔ مگر معاملہ کی نزاکت اور اس کے تمام پہلو زیاد کو لرزہ براندام بنا رہے تھے چنانچہ اس نے اپنے خاص محرم راز عبید بن کعب نمیری کو بلا کر کہا' کہ ''خلیفہ المسلمین نے مجھے خط لکھا ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے مگر انہیں لوگوں کی نفرت و بیزاری کا خوف ہے اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح جمہور مسلمین متفق کیے جا سکیں اور اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے۔ اسلامی ذمہ داری کا احساس بہت اہم ہے اور یزید ایک آوارہ اور مطلق العنان شخص ہے اور شکار کا بڑا دلدادہ ہے۔ تم میری طرف سے

سرکار کے پاس جا کر یزید کے افعال وحالات کا تذکرہ کرو اور کہو کہ ذرا سوچ سمجھ کر اس کام کو کیجئے۔ تھوڑے دن کی تاخیر کر لینا اس سے بہتر ہے کہ جلد بازی سے کام لیا جائے جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہو۔ عبید نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ معاویہ کو اس طرح دو ٹوک جواب نہ دیا جائے بلکہ یزید سے ملکر اس سے کہا جائے کہ اگر آپ کو رائے عامہ اپنے موافق بنانا ہے تو ان افعال کو ترک کیجئے جنہیں مسلمان عموماً ناپسند کرتے ہیں۔ زیاد نے معاویہ کو صرف اتنا لکھا کہ اس بارے میں ذرا تاخیر سے کام لیجئے۔ جلد بازی کرنا مناسب نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد یزید نے بہت سی اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دیا۔ مگر بعد کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کینہ یزید کے دل میں زیاد کی طرف سے پیدا ہو گیا بلکہ شاید ہم سنی کی وجہ سے اس کو یہ خیال ہوا کہ زیاد نے یہ مخالفت اپنے بیٹے عبیداللہ کے اشارے سے کی ہے اس لیے وہ عبیداللہ بن زیاد سے بھی ایک عرصہ تک اس کے بعد بدظن رہا۔

۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ستر برس کی عمر میں مغیرہ کا انتقال ہو گیا اب کوفہ میں زیاد کی حکومت ہو گئی۔ وہ ۴۵ھ میں معاویہ کی طرف سے بصرہ، خراسان اور سجستان کا حاکم بنایا گیا تھا۔ پھر بحرین اور عمان بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیئے گئے اب مغیرہ کے مرنے کے بعد کوفہ بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا گیا۔ چونکہ اس اس کام کیلئے بصرہ اور کوفہ دو اہم مقام تھے لہٰذا اب وہ سال میں چھ مہینہ بصرہ میں رہتا تھا اور چھ مہینہ کوفہ میں اور اس مدت میں بصرہ کی حکومت پر سمرہ بن جندب کو اپنا قائم مقام بنا جاتا تھا۔ تین یا چار سال کی مدت گزرنے پر ماہ رمضان کی 4 تاریخ ۵۳ھ کو زیاد کی بھی وفات ہو گئی۔ اب شاید اس اندیشہ میں کہ رہے سہے خاص خاص خیر خواہ بھی کہیں وفات نہ پا جائیں۔ معاویہ نے ایک تحریری فرمان یزید کی ولی عہدی کا لکھ کر مجمع عام میں اس کا اعلان کر دیا اور رعایا سے

اس کا اقرار لیا گیا۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ بڑی حد تک کوفہ کی زمین کو ہموار بنانے کا کام کر چکا تھا اور کم از کم ہوا خواہان بنی امیہ کو اس کے لیے تیار کر لیا تھا۔ بصرہ میں بہر حال عبید اللہ بن زیاد کو اس اسکیم کی تکمیل کرنا لازم تھی۔ چاہے اس کی ذاتی رائے اس بارے میں کچھ بھی ہوتی اور وہاں کے لوگ اس کے باپ سے اور خود اس سے اس درجہ مرعوب و خائف تھے کہ وہاں کسی مخالفت کا امکان نہ تھا اور شام تو اپنا ملک ہی تھا۔ لے دے کر وہاں ایک عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ جن سے اندیشہ تھا لیکن انہیں پہلے ہی ختم کیا جا چکا تھا۔ دوسرے مقتول خلیفہ عثمان کے بیٹے سعید تھے۔ انہوں نے ذرا خلافت یزید پر اظہار ناراضگی کیا اور خود معاویہ کے پاس آ کر کہا آپ نے یزید کو مجھ پر مقدم کیا اور اس کے لیے بیعت لی حالانکہ بخدا آپ جانتے ہیں کہ میرے باپ اس کے باپ سے بہتر اور میری ماں اس کی ماں سے اچھی اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور آپ کو جو کچھ ملا ہے یہ میرے باپ کا صدقہ ہے۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا کہ تم نے جو اپنے باپ کے احسان کا مجھ پر ذکر کیا تو مجھے اس کا انکار نہیں مگر میں نے اس کا عوض یہ کر دیا کہ ان کے خون کا مطالبہ کیا اور قاتلوں سے ان کے بدلہ لیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مجھ سے بہتر تھے اور انہیں رسول خداؐ سے قرابت مجھ سے زیادہ حاصل تھی۔ اسی طرح تمہاری ماں کی فضیلت۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ قرشیہ کی بزرگی کلبیہ پر ظاہر ہے لیکن یہ بات کہ تم یزید سے بہتر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے نزدیک اگر تم ایسوں سے میرا گھر بھرا ہو وہ سب مل کر بھی یزید کے برابر نہ ہوں گے۔

وہ تو یہ جواب سن کر حیران رہ گیا مگر یزید نے اپنے باپ سے سفارش کہ سعید میری وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں تو آپ انہیں کسی طرح سے خوش کر دیجئے۔ اس پر معاویہ

نے انہیں خراسان کا حاکم بنا دیا۔ اس طرح یہ خدشہ بھی دور ہو گیا۔ شام اور عراق کو ہموار کرنے کے بعد معاویہ نے مکہ اور مدینہ کے متعلق خیال کیا اس زمانہ میں مروان مدینہ کا حاکم تھا۔ معاویہ نے اس کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی جا چکی ہے۔ تم خود بھی یزید سے بیعت کرو اور ہماری طرف سے وہاں مدینہ کے لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لو۔ مروان نے جب معاویہ کا حکم پڑھا تو غصہ سے برافروختہ ہو کر گھر میں گیا۔ گھر والوں اور اپنے ماموں زاد قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر بھی اپنی اس ناراضگی اور رنج و غضب کا اظہار کیا اور اسی غصہ میں دمشق کی طرف معاویہ سے خود بات چیت کرنے کی غرض سے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر معاویہ سے ملا اور اس انداز سے چلتا تھا جس طرح دو برابر کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ معاویہ سے غصہ سے بھری ہوئی تیز و تند تقریریں کیں اور کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ چھوکروں کو امیر اور سردار بناتے ہیں۔ اس ارادہ سے باز آیئے۔ یاد رکھئے کہ آپ کی قوم میں ایسے اور بھی موجود ہیں جو آپ کے مشوروں میں شریک اور آپ کے کاموں میں آپ کے وزیر و مددگار رہے ہیں۔ معاویہ نے کہا، مروان خفا نہ ہو۔ تم بیشک خلیفہ وقت کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے پشت پناہ اور مددگار رہو۔ اس لیے یزید کے بعد تم کو ہی یزید کا ولی عہد ہم نے قرار دیا ہے۔ یہ تھا وہ سیاسی منتر جس نے مروان کے غصہ کو ختم کر دیا اور مروان مطمئن ہو کر مدینہ واپس ہوا۔ مدینہ میں مروان نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں یزید کی تخت نشینی کے متعلق ذکر کیا اور کہا معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح ابوبکر نے عمر کے لیے بیعت لی تھی۔ یہ سننا تھا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر بگڑ گئے اور کہا ابوبکر نے اپنے بیٹے کی بیعت نہیں لی تھی۔ یہ تو کسریٰ و قیصر کا طریقہ ہے۔ ہم ہرگز اس شرابی و زانی کی بیعت نہ کریں گے۔ عبدالرحمٰن کے خیالات کی تائید حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر

نے کی۔ جو واقعہ پیش آیا اس کی اطلاع مروان نے معاویہ کو کر دی۔ معاویہ نے کچھ دن تامل کیا۔ پھر یزید کو لے کر حج کے بہانے سے روانہ ہوئے۔ معاویہ کو خوب احساس تھا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے خلافتِ یزید پر اعتراض کیا ہے دنیائے اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے نقطہ نظر سے جن جن افراد کو اسلامی معاملات سے دلچسپی کا ورثہ پہنچتا تھا وہ سب ہی یزید سے اختلاف رکھنے میں متفق تھے چنانچہ ایک طرف ان میں امام حضرت حسینؑ بن علیؑ تھے تو دوسری طرف۔

عبدالرحمٰن، ابن ابی بکر

ام المومنین حضرت عائشہ بنتِ ابی بکر

عبداللہ ابن عمر

عبداللہ ابن عباس اور

عبداللہ ابن زبیر بھی تھے۔

ان ناموں کے دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جو فرقہ بندی آج قائم ہے اس کا کوئی اثر یزید کی ولی عہدی کے جواز پر نہیں پڑتا۔ اصولاً یزید کی ولی عہدی سے اختلاف میں تمام وہ افراد متفق تھے جو کسی فرقہ کے نقطہ نظر سے بھی مذہبی نمائندگی کر سکتے تھے۔ اب یہ اپنا اپنا ثبات قدم اور استقلال ہے کہ کوئی تمام مشکلات کے باوجود آخر وقت تک اپنی اس بات پر قائم رہے اور کوئی پھر حالات سے مجبور ہوئے لیکن اصول اور آئین کے اعتبار سے ان سب کا متفق ہونا خود ایک بڑی وزنی حقیقت ہے۔

معاویہ نے ان لوگوں کو خوف دلا کر بھی دبانا چاہا اور لالچ دلا کر بھی مائل کرنا چاہا۔ چنانچہ سب سے پہلے جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر معاویہ نے کہا نہ تمہارے لیے خوشی ہو اور نہ برکت۔ تم ایک قربانی کا دنبہ ہو

جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور گرایا جائے گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ چپ رہو۔ ہم ایسے کلام کے اہل نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا۔ اس سے بھی بدتر کلام کے مستحق ہو۔ پھر اس کے بعد ابن زبیر سے ملے تو ان سے کہا کہ تو ایک چھپے ہوئے مکار سوسمار گوہ کے مانند ہے جو سر کو اپنے سوراخ میں ڈال کر دم ہلاتا ہے۔ قسم ہے خدا کی عنقریب اس کی دم پکڑ لی جائے گی۔ دور کرو اس کو' اور پھر ان کے خچر پر چابک مارا اور ہٹا دیا۔ پھر اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملے۔ ان کو کہا کہ یہ بڈھا بھی سٹھیا گیا ہے اور اس کی عقل جاتی رہی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ان کے سواری کے خچر پر بھی تازیانہ مارو اور ہٹا دو۔ پھر عبداللہ بن عمر سے بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔

اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو کر بھی خلافت یزید کے لیے ان حضرات کو ڈرانے اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔

حضرت عائشہ نے جو یہ سنا تو غصہ میں معاویہ کے پاس گئیں اور کہا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پہلے میرے ایک بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر چکے اور تم نے لاش ان کی آگ میں جلائی آج مدینہ میں آ کر میرے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچاتے ہو اور ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہو اور فرزند رسولؐ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ڈراتے دھمکاتے ہو۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں رسولؐ نے رحم کھا کر فتح مکہ میں قتل سے آزاد کر دیا تھا۔ تم کو ایسی حرکتیں ہرگز زیب نہیں دیتیں۔

طبری نے معاویہ کا مکالمہ جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ درج کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

معاویہ نے کہا' اے عبدالرحمٰن کیسے ہاتھ پیروں کے ساتھ تم میری نافرمانی کرنے کی جرآت کرتے ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا' اس لیے کہ اس امر کے لیے میں اپنے کو

زیادہ مستحق سمجھتا ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ میں اس صورت میں تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کہا' اگر تم ایسا کرو گے تو لعنت خدا اور سزائے آخرت کے مستحق ہو گے۔

یہ تو خوف دلانے کی ترکیبیں تھیں۔ جب یہ کامیاب نہیں ہوئیں تو دوسری صورت بھی اختیار کی گئی چنانچہ ایک لاکھ درہم عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس بھیجے۔ مگر انہوں نے روپیہ واپس کر دیا اور کہا کہ ہم دین کو درہم کے عوض فروخت نہیں کریں گے اور مکہ سے ہجرت کر گئے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن عمر کو بھی ایک لاکھ درہم بھیجے گئے' انہوں نے کہا میں بڈھا ہو چکا ہوں اور میرا دین ایک لاکھ درہم سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ کہہ کر روپیہ واپس کر دیا۔ اور امام حسینؑ کو بھی بہت تحائف اور زر و مال پیش کیا گیا تھا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اور واپس کر دیا۔

ازواج رسولؐ نے اس مخالفت میں زیادہ حصہ لیا چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ معاویہ مدینہ میں منبر رسولؐ پر بیٹھے یزید کی بیعت لے رہے تھے کہ عائشہ نے اپنے حجرہ سے پکار کر کہا کہ خاموش ہو جاؤ کیا کر رہے ہو؟ کیا تم سے پہلے شیخین نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے کبھی بیعت لی تھی؟ معایہ نے کہا کہ نہیں۔ تو عائشہ نے کہا پھر تم کس کی پیروی کرتے ہو؟ معاویہ یہ سنکر شرمندہ ہوئے اور منبر سے اتر آئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یزید کی ولی عہدی سب کے نزدیک اصول شریعت اور آئین اسلام کے خلاف تھی۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ شرائط صلح میں یہ بات طے پا چکی تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی جانشین کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اس کے بعد معاویہ کو اپنے بیٹے کا خود نامزد کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یہ سب اس صورت میں بھی تھا کہ جب یزید اپنے کردار کے لحاظ سے اچھا ہی

آدمی ہوتا' چہ جائیکہ یزید کے اخلاق و عادات وہ تھے جو کسی شائستہ انسان اور ایک معمولی مسلمان کے بھی شایان شان نہیں چہ جائیکہ خلافت کے لیے جو بہر حال ایک مذہبی عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ''اسلام کے شروع سے حاکم اسلام دین اور دنیا دونوں کا مقتدا سمجھا جاتا تھا۔ مذہب اور سیاست کا یہ اجتماع عقلمندانہ اصول پر مبنی تھا یا نہیں' یہ ایک مختلف موضوع ہے جس کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار ضروری نہیں سمجھتا لیکن یہ اصول عام طور پر تسلیم کرلیا گیا تھا اور اس لیے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ خلیفہ اسلام میں علاوہ سیاسی قابلیت کے مذہبی اور دینی صفات بھی بدرجہ اتم موجود ہوں۔ اور یہ سب کو معلوم تھا کہ یزید اس لحاظ سے کسی طرح بھی مستحق خلافت نہیں تھا۔'' اسی لیے جتنے سمجھدار انسان تھے سب ہی اس اقدام کو نازیبا سمجھ رہے تھے اور اسے ایک مہلک اقدام کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

حسن بصری کا قول تھا کہ معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں جن میں ایک بھی ہوتو وہی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔

اول : جاہلوں کی مدد سے بغیر امت کے مشورہ کے انہوں نے خلافت پر قبضہ کرلیا۔ حالانکہ اس وقت اصحاب رسولؐ اور صاحبان فضیلت موجود تھے۔

دوئم: اپنے بیٹے کو جو شراب خوار نشہ باز تھا اور ریشم پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا اپنا جانشین بنایا۔

سوئم: زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اسی کا قرار دیا جاسکتا ہے جو اصلی شوہر ہو اور زنا کار کے لیے بس پتھر ہے۔

چہارم: حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا۔

دوسرا قول ان کا یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی تباہی کے ذمہ دار دو شخص ہیں۔ ایک عمرو بن العاص جس نے معاویہ کو قرآن نیزوں پر بلند کرنے کی رائے دی تھی۔ چنانچہ وہ بلند بھی کیے گئے اور دوسرے مغیرہ جس نے معاویہ کو یزید کی بیعت لینے کا مشورہ دیا۔ اگر مغیرہ کی یہ رائے نہ ہوتی تو قیامت تک انتخاب کا اصول قائم رہتا۔ معاویہ کے بعد جو تخت نشین ہوئے وہ سب کے سب معاویہ کی مثال کے مطابق اپنے بیٹوں کی بیعت کراتے رہے۔

مسلمانوں کی اس رائے عامہ کی نمائندگی وہ چند اشخاص کر رہے تھے جن کے نام تاریخ میں درج ہیں۔

معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہیں تھا کہ اس جماعت میں سب سے نمایاں ہستی حسینؑ ابن علیؑ کی ہے اور اس بناء پر انہوں نے مدینہ میں آ کر سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ حسینؑ بن علیؑ کو بلوا کر کہا اس معاملہ میں تمام لوگ ہموار ہو چکے ہیں۔ سوا پانچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی آپ کر رہے ہیں۔ حضرت نے تعجبانہ انداز سے کہا۔ ''میں ان کی سرکردگی کرتا ہوں؟'' معاویہ نے کہا'' بے شک آپ ہی ان کے سرغنہ ہیں۔'' یہ سنکر حضرت نے فرمایا تو اس کا حل یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے۔ اگر ان سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے اور نتیجہ میں معاویہ کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی اور وہ ناامیدی کے ساتھ شام واپس گئے۔ امام حسینؑ کا بیعت سے انکار سلطنت کے اقتدار کو بڑی سخت ٹھوکر تھی جسے معاویہ کی قوت سیاست دانی سمجھتی تھی مگر اسے حسینؑ بن علیؑ کو ایک بڑا تدبر سمجھنا چاہیے کہ آپ نے اپنے عمل کو سلبی حدود تک محدود رکھا یعنی صرف بیعت نہ کرنا اور سکوت

اختیار کرنا۔ آپ جانتے تھے کہ فریق مخالف ایک وقت میں اس سکوت کو توڑنے کے لیے تشدد سے کام لے گا جس کے لیے آپ تیار تھے مگر آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ کی طرف کسی جارحانہ اقدام کا الزام عائد کیا جا سکے۔ دوسری طرف معاویہ نے بھی بتقاضائے سیاست اس وقت کسی عملی اقدام کو مناسب نہیں سمجھا مگر اس کے بعد نہ معاویہ تدبیروں سے غافل تھے اور نہ امام حسینؑ مستقبل سے بے خبر تھے۔ اصل میں امام حسینؑ چاہتے تھے کہ میں خاموش رہوں اور حریف تشدد سے کام لے اور معاویہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنی طرف سے عملی طور پر تشدد کی پہل نہ کریں اور امام حسینؑ جوش میں آ کر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھیں جسے امن عامہ کو نقصان پہنچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کر دے۔

درحقیقت کربلا کی جنگ اپنے قریبی اسباب کے لحاظ سے شروع یہیں سے ہوگئی، مگر یہ اس وقت ایک صبر آزما نفسیاتی کشمکش تھی جو نہ معلوم کب تک جاری رہتی۔ اگر معاویہ کا رشتہ عمر قطع نہ ہوتا اور نوعمر، نا تجربہ کار، غرورِ سلطنت سے بدمست یزید تختِ سلطنت پر نہ بیٹھتا۔

معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی

۶۰ھ میں امیر شام معاویہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ انہیں اپنی بیماری کے عالم میں اور خصوصاً اس وقت جبکہ صحت سے مایوسی ہوگئی تھی شدید احساس تھا کہ انہوں نے یزید کی خلافت تسلیم کرانے میں کتنی محنت و مشقت برداشت کی ہے اور کس درجہ اپنے راحت و آرام اور مال و دولت اور سب سے بڑھ کر ضمیر کی قربانی دی ہے جو روحانی تکلیف کا باعث ہوتی ہے جس کا اظہار انہوں نے بصیغہ راز مروان سے کیا۔ ملاحظہ ہو ابن حجر مکی

کی کتاب "تطہیر الجنان واللسان" جوانہوں نے معاویہ کے مناقب وفضائل میں تصنیف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز معاویہ رونے لگے۔ مروان نے سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا میں کون سی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو۔ اب سن زیادہ ہو گیا اور ہڈیاں گھل گئیں اور جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ نہ ہوتا تو میں اپنے لیے راہ راست کو حاصل کر لیتا۔

علامہ ابن حجر نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا ہے کہ یزید کی محبت نے ان کو ہدایت کے راستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرطِ محبت نے مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے فاسق وفاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جس نے ان کو تباہ کر دیا۔

پھر یہ فطری بات ہے کہ جتنا زیادہ کسی نے ایک مقصد کے لیے ایثار اور کاوش کی ہو اتنی ہی اسے اپنے اس مقصد کی کامیابی کی فکر ہوتی ہے اور اس میں کسی خلل کے واقع ہونے کا فکر لاحق ہوتی ہے۔ معاویہ نے یزید کے لیے کیا کچھ کیا اور اس میں ان کے نزدیک خلل کیا باقی رہ گیا، اس کا تذکرہ انہوں نے خود یزید سے کیا۔ اپنے مرض الموت کی ابتداء میں جبکہ انہوں نے اسے بلا کر کہا۔ بیٹا میں نے تم کو کوچ اور مقام کی زحمتوں سے بچا دیا اور تمہارے لیے تمام انتظامات مکمل کر دیے اور تمام دشمنوں کے سر تمہارے لیے خم کرا دیے اور تمام قوم عرب کی گردن کو تمہارے واسطے جھکا دیا اور سب کو تم پر مجتمع کر دیا ہے مگر مجھے اس خلافت کے مسئلہ میں جو تمہارے لیے مکمل ہو چکا ہے۔ بس قریش کے چار آدمیوں سے کھٹکا ہے۔ حسینؑ بن علیؑ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

ظاہر ہے کہ ان آنکھوں کی سوئیوں کے رہ جانے کا معاویہ کو کتنا خیال اور صدمہ ہو گا اور یہ صدمہ اتنا اتنا بڑھتا جاتا تھا جتنا جتنا ان کی موت کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔

لیکن وہ یزید جس کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا اپنے بوڑھے باپ کے آخر وقت پاس موجود بھی نہ تھا۔ اور دمشق کے باہر مقام حوارین پر رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ معاویہ نے اپنی حالت دگرگوں پا کر اس کو پاس بلانے کے لیے آدمی بھیجا مگر اس کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے اپنے پولیس آفیسر ضحاک بن قیس فہری اور اپنے پہرہ داروں کے سردار مسلم بن عقبہ کو بلا کر کہا کہ جب یزید آئے تو میری وصیت اس تک پہنچا دینا اور اسے بتلانا کہ میرا حکم اس کے لیے یہ ہے کہ وہ اہل حجاز کے ساتھ مراعات سے کام لے۔ جو لوگ وہاں سے دارالسلطنت میں آئیں ان کا اکرام و احترام کیا جائے اور جو وہاں کے اشراف اور بزرگ یہاں سے دور ہیں ان کی بھی وقتاً فوقتاً خبر گیری کی جاتی رہے اور اہل شام کو اپنا دست و بازو اور اپنا چشم و گوش بنائے رکھے اور انہیں شام کے صوبہ سے باہر زیادہ عرصہ تک نہ رکھا جائے تا کہ ان میں دوسرے مقامات کے اخلاق و اوصاف سرایت نہ کریں۔ اس کے بعد یہ بتلا دینا کہ مجھے اس کے خلاف صرف چار آدمیوں سے خوف ہے۔ اول حسینؑ بن علیؑ، دوسرے عبداللہ بن عمر، تیسرے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور چوتھے عبداللہ بن زبیر۔

اس وصیت سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ بستر مرگ پر بھی اپنے دل میں تمام درد یزید کا لیے ہوئے تھے۔ ان کو نہ اپنی بیماری کا کوئی خیال تھا نہ اپنی تکلیف کا کوئی تصور۔ نہ اپنے انجام کے متعلق کوئی فکر۔ انہیں اس وقت بھی خیال تھا، تصور تھا اور فکر تھی تو یزید اور صرف یزید کی اور اس کے ساتھ آخر وقت کی پتھرائی ہوئی نگاہوں میں بھی صورتیں تھیں تو چار، جو یزید کے لیے ان کے نزدیک ایک خطرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جن میں سب سے پہلی تصویر تھی امام حسینؑ کی۔

رجب ۶۰ھ میں معاویہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ اڑتیس برس کی عمر میں وہ

شام کے گورنر بنے تھے۔ ۵۸ برس کی عمر میں وہ خود مختار خلیفہ ہوئے اور ۷۸ برس کی عمر میں اب ان کی وفات ہوئی۔

بعض مورخین کے بیان کے مطابق ان کی عمر اس سے کچھ کم ۷۳ یا ۷۵ اور بعض کے نزدیک اس سے زیادہ بچاسی سال کی تھی۔

یزید کو اس کی شکارگاہ میں اس سانحہ کی اطلاع دی گئی جس کو سن کر وہ دمشق پہنچا۔ ایسے وقت جب معاویہ دفن بھی کیے جا چکے تھے۔ باپ کی بچھائی ہوئی مسند اس کے آنے ہی کی منتظر تھی۔ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام اہل شام نے فوراً اس کی بیعت کر لی۔

یزید تاریخ کی روشنی میں

یزید کی ماں میسون بنت بجدل بن انیف کلبیہ ایک صحرائی عورت تھی جو شہری زندگی سے نفرت کرتی تھی مگر وہ اپنے حسن و جمال کی بدولت معاویہ کی بہت منظور نظر ہو گئی تھی اور انہوں نے اس کے لیے غوطہ کے مقابل ایک قصر تعمیر کرایا تھا۔ جہاں سے اس پر نزہت جگہ کی سیر دور تک ہو سکتی تھی۔ اور اس قصر میں بڑے آرائش کے سامان اور سونے چاندی کے برتن اور دیبائے رومی کے رنگارنگ اور منقش فرش مہیا کیے تھے اور بہت سی حسین و جمیل کنیزیں خدمت کے لیے دی تھیں۔ ان شاہانہ انتظامات کے ساتھ میسون کو اس محل میں اتارا گیا تھا مگر یہ سب کچھ اس صحرائی عورت کی نگاہ میں خاک تھا۔ اس لیے کہ اسے تو اپنا جنگل اور اس میں چرتی ہوئی بھیڑ، بکریاں یاد آتی تھیں۔ ایک دن معاویہ کے محل میں آنے کا وقت تھا اور میسون ایک بہترین پوشاک پہن کر اور قیمتی زیورات پہن کر اور خوشبو لگا کر کنیزوں کے جھرمٹ میں اس کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی جو کہ غوطہ کے مرغزار کی

طرف تھی۔ اس کو وہاں سے درخت نظر آ رہے تھے اور طائروں کے نغموں کی صدا اور پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس وقت اسے اپنا نجد کا بادیہ اور ہمجولیاں اور سہیلیاں یاد آئیں۔ جس کی بنا پر وہ بیساختہ رونے لگی اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگی۔ ایک خواص نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ میسون نے ایک لمبی سانس لی اور کچھ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا۔ ''یقین سمجھو کہ وہ ڈیرا جس میں چوبائی ہوا کے جھونکے آتے رہتے تھے مجھے اس عالی شان محل سے زیادہ محبوب ہے اور وہ بالوں کی عبا جو میرے جسم پر ہوتی تھی ان باریک اور صاف پوشاکوں سے زیادہ محبوب تھی اور ایک سوکھی روٹی کا ٹکڑا اپنے جھونپڑے کے کونے میں بیٹھ کر کھانا مجھے ان صاف اور عمدہ روٹیوں سے زیادہ مرغوب تھا اور وہ درہ ہائے کوہ میں ہواؤں کے تھپیڑے کی صدا میرے لیے طبلوں کی آواز سے زیادہ دلکش تھی اور وہ کتا جو مہمانوں کے آنے کے وقت بھونکتا تھا ان خوبصورت سدھی ہوئی مرغابیوں سے زیادہ محبوب تھا اور وہ سرکش اونٹ جو ہودجوں کو لے کر چلتا تھا مجھے اس زین و لجام سے آراستہ خچر سے زیادہ پسند تھا اور میرے قوم وقبیلہ کا ایک دبلا پتلا حقیر آدمی مجھے ایک بدخو مسٹنڈے سے زیادہ محبوب تھا۔

جب معاویہ آئے تو اس خواص نے یہ قصہ معاویہ سے دہرایا یا یہ کہ معاویہ نے میسون کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے خود سن لیا۔ بہرحال ان کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ اس نے مجھ کو سخت بدخو مسٹنڈا بنایا۔ میں اس کو تین طلاق دیتا ہوں۔ جاؤ اس سے کہو کہ وہ جو کچھ محل میں ساز و سامان ہے سب کچھ لے لے اور چلی جائے چنانچہ اسے نجد میں اس کے عزیزوں کے یہاں بھجوا دیا گیا۔ اس حالت میں کہ یزید اس کے پیٹ میں تھا۔ ۲۲ ھ میں یزید پیدا ہوا۔ دو برس کے بعد جب معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے اس کو وہاں سے بلوا لیا۔ نوجوانی ہی کی عمر سے وہ فسق وفجور اور لہو ولعب میں مبتلا ہو گیا اور عمر کے

ساتھ ساتھ اس کے ان اوصاف میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ چنانچہ مختلف جانوروں کے ساتھ اس کے رکیک حرکات کا تاریخ میں مختلف صورتوں سے چرچا موجود ہے۔

علامہ دمیری نے لغت ''مہند'' کے تحت میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اس کو گھوڑے پر سوار یزید بن معاویہ نے کیا ہے۔ دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ یزید کے ایک بندر کو گدھے پر بیٹھنے کی مشق کرائی گئی تھی اور گھوڑ دوڑ میں اس کا بڑے شہسواروں سے مقابلہ کرایا جاتا تھا اور ایک مرتبہ وہ تمام شہسواروں سے سبقت لے گیا تو یزید نے اس بارے میں شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ کوئی میری طرف سے کہہ دے اس بندر سے جو ایک گدھی کی پشت پر بیٹھ کر گھوڑوں سے آگے نکل گیا کہ اے ابوقیس جب تو اس پر سوار ہوا کر تو اس سے لپٹا رہا کر کیونکہ اگر تو گر کر مر گیا تو اس گدھی سے کوئی باز پرس بھی نہ ہو سکے گی۔

یزید نے اپنے بندر کی کنیت ابوقیس قرار دی تھی اور اپنے ساغر کی بچی ہوئی شراب اسے پلایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک بزرگ ہے جس نے گناہ کیا تھا تو وہ مسخ ہو گیا اور وہ اس کو ایک گدھی پر سوار کرتا تھا جو اسی مقصد سے سدھائی گئی تھی اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں وہ اسے گھوڑوں کیساتھ چھوڑ دیتا تھا۔ ایک روز وہ گدھی آگے بڑھ گئی تو یزید بہت خوش ہوا اور یہ شعر پڑھے:

''اے ابوقیس اس کی مہار سے لپٹا رہا کر، اگر تو گر پڑا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہو گی۔ اس گدھی نے یہ کارنمایاں کیا ہے کہ وہ تمام گھوڑوں سے آگے نکل گئی ہے۔

یہ تو اس کے لغو افعال تھے۔ اس کے علاوہ شراب خواری اس کی ضرب المثل تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ نے نام ہی اس کا ''سکران'' یعنی بدمست رکھ لیا تھا۔ وہ کسی موقع پر مصلحتاً بھی اس عادت کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب ولی عہدی کے دور میں

معاویہ کے حکم سے وہ مکہ و مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ جمانے کے لیے حج کو گیا تو مدینہ رسولؐ میں پہنچ کر بھی مصاحبوں کے جھمگٹے میں شراب کا دور ضرور چلایا۔

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو یزید کی حکومت میں یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے۔ وہ ایسا شخص تھا جو اپنی سوتیلی ماؤں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا۔

اتنا ہی نہیں کہ وہ عملی حیثیت سے ایک لاابالی اور گنہگار شخص تھا بلکہ اس کے خیالات بھی ایسے ہی تھے وہ اپنے افعال پر پچھتاتا نہیں تھا بلکہ ان پر نازاں تھا۔ اس کا مظاہرہ اس کے دیوان کے ان اشعار سے ہوتا ہے جن میں اس نے احکام شریعت کا مذاق اڑایا ہے بلکہ قرآن و حدیث کے ساتھ تمسخر کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اشعار میں اکثر باتیں غیر واقعی بھی نظم ہو جاتی ہیں اور ان کے بیانات اکثر تخیلی پیرایہ رکھتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خیالات ویسے ہی دماغ میں آتے ہیں اور اشعار ویسے ہی تراوش کرتے ہیں جیسا انسان کا مذاق طبیعت ہوتا ہے۔ ایک دیندار متقی اور پرہیز گار شخص سے ممکن نہیں ہے کہ وہ اشعار میں خدا یا رسولؐ یا آئمہ علیہم السلام کے ساتھ اس طرح کی جسارتیں کرے جو انتہائی حقارت آمیز ہوں۔ یزید کے اشعار اسی طرح کے ہیں۔

وہ صرف لذائذ سے لطف اندوز ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ نظریہ بھی یہی رکھتا تھا۔ دیکھا جائے تو عمر خیام کا یہ فلسفہ کہ آخر میں فنا ہونا ہے اس لیے جتنا ممکن ہو دنیا میں مزے لوٹ لو خیام سے پہلے یزید کے ذہن میں تشکیل پا چکا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے

"ان ساتھیوں سے جنہیں ساغر شراب نے ایک مرکز پر جمع کر دیا

ہے اور جن کے سامنے عشق ومحبت کے محرکات نغمہ سرائی کرتے ہیں

میرا یہ قول ہے کہ جتنا ممکن ہو عیش ولذت سے بہرہ ور ہو کیونکہ کتنی

ہی مدت طولانی ہو آخر میں تو ختم ہی ہونا ہے۔''

نماز اور شرابخواری کا موازنہ کرتے ہوئے یزید ملعون نے ایک شعر میں کہا

یعنی ''خدا نے شرابخواروں کو عذاب سے ڈرانے کے لیے ''ویل الشاربین''

کہیں نہیں کہا بلکہ قرآن میں نماز گزاروں کو ''ویل للمصلین'' کہا ہے۔''

ایک جگہ اس نے شراب کے بارے میں اس طرح کہا ہے۔

فان حرمت یوما علیٰ دین احمد	فخذھا علیٰ دین المسیح ابن مریم

یعنی اگر دین احمدؐ میں شراب پینے کو حرام سمجھا گیا ہے تو خیر دین مسیح پر ہو کر ہی

پی لو۔''

اس نے آخرت کی نعمتوں کا موازنہ نغمہ وشراب سے کرتے ہوئے یوں کہا

ہے۔

معشر الندمان قوموا	واسمعوا صوت الاغانی
واشربو کاس مدام	واترکوا ذکر المعانی
شغلتنی نعمة العید	ان من صوت الاذان
و تعوضت عن الحو	رعجو زانی الدنان

''اے حریفان شراب اٹھو اور گانوں کی صدا سنو' ساغر شراب پیو اور

دوسری باتوں کا ذکر چھوڑ دو۔ مجھ کو ستار اور سارنگی کے نغموں سے

اذان کی آواز سننے کی فرصت نہیں اور حوروں کے عوض میں نے

شیشہ کی پری کرلیا ہے۔''

یوں تو یہ اشعار تفریح طبع کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں مگر ان میں حور وقصور کی خبروں کا مضحکہ ضرور مضمر ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حشر ونشر کے انکار کو بالکل صراحت کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے۔

اپنے ان اشعار میں

''اے نازنین محبوبہ مجھے سنا اور بلند آواز سے سنا اور گا کر بڑھ' مجھے چپکے چپکے گفتگو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سنا ابوسفیان کا وہ پرانا قصہ اُحد میں اس کا کارنامہ جہاں اس نے دشمنوں کے گھر میں ماتم برپا کر دیا تھا۔ ہاں اسی افسانہ کے ساتھ مجھے شراب پلاتی جا' وہ شراب جسے شام کے بہت منتخب انگور سے بنایا گیا ہو۔ ہم جب قدیمی روایات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کا پینا حلال ہی نظر آتا ہے۔ اور اگر میں مرجاؤں اے نازنین محبوبہ تو تو کسی اور سے نکاح کر لینا اور یہ امید نہ کرنا کہ اس جدائی کے بعد کبھی پھر ملاقات ہوگی۔ دوسری زندگی کے متعلق تو نے جو قصے سنے ہوں گے وہ پارینہ قصے ہیں جو انسان کے دل کو نادانی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ میں محمدؐ کا سامنا کروں گا ایسی شراب کے نشہ میں مست رہ کر جس کا اثر میری ہڈیوں تک پہنچ گیا ہو۔''

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے دل میں جاہلیت کے خیالات اور بدر و اُحد کا مشرکانہ جذبہ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ سے ضد اور دشمنی کا جذبہ موجود تھا۔ ان کے ساتھ آگے چل کر وہ اشعار بھی آئیں گے جو اس نے قتل حسینؑ کے بعد اور اہل

بیتؑ کے شام میں وارد ہونے کے وقت کہے ہیں تو وہ بھی انہی خیالات کے حامل نظر آئیں گے۔ اس سب کے باوجود یہ سیاست دنیا کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا تھا کہ ایسا شخص اسلامی خلیفہ اور ایک حیثیت سے جانشین رسولؐ اور امیر المومنین بن کر بیٹھ گیا تھا اور مسلمانوں کی اکثریت اس کی اس حیثیت کو تسلیم کر رہی تھی۔ اس کا اثر عام مسلمانوں کے اخلاق پر کیا پڑ سکتا۔ سوا اس کے کہ ان میں بھی مذہبی بے حسی بلکہ مذہب کو نگاہِ حقارت سے دیکھنے کا جذبہ اور وہی عیش و نشاط کی گرم بازاری پیدا ہو جاتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

امام حسینؑ کے اخلاق و کمالات اور ارشادات

عرب کے ایک فلسفی شاعر نے کہا ہے۔ ''بڑے کارناموں کے لیے بڑے ہی نفوس درکار ہوتے ہیں۔'' ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

(یعنی) ''صاحبان ارادہ کی شخصیت کے مطابق ہی ہوتے ہیں ان کے ارادے اور بزرگ مرتبہ نفوس کی مناسبت ہی سے ہوتی ہیں ان کی بزرگیاں، چھوٹے آدمی کی نگاہ میں چھوٹا سا کام بھی بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اول تو وہ اس کے کرنے کی ہمت نہیں کرتا اور اگر کر بھی لیتا ہے تو اس کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر نازاں ہو جاتا ہے اور بڑے کی نگاہ میں بڑا کام بھی چھوٹا معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ اسے کر گزرتا ہے اور اس پر بھی اس کا دل نہیں بھرتا بلکہ اس

سے بھی بڑے کارنامہ کے لیے تیار رہتا ہے۔''

اس نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو واقعۂ کربلا ایسے عظیم الشان کارنامہ کا حامل ہونا ہی حسینؑ کے نفس بزرگی اوران کے کردار کی رفعت کے متعلق وہ سب کچھ بتلا دیتا ہے جس کا شاید پورے طور پر اندازہ کرنا اور پھر اسے واضح طور پر الفاظ کے ذریعہ سے پیش کرنا مورخین کے تصور اور تحریر کی طاقتوں سے باہر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے نادر خصوصیات عالم وقوع میں آ ہی نہ سکتے تھے۔ اگر اس کے انجام دینے کے لیے امام حسینؑ جیسے بلند نفس کا انسان موجود نہ ہوتا اور واقعہ کربلا میں عظمت اہمیت اور نتیجہ کے لحاظ سے یہ تاثیر پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی اگر اس کا تعلق حسینؑ ایسی عظیم المرتبت ذات کے ساتھ نہ ہوتا۔

یوں تو واقعہ کربلا خود ہی ایسے نادر خصوصیات رکھتا ہے کہ بحیثیت واقعہ اس کی مثال کوئی مل ہی نہیں سکتی لیکن ان خصوصیات سمیت بھی اس کی تاثیر کا بڑا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے کہ وہ امام حسینؑ ایسی بلند ہستی کے ساتھ متعلق ہے۔ کوئی معمولی شخص ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا اور بفرض محال کرتا بھی تو اس کی یہ تاثیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے واقعہ کربلا کا وقوع بھی امام حسینؑ کے نفس کی انتہائی عظمت کا ثبوت ہے اور اس کی وہ تاثیر بھی جو عالم اسلام میں پیدا ہوئی امام حسینؑ کے نفس کی رفعت و بلندی اور آپ کی شخصیت کی برتری کی دلیل ہے۔

مگر یہ نقطہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ شخصیت اور کردار کا باہمی تعلق ایک متعاکس نتیجہ رکھتا ہے یعنی کسی خاص عملی کارنامہ میں اہمیت اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ شخصیت کی رفعت و شہرت اور سر بلندی سے اور پھر اس انسان کی شخصیت و عظمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس کردار سے۔ اس لیے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر چہ واقعہ کربلا کا وجود

میں آنا اور پھر اس میں یہ تاثیر پیدا ہونا ممکن نہ تھا بغیر امام حسینؑ کے مگر امام حسینؑ کی شخصیت کی ہمہ گیری اور رہنمایانِ عالم میں آپ کی امتیازی فوقیت کے آفتاب کا بلاتفریق مذہب وملت ہر واقف اور منصف شخص کی نگاہ میں خط نصف النہار پر پہنچنا بھی واقعہ کربلا کے سبب سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ واقعہ کربلا کے دوران میں آپ کی سیرت کے خد و خال اپنے چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ سبب اس کا صاف ظاہر ہے۔ واقعہ کربلا کے پہلے امام حسینؑ کو مورخین کی نگاہ بس اس حد تک دیکھ سکتی تھی جتنا کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ یا آپ کی اولاد میں ان اماموں کو وہ دیکھ سکی جن میں سے ہر ایک تقویٰ عصمت اور پاکبازی کا مجسمہ تھا۔ جیسے ان کے اوصاف وکردار کے متعلق کبھی اجمال اور کبھی کچھ تفصیل کے ساتھ بعض واقعات سخاوت' عبادت' ریاضت وحلم وغیرہ کا تذکرہ ہے اسی طرح امام حسینؑ کے متعلق بھی جستہ جستہ اس قسم کے مختلف واقعات اور حالات کا تذکرہ صفحات تاریخ پر موجود پایا جاتا ہے۔ اس وقت کے تاریخی واقعات محفوظ کرنے والوں کو ۶۰ھ کے پہلے تک کیا معلوم تھا کہ آپ ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دینے والے ہیں جس کی مثال تاریخ کے صفحات پر ناپید ہوگی تاکہ وہ ابتدائے عمر سے آپ کی زندگی کے ہر جزئیہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے اور انہیں سینہ بہ سینہ محفوظ کر کے لب بہ لب منتقل کرتے ہوئے کتابوں کے دامن تک پہنچاتے۔

لیکن ایک طرف تو واقعہ کربلا کے دوران میں تمہیدی یا ضمنی طور پر تاریخ نے جو مختلف اخلاقی واقعات اور حالات حضرت امام حسینؑ کے بیان کر دینے میں وہ آپ کے سیرت وکردار کا ایک آئینہ پیش کرتے ہیں' دوسری طرف آپ کی سابقہ زندگی کے متعلق جن روایات کو تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے ان سے بھی آپ کی عظمت اور

اوصاف وکمالات کے متعلق ایک روشن مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ صرف ایک مظلوم اور ستم رسیدہ شہید ہونے کے لحاظ ہی سے دنیا کے قلوب کا مرکز نہیں ہیں بلکہ آپ کے ذاتی خصوصیات اور اوصاف و کمالات بھی آپ کو دنیا کا قبلہ بنانے کے لیے کافی تھے جن سے آپ انسانیت کی معراج بلندی میں سب سے زیادہ رفیع درجہ نظر آتے ہیں۔

ظاہری حیثیت سے ماہرین نفسیات کے نقطہ نظر سے شخصیتوں کی تشکیل کے اسباب حسب ذیل ہوتے ہیں۔

پہلے خاندانی خصوصیات اور بزرگوں کے قدیم روایات دوسرے ماحول اور تعلیم وتربیت تیسرے زندگی کے اہم تجربات۔ پہلی چیز وہ ہے جو انسان کے خون میں دوڑ کر اس کی صلاحیت اور استعداد اور فطری قابلیتوں کی تشکیل کرتی ہے۔ دوسری چیز ان صلاحیتوں کی فعلیت کے درجہ سے قریب تر پہنچانے کا کام انجام دیتی ہے یا بسا اوقات فعلیت میں لے آتی ہے اور تیسری چیز ان فعلی کمالات میں پختگی پیدا کر کے ملکہ ذاتی بناتی اور ان میں استحکام پیدا کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ میں یہ تینوں باتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ آپ کے خاندانی خصوصیات وہ تھے جس کی نظیر دوسرے شخص میں پائی نہ جاتی تھی اور یہ خصوصیت وہ تھی جس کے لحاظ سے آپ کے مخالف گروہ کو اپنی فوقیت ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ ملتی تھی سوا ظلم و جبر اور قہر و استبداد کے۔ انہیں ایک خاص احساس کمتری کے ساتھ آپ کے بلند خصوصیات کو خود اپنی زبان پر لانا پڑتا تھا اور جواب دینے ہی کے ارادہ سے ان کا اعتراف کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ یزید نے بھی اپنے دربار میں اس کا اقرار کیا بیشک ان کی ماں میری ماں سے بہتر اور ان کے نانا میرے نانا سے بہتر تھے۔ ان خاندانی خصوصیات کے ساتھ جو ظاہری اسباب کی بنا پر

حسن فطرت کے ضامن ہیں حسینؑ نے تربیت ایسی بلند پائی تھی جس سے انسان کے اخلاق واوصاف میں بلندی پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو مختلف حالات اور متضاد واقعات کے ایسے دور سے گزرنا پڑا تھا جس میں انسان کو جذبات نفس کے خلاف عقل کی طاقت سے کام لینا پڑتا ہے اس لیے نفس میں پختہ کار، تدبر اور استقلال پیدا ہونا لازمی ہے۔

ان واقعات سے ایک ایسا شخص بھی جو امام حسینؑ کی بحیثیت ایک معصوم ذات کے معرفت نہ رکھتا ہو، یہ ماننے کے لیے مجبور ہے کہ حسینؑ کوئی جذباتی انسان نہ تھے۔ وہ متحمل اور بردبار تھے اور کبھی غصہ اور جوش میں آ کر کوئی کام ایسا نہ کرتے تھے جو نظم وضبط اور سکون کے خلاف ہو۔ سخت سے سخت مواقع پر خاموشی آپ کا ایک مستقل کردار بن گئی تھی بشرطیکہ اس خاموشی سے ان مقاصد کو کوئی ضرر نہ پہنچے جن کے وہ خود اور ان کے نانا، باپ اور بھائی محافظ رہے تھے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی صلح کل متحمل اور امن پسند ذات کسی ایسے اقدام کے لیے تیار نہیں ہو سکتی جس میں وہ اور اس کے تمام ساتھی بلکہ تہ تیغ ہو جائیں۔ جب تک ایسے اہم اور غیر معمولی اسباب پیدا نہ ہو جائیں جن کے بعد وہ ایسا کر گزرنا خالق کی طرف سے اپنا فرض سمجھتے چنانچہ جب ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ ایسا کر گزرتا ہے اور اس سے اس کے نفس کی ارادی طاقت اور عملی قوت کی پختگی اور اپنے ذاتی جذبات کو فرائض کے مقابلہ میں فنا کر دینے کی وہ بلند منزل ظاہر ہوتی ہے جس پر ہر انسان نہیں پہنچ سکتا۔

نفسانیت کی فنا اور فرض شناسی کا ملکہ یہی وہ ایک جامع اور وسیع مفہوم ہے جس کے تحت میں انسانی کردار کے تمام مظاہرات جزئی وکلی طور پر داخل ہو جاتے ہیں مگر حضرت امام حسینؑ کے کمالات واوصاف کی تشریح کے لیے جب اہل معرفت نے قلم

اٹھایا تو اس پر اجمالی تبصرہ کے لیے بھی بلند ترین الفاظ تلاش کرنا پڑے اور تفصیل کے موقع پر بھی زیریں روایات سامنے آئے۔

ابن ابی شیبہ مشہور محدث نے امام حسینؑ کا حال درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''آپ قرآن کے عالم اور اس پر عالم، زہد و تقویٰ کے جوہر کے حامل، پاکیزہ خصال، پرہیز گار، سخی، شیریں بیان اور خدا کی معرفت رکھنے والے اور ذات الٰہی کا ایک ثبوت تھے۔''

آخری فقرہ سے ظاہر ہے کہ لکھنے والا پہلے تو اوصاف کے اظہار میں مجبوری ان الفاظ کو صرف کرتا رہا جو معمولی درجہ کے علماء اور زہاد کے متعلق بھی صرف ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اس کا حوصلہ اظہار ان الفاظ کی کوتاہی سے تنگی کرنے لگا اور اس نے آخری الفاظ میں صفات انسانی کی معراج کمال کا پتہ دے دیا کہ وہ اپنے خالق کے اوصاف کا مظہر بن جائے۔ علامہ ابن عربی نے اسی لیے پہلے ہی کوتاہ دامن الفاظ کے دفتر کو تہہ ہی رکھنا مناسب سمجھا اور انہوں نے کہہ دیا کان الحسین السبط اٰیتہ من اٰیات اللّٰہ ۔ ''سبطِ رسولؐ امام حسینؑ خدا کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تھے۔'' یہ اختصار بیان اوصاف میں وہ ہوتا ہے جو ہزار تفصیلوں سے بڑھ کر فائدہ دیتا ہے۔

حسینؑ بے شک ذاتِ الٰہی کا ثبوت اور اس کی بڑی نشانی تھے۔ اسی لیے خدا کو نہ ماننے والوں کا بھی حسینؑ کو دیکھ کر دل چاہنے لگتا ہے کہ خدا کو مان لیں یا ماننے لگتے ہیں۔ جیسا کہ جوش ملیح آبادی نے کہا ہے

ہاں وہ حسینؑ جس کا ابد آشنا ثبات	کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات	ایک کارساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھنچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

عبادت آپ کی یعنی وہ جسے عام طور پر عبادت سمجھا جاتا ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے تو آپ کا ہر عمل رضائے پروردگار کی غرض سے اور فرض کے احساس کا نتیجہ ہوتا تھا۔ اس لیے کوئی حرکت وسکون بھی آپ کا عبادت سے باہر نہ تھا مگر اس محدود مفہوم کے لحاظ سے بھی جس کے اعتبار سے لوگ انسان کو عابد کہتے ہیں۔ آپ کی عبادت دنیا کے لیے ایک بے مثال نمونہ تھی۔ رات دن کی نماز گزاری اور مسلسل روزہ داری کے علاوہ پچیس حج آپ نے پا پیادہ کیے۔

ان تمام حجوں کے واقعات اور زمانہ کی تعیین سے ہمارے موجودہ معلومات کوتاہ ہیں ایک مرتبہ کے سفر حج کا تذکرہ یہ ملتا ہے کہ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں امام حسینؑ اپنے والد بزرگوار جناب امیرؑ کی معیت میں حج کے لیے گئے مگر آپ سقیا اور عرج کے درمیان تھے کہ بیمار پڑ گئے۔ عبداللہ بن جعفر آپ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت علیؑ شاید کچھ آگے بڑھ چکے تھے۔ آپ کو بھی خبر دی گئی۔ آپ اسماء بنت عمیس کو لے کر تشریف لائے۔ تقریباً بیس دن تک اور ایک روایت کے مطابق چالیس دن تک تیمارداری ہوتی رہی۔ تب آپ صحیح وسالم ہو کر مدینہ واپس آئے۔ لیکن یہ واقعہ اگر درست ہو تو اس تعداد سے خارج ہو گا۔ وہاں ایک مرتبہ کا یہ تذکرہ ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی امام حسنؑ دونوں شاہزادے پیادہ حج کے لیے جا رہے تھے۔ اتفاق سے راستے میں حاجیوں کا قافلہ بھی ان تک پہنچ گیا۔ اب جوان شاہزادوں کو لوگوں نے پیادہ دیکھا ہر شخص جس کی نظر پڑتی وہ فوراً ان کے احترام کے لحاظ سے سواری سے اتر پڑتا۔ کچھ دیر تو لوگ ساتھ ساتھ پیادہ چلتے رہے۔ آخر طاقت رفتار نے جواب دیا۔ سب مل کر

سعد بن ابی وقاص کے پاس آئے جو اس قافلہ میں سن رسیدہ صحابی تھے۔ ان سے آ کر کہا کہ اب تو راستہ چلنا ہم لوگوں پر بہت بار ہے۔ مگر یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم لوگ سوار ہوں اور یہ دونوں سردار پا پیادہ راستہ طے کریں۔ سعد، امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض پر پیادہ چلنا نہایت شاق ہو رہا ہے۔ مگر لوگ جب آپ دونوں بزرگواروں کو پیادہ چلتے دیکھتے ہیں تو ان کا دل نہیں چاہتا کہ وہ سوار ہو کر راستہ چلیں۔ اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ دونوں حضرات سوار ہو جائیں۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ہم نے اپنے اوپر فرض یہی قرار دیا ہے کہ ہم خانہ کعبہ کی طرف اپنے پیروں سے چل کر جائیں۔ مگر لوگوں کو تکلیف دینا بھی ہمیں گوارا نہیں ہے اس لیے ہم اس راستے کو چھوڑے دیتے ہیں چنانچہ وہ دونوں بزرگوار شاہراہ سے ہٹ کر دوسرے راستے سے روانہ ہو گئے۔ ایک مرتبہ کے حج کا یہ تذکرہ ہے کہ آپ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن حسنؑ آپ کے ساتھ تھے اور حالتِ احرام میں ابواء کے مقام پر ان کی وفات ہو گئی۔

عبادتِ الٰہی کے ساتھ جو دلی وابستگی تھی اس کا اندازہ آپ کو امام حسینؑ کے ان الفاظ سے بھی ہو سکتا ہے جو ۹ محرم کی سہ پہر کو آپ نے ایک شب کی مہلت طلب کرنے کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔ آپ نے کہا کہ اس شب کو ہم عبادت و ذکر الٰہی میں بسر کر لیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مجھے اس کی عبادت و ذکر سے کتنی محبت ہے۔ چنانچہ یہ شب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس طرح گزاری کہ۔ لھم دوی کدوی النحل۔ یعنی ان کے تسبیح و تہلیل اور ذکر و مناجات کی آوازرات کے تاریک سناٹے میں اس طرح گونج رہی تھی کہ جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آواز بلند ہوتی ہے۔ اور روزِ عاشورہ ایسے سخت وقت میں نماز باجماعت ادا کی جب کہ موت کا بازار گرم تھا۔ کربلا کی

زمین پر خون کی بارش الگ تھی۔ تیروں کی بارش الگ تھی اور گرمی سے آگ الگ برس رہی تھی مگر اس موقع پر ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ یوں ادا ہوئی کہ دو جان نثاروں کو محافظت کے لیے سامنے کھڑا کیا کہ جو تیر آئے اسے اپنے سینہ پر روکیں۔ اِدھر نماز تمام ہوئی اور ادھر ان میں سے ایک صحابی سعید بن عبداللہ حنفی زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرے۔ اس طرح امام حسینؑ نے خالق کی عبادت اور فریضہ نماز کی اہمیت دنیا میں ثابت کی۔

اسی کے ساتھ آپ فیاض تھے۔ اور خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی فکر رکھتے تھے۔ اس کے واقعات تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔

خود رسول اللہؐ نے اپنے اس نواسے کے اندر بچپنے ہی سے اس صفت کو کچھ ایسا نمایاں پایا کہ ارشاد فرمایا۔ اما الحسن فان لہ ھیبتی و سوددی و اما الحسین فان لہ جودی و شجاعتی (یعنی) حسنؑ کے لیے میرا رعب وداب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری بہادری۔ یوں تو حسینؑ اوصافِ رسولؐ کے وارث تھے ہی لیکن خصوصیت سے اپنی سخاوت و شجاعت بخشنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے یہ اوصاف دیگر اوصاف سے ضرور کچھ امتیاز رکھتے ہیں۔

خدمتِ خلق اور نوعِ انسانی کی ہمدردی کے بہترین جذبہ کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی بھی تلقین فرمائی ہے کہ اس بارے میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہیے۔ یعنی سائل جتنا صفات کے اعتبار سے قابل عزت ہو اور علم و معرفت میں بلند درجہ رکھتا ہو اتنا اس کے ساتھ سلوک بہتر کیا جائے۔ اس کا بہترین ثبوت یہ واقعہ ہے کہ ایک اعرابی امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تسلیم بجا لایا اور عرض حال کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نے آپ کے جدِ بزرگوار کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی

حاجت پیش کرنا ہو تو چار قسم کے آدمیوں میں سے کسی ایک کے سامنے پیش کرنا۔ یا تو شریف النفس عرب یا سخی سردار یا حامل قرآن یا وجیہہ وشکیل انسان۔ آپ میں یہ چاروں صفتیں جمع ہیں۔ عرب قوم' اس کو تو شرف آپ کے جد بزرگوار سے حاصل ہوا۔ اور سخاوت' یہ آپ کا شیوہ اور خصلت ہے۔ اور قرآن' وہ آپ ہی کے گھر میں نازل ہوا اور خوبصورتی' اس کے متعلق میں نے آپ کے جدِ بزرگوار کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے دیکھنا ہو تو حسنؑ وحسینؑ کو دیکھ لینا۔ یہ پرمعرفت تقریر سن کر حضرت نے فرمایا کہ تمہاری حاجت کیا ہے؟ اس نے اپنی حاجت زمین پر لکھ دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کا یہ قول سنا ہے کہ ہر انسان کی قدر و قیمت وہی ہے کہ جو اس میں ہنر موجود ہے' اور میں نے اپنے جدِ بزرگوار کا ارشاد یہ سنا ہے کہ احسان بقدر معرفت ہونا چاہیے۔ اس لیے میں تم سے تین سوال دریافت کرتا ہوں۔ اگر تم نے ایک سوال کا جواب ٹھیک دیا تو تم کو میں ایک تہائی مال دے دوں گا۔ اگر دو جواب تم نے ٹھیک دیے تو دو تہائی مال دوں گا اور اگر تم نے تینوں سوالوں کا جواب درست دیا تو جو کچھ میرے پاس موجود ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔ میرے پاس مال دنیا سے اس وقت یہ ایک تھیلی ہے' زرِ نقد کی جو عراق سے بھیجی گئی ہے۔ اس نے کہا۔ پوچھئے! اللہ میری مدد کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ بتاؤ کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ اس نے کہا۔ اللہ پر ایمان لانا۔ پوچھا کہ اچھا بندہ کی نجات کا ذریعہ ہلاکت سے کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ حضرت نے فرمایا۔ انسان کی زینت کیا ہے؟ اس نے کہا علم جس کے ساتھ عقل موجود ہو۔ فرمایا' اگر یہ نہ ہو؟ اس نے کہا پھر مال ہو جس کے ساتھ سخاوت ہو۔ فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو؟ اس نے کہا پھر فقیری ہو جس کے ساتھ صبر موجود ہو۔ حضرت نے فرمایا اور اگر یہ بھی نہ ہو تو؟ اس نے کہا' تو پھر ایک بجلی گرے اور اس شخص کو جلا کر خاکستر کر دے۔

حضرت ہنسنے لگے اور وہ پوری تھیلی اس کی جانب پھینک دی۔

یہ طرزِ عمل غرباء اور مساکین کو معلومات مذہبی حاصل کرنے کا بہترین محرک تھا اور اس ذریعہ سے عوام میں علوم و معارف کی اشاعت ہوتی تھی۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ خود اپنے تمام صفاتِ جلیلہ کے ساتھ ساتھ عالم تھے۔ ایسے، جن سے لوگ مذہبی مسائل اور اہم مشکلات میں رجوع کرتے تھے۔ عرب کی مثل ہے الناس اعداء لما جھلواً. لوگ دشمن ہوتے ہیں اس چیز کے جس کو وہ نہ جانتے ہوں۔'' رؤساء اور حکام جو خود علم و ہنر سے بے بہرہ ہوا کرتے ہیں۔ اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے عام افراد کی علمی سطح کو پست رکھنے کی فکر کرتے اور لوگوں کی نظر میں علم و ہنر کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوش کرتے ہیں لیکن اسلام کے حقیقی رہنما ہمیشہ مسلمانوں کی علمی سطح کے بلند کرنے میں منہمک رہے۔ حضرت علیؑ کی زندگی اسی میں گزری اور آپ کے فرزند اسی راستے پر قائم رہے۔

علاوہ ان خطبات اور اشعار کے جو آپ کی زبانی منقول ہیں اور جو علم آلہیات اور معارفِ حقہ کے خزانہ دار ہیں یا ان دعاؤں اور مناجاتوں کے جو آپ کے زبان سے نکلی ہیں اور جن میں سے بعض کا مجموعہ ''صحیفہ حُسینیہ'' کے نام سے اس وقت بھی موجود ہے اور خالق و مخلوق کے باہمی ربط کی بے نظیر آئینہ دار ہیں اگر جوامع حدیث کی سیر کی جائے تو ان میں مسائل فقہہ کے بارے میں کثیر احادیث آپ سے منقول ملیں گے۔

اس وقت بھی جب آپ اہل حرم کو لے کر مکہ معظّمہ سے برآمد ہوئے ہیں اور سفر غربت اختیار کیا ہے تو راستے میں فرزدق بن غالب شاعر سے ملاقات ہوئی اور اس نے کچھ مسائل آپ سے نذر اور مناسک حج کے متعلق دریافت کیے اور ان کا جواب حاصل کیا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ کربلا میں آپ کے اصحاب کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ عوام نہیں تھے بلکہ اس وقت کی اسلامی جماعت کی پوری روح اور علم وعمل کا مکمل خزانہ تھا جو حسینؑ پر نثار ہو رہا تھا۔ ان میں حافظانِ قرآن بھی تھے، عالمانِ کتاب بھی اور حاملانِ حدیث بھی۔ ان کے جذب اور کشش کا مرکز کوئی ہو ہی نہیں سکتا سوا ایسی ذات کے جو خود ان صفات میں بلند تر درجہ رکھتی ہو۔ بلکہ جو آپ کے خاندانی مخالف تھے وہ بھی آپ کی بلندی مرتبہ اور برتری صفات کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں ایک مجمع تھا جس میں ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی موجود تھے۔ ادھر سے حضرت امام حسینؑ کا گزر ہوا اور آپ نے تعلیم اسلام کے مطابق مجمع کو سلام کیا۔ سب نے جوابِ سلام دیا۔ اس وقت عمروِ بن العاص کے فرزند عبداللہ چپ رہے۔ جب سب جواب دیکر خاموش ہو گئے تو انہوں نے آواز بلند کی اور کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا' کیا میں آپ لوگوں کو بتلاؤں کہ اہلِ زمین میں سب سے زیادہ محبوب شخص اہل آسمان کا کون ہے؟ سب نے کہا' ضرور بتلائیے۔ انہوں نے کہا' وہ یہی راستے سے گزرنے والا ہے۔ انہوں نے مجھ سے جنگ صفین کے بعد سے اب تک بات نہیں کی اور اگر یہ مجھ سے کسی طرح راضی ہو جائیں تو یہ میرے لیے سرخ رنگ کے اونٹوں سے زیادہ محبوب چیز ہوگی۔

یہ عبداللہ خاندان بنوامیہ میں زہدوتقویٰ اور عبادت وریاضت میں مشہور تھے۔ مگر جنگ صفین میں اپنے باپ عمرو بن العاص کے ساتھ حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کے لیے آگئے تھے۔ اس وقت سے حضرت امام حسینؑ نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی، مگر اس کے باوجود ان کے دل پر حضرت کے بلند اوصاف کا اس درجہ اثر قائم تھا۔ راست بازی میں داخل ہے۔ اخلاقی جرأت۔ حسینؑ میں اخلاقی جرأت ایسی تھی کہ بچپنے میں خلیفہ دوم کو منبر پر ٹوک دیا اور فرمایا۔ انزل عن مجلس ابی. ''اتر پڑو میرے باپ کی جگہ سے۔''

حضرت عمر نے کہا۔ سچ کہتے ہو صاحبزادے، تمہارے ہی باپ کا منبر ہے، خدا کی قسم میرے باپ کا منبر نہیں۔

راست بازی اور راست کرداری کا کھلا ہوا نمونہ یہ تھا کہ آپ نے معرکہ کربلا کے پہلے مکہ سے روانگی کے بعد اپنی جماعت کی تعداد کو قائم رکھنے کے لیے کبھی آئندہ کے خطرات کو پوشیدہ نہیں کیا بلکہ برابر صورت حال سے مطلع کرتے رہے اور بار بار آئندہ کے خطرات کو یقینی بنا کر ساتھ والوں کی حفاظت جان و مال کے لیے الگ ہو جانے کا مشورہ دیا اور یہ طریقہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ کسی ایک شخص کے بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان سمجھا جا سکتا تھا۔

آپ امن پسند بھی ایسے تھے کہ آخر وقت تک دشمن سے صلح کرنے کی خود اپنی طرف سے کوشش جاری رکھی مگر اس کے ساتھ عزم و استقلال اور ہمت ایسی رکھتے تھے کہ جان دے دی مگر جو راستہ پہلے دن صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا تھا اس سے ذرہ بھر بھی نہ ہٹے۔

انہوں نے بحثیت ایک فرزند کے باپ کی اطاعت کی اور چھوٹے بھائی ہو کر بھائی کی اطاعت کی۔ اس طرح کہ ان کی وفادارنہ اطاعت میں کبھی کمزوری نظر نہ آئی اور پھر بحثیت ایک سردار کے کربلا کے واقعہ میں ایک پوری جماعت کی قیادت کی۔ اس طرح کہ ان کے نظم قیادت کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی نگاہ نے مردم شناسی کا وہ حیرت انگیز نمونہ پیش کیا کہ اتنے سخت اور دشوار گزار راستے کے لیے جن ساتھیوں کو منتخب کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا ان میں سے ایک نے بھی وفاداری اور جان نثاری میں کمی نہ کی اور سب یک جان و یک دل ہو کر مقصد حق کے لیے کوشاں رہے یہاں تک کہ جانیں قربان کر دیں۔

امام حسینؑ کے ارشادات

بلند مرتبہ افراد میں بھی بیشتر وہی افراد ہوتے ہیں جن کے اقوال کو ان کے اعمال پر نمایاں فوقیت حاصل ہوتی ہے مگر حسینؑ کا کردار بذات خود اتنا بلند تھا کہ اس نے دنیا کی زبان اور اس کے قلم کی تمام تر توجہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا لہٰذا آپ کے ارشادات کو یکجا کرنے کی زیادہ کوشش نہیں کی گئی۔ پھر بھی آپ کے ارشادات متفرق طور سے مختلف کتابوں میں کچھ نہ کچھ مل ہی جاتے ہیں اور وہ بڑی حد تک آپ کی زندگی کے مختلف حصوں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں نظم بھی ہیں اور نثر بھی۔

چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

۱۔ جس نے دیا لیا' اس نے سرداری پائی اور جس نے کنجوسی کی اس نے ذلت اٹھائی۔

۲۔ سخی وہی ہے جس نے اس کو بھی دیا جو اس سے کوئی توقع نہ رکھ سکتا ہو۔

۳۔ جس کو خدا نے دیا ہے وہ اوروں کو بھی دے۔

۴۔ اہل حاجت کا تمہارے پاس آنا بھی تم پر خدا کی نعمتوں میں سے ہے۔

''خدا سے لو لگا کر مخلوق سے بے نیاز ہو جاؤ تو پھر کسی جھوٹے سچے کی تمہیں پروا نہ رہے گی۔ مانگنا ہو تو خدا ہی سے مانگو۔ غیر خدا روٹی دینے والا نہیں ہے۔ جس کا خیال ہو کہ لوگ اس کو غنی کر دیں گے اس کو خدا پر اعتماد نہیں اور جو یہ سمجھتا ہو کہ لوگ اس کے لیے کافی ہیں وہ یقیناً بڑی پستی میں گرنے والا ہے۔

''ادھر تو مال والوں کے مال بڑھتے ہیں اور ادھر ان کے افکار و اشغال میں

اضافہ ہوتا ہے۔"

ابن کثیر نے "ہدایۃ النہایہ" میں اسحٰق بن ابراہیم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے جنت البقیع میں قبور شہداء کی زیارت کی اور حسب ذیل اشعار پڑھے:

نادیت سکان القبور فاستکوا	فاجابنی عن صمتھم ترب الحشا
قالت اتدری ماصنعت لیساکنی	مزقت لحمھم و خرّقت الکسا
وحشوت اعینھم ترابا بعد ما	کانت تاذی بالیسیر من القذا
اما العظام فاننی مزقتھا	حتیٰ تباینت المفاصل والشویٰ
قطعت ذامن ذاومن ھذاکذا	فترکتھا مما یطول بھا النبلیٰ

"میں نے قبروں کے رہنے والوں کو آواز دی تو وہ خاموش رہے مگر مجھے جواب دیا ان کی خاموشی پر خاکِ مرقد نے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے رہنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ میں نے ان کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے اور کھال کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کے اندر مٹی بھر دی ہے حالانکہ اس سے پہلے ذرا سا تنکا پڑ جاتا تھا ان کی آنکھ میں تو چین نہ آتا تھا رہ گئیں ہڈیاں، وہ بھی جدا جدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ جوڑ بند صاف ظاہر ہیں۔ میں نے اس کو اس سے اور اُس کو اِس سے الگ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ بوسیدگی و کہنگی کے آثار ان سے ہویدا ہو گئے ہیں۔"

ذھب الذین احبھم	وبقیت فیمن لااحبّہ
فیمن اراہ یسبنی	ظھرالمغیب ولا اسبّہ
یبغی فسادی مااستطاع	وامرہ ممّا اربّہ

ء ذاک مـمّـا لاادبّـه	حـنـقـا یدبّ الی الضرّا
حـولـی یـطـنّ ولا یذبّـه	ویـریٰ ذبـاب الشّـرمن
افـلا یـزال بـه یشبّـه	واذاخبـا و عـزالصدّر
افـلایشـوب الیـه لبّـه	فـلایـعیـح بـعـقـلـه
مـمـا یسـورالیـه غبه	افـلایـریٰ ان فـعـلـه
مـا اخـئشی والبغی حبّه	حسبـی بـربـی کـافیـا
فـمـاکـفـاه اللّـه ربّـه	ولـقـدمـن یـغـی علیـه

''گزر گئے وہ افراد جن کو میں محبوب رکھتا تھا اور اب میں رہ گیا ہوں ایسے لوگوں میں جو مجھے کسی طرح پسند نہیں۔ ان کا کردار یہ ہے کہ میں انہیں ذرا بھی برا بھلا نہیں کہتا۔ مگر وہ پیٹھ پیچھے مجھے گالیاں دیتے رہتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ میرے نقصان کے درپے رہتے ہیں۔ درانحالیکہ میں ان کو فائدہ پہنچاتا رہتا ہوں۔ وہ گردوپیش شرارتوں کے مگس اڑاتے دیکھتے ہیں مگر اتنا نہیں کرتے کہ انہیں ہٹا دیں بلکہ جب دلوں میں عداوت کی آگ بجھنے لگتی ہے تو وہ اسے اور ہوا دے دیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی سمجھ سے کام لیں؟ کیا ایسا نہ ہوگا کہ ان کی طرف عقل واپس آئے؟ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نتیجتاً خود انہی کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا۔ میرے لیے میرا پروردگار کافی ہے جس کے ہوتے ہوئے مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں۔ ناممکن ہے کہ کسی پر ظلم وستم کیا جائے اور خدا اس کی مدد نہ کرے۔''

ابن صباغ مالکی نے "فصول مہمہ" میں علی بن عیسیٰ اربلی نے "کشف الغمہ" میں ابن خشاب کی روایت سے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

اذاما عضک الدھر	فلاتجنح الیٰ خلق
ولاتسائل سوی اللہ	تعالیٰ قاسم الرّزق
فلوعشت و طوّفت	من الغرب الی المشرق
لما صادفت من یقد	وان لیسعد اویشقی

"جب زمانہ کے دانت تمہیں زخمی کریں تو خلق خدا کی طرف کبھی نہ جھکو اور سوا خدائے برتر کے جو رزق کا تقسیم کرنے والا ہے کسی سے سوال نہ کرو۔ اس لیے کہ مغرب سے مشرق تک چکر لگانے کے بعد بھی تم کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو مقدر کو بنا یا بگاڑ سکتا ہو۔"

"اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ دنیا کوئی اچھی جگہ ہے تب بھی خدا کے اجر و ثواب کا محل زیادہ بلند و برتر ہے اور جب کہ یہ صحیح ہے کہ اجسام پر موت کا طاری ہونا لازم ہے تو انسان کا راہِ خدا میں تہ تیغ کر دیا جانا زیادہ بہتر ہے۔ اور جب کہ یہ حقیقت ہے کہ رزق میں ہر ایک کا حصہ معین ہے تو اس کے بارے میں ہوس سے کام نہ لینا ہی انسان کے لیے مناسب ہے۔ اور جب کہ یہ یقینی ہے کے اموال جمع ہوتے ہیں بعد میں چھوڑ جانے کے لیے تو کیا یہ حماقت نہ ہوگی کہ ایسی چیز کے بارے میں انسان بخل سے کام لے۔"

ایک شخص نے حضرت کو لکھا کہ مجھے دو جملوں میں موعظہ فرمائیے۔ آپ نے تحریر فرمایا۔ "من حال وامرأ بمعصیتہ اللہ کان افوت لما یرجو واسرع

لمجیی ء مایحذر،، ''جو شخص اللہ کی نافرمانی کر کے کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہے گا اپنے توقعات میں ناکام اور خطرات سے زیادہ نزدیک ثابت ہوگا۔''

مندرجہ بالا مقالات اور اشعار کو نظرِ غائر سے دیکھنے پر حسب ذیل تعلیمات ان میں نمایاں طور پر موجود پائے جاتے ہیں۔

1 ۔ ذاتِ الٰہی پر توکل۔ یعنی ہم کو کسی نفع کی امید، کسی ضرر سے تحفظ کی توقع اور کسی خواہش کی تکمیل کا آسرا اللہ کے غیر سے نہ رکھنا چاہیے۔ یہ وہ دشوار منزل ہے کہ کہنے کو جو بھی چاہے کہہ دے لیکن حقیقتاً عملی حیثیت سے اس راہ میں جو بھی قدم رکھے وہ ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جائے۔

انسان سچائی کے راستے سے الگ ہوتا ہے۔ زیادہ تر طمع مال وزر کی بدولت یا پھر خطرہ امروز اور اندیشہ فردا کے سبب سے مگر جب یہ خیال پورے طور پر کسی کے دل و دماغ پر چھا جائے کہ خدا کی مشیت کے خلاف نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ حق سے منحرف نہیں کر سکتی۔

یاد رہے کہ اللہ اپنے ماننے والوں کے صحیح عقیدہ کے مطابق وہ پاک و منزہ ذات ہے جو صرف نیکی کو پسند کرتی ہے اور برائی سے نفرت رکھتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی ایک ایسی بزرگ و برتر ذات کو اپنے تفکرات واحساسات کا مرکز بنا لے گا تو اس کے لیے ناممکن ہے کہ بھول کر بھی وہ برائی یا ظلم کے قریب جائے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی جگہ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا جو دنیوی نفع اور نقصان کی پروا کرتا یا کسی مادی طاقت کو قبلہ حاجات سمجھتا یا اس کے اقتدار سے مرعوب کیا جا سکتا تو بالفرض وہ یزید کی بیعت شروع میں نہ بھی کرتا تو اس وقت تو ضرور کر لیتا کہ جب حکومت باطل کا ہزاروں کا لشکر اس کے خلاف صف بستہ ہوتا اور ان کے ظلم و تشدد کی بجلیاں آنکھوں کے سامنے کوندنے لگتیں

مگر حضرت امام حسینؑ، آپ تو دنیا کی کسی طاقت اور حکومت کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اس لیے راہِ حق سے آپ کو کوئی شے ہٹا ہی نہیں سکتی تھی۔

2۔ خلق خدا کی ہر حال بہی خواہی اور فائدہ رسانی کی فکر ہونا جس کا بلند معیار یہ ہو کہ اس بارے میں اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن کی تفریق کو بھی کام میں نہ لایا جائے۔

یہ بات اس صورت میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی کہ جب ہمارے تعلقات دوسروں کے ساتھ مادی بنیادوں پر قائم ہوں اس لیے کہ ایسی صورت میں طبعی میلانات ور جحانات کی بنا پر نزدیک و دور اور موافق و مخالف کے امتیازات کا بروئے کار آنا لازمی ہے۔ البتہ یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب ہمارا تعلق دوسروں کے ساتھ اس مشترک رشتہ کی بنا پر ہو جو ہم سب کو ایک خالق کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی ایک سلسلہ وحدت میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ صحیح معنی میں غرض خلقت کو سمجھتے ہوئے عمومی طور پر تمام خلق کو اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں اور اس کو اپنے اوپر خدا کا ایک احسان سمجھیں کہ اس نے ہمارے ذریعہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایسے لوگوں پر بھی احسان کیا جائے گا جو عام عادات و خصائل کی بنا پر اس سے توقع نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً ایک دشمن اپنے دشمن سے کب اس کی امید کر سکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے گا مگر بلند معیار فیاضی کا یہی ہے کہ اس کو بھی اپنے انعام سے محروم نہ کیا جائے۔

3۔ مادی زندگی کے تاریک پہلوؤں پر توجہ، ان کا لحاظ رکھنے سے تمام لذائذ دنیا ہماری نظر میں ہیچ ہو جائیں گے اور ہم اللہ کے ساتھ وابستگی پیدا کر کے نیکی کے

راستے پر قائم رہنے ہی کو اپنی بہترین کامیابی سمجھنے لگیں گے۔

مجموعی حیثیت سے مذکورہ بالا تمام تعلیمات میں وزن پیدا ہوا ہے۔ امام حسینؑ کے عمل اور بلندی کردار سے جس نے ان میں سے ہر ہر مقولہ اور تعلیم کو چلتی پھرتی تصویر کی شکل میں آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اس طرح کہ یہ ارشادات صرف آپ کے خیالات ہی کے حامل نہیں رہے بلکہ ایک سچے عملی انسان کی تاریخ زندگی بن گئے۔

امام حسینؑ کے اس طرح کے اقوال آپ کی زندگی کے کسی ہنگامی یا اتفاقی موقع سے متعلق نہ تھے بلکہ آپ کے روزمرہ کے نظام زندگی کا ایک جزو تھے چنانچہ روزانہ کی نمازوں میں جو مختلف قنوت آپ پڑھا کرتے تھے وہ بھی اسی طرح کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک قنوت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

اللّٰهم منک البدء ولک المشیئة ولک الحول ولک القوة. اللّٰهم وانّی مع ذلک کله عائذ بک لائذ بحولک و قوتک راض بحکمک الذی سبق الّی فی علمک جار بحیث اجریتنی قاصد ما اممتنی غیر ضنین بنفسی فما یرضیک عنّی اذبه قدر اضیتنی ولا قاصر بجهدی عما الیه ند بتنی مسارع لما عرفتنی شارع فیما اشرعتنی مستبصر فیما بصرتنی مراع ما ارعیتنی فلا تخلنی من رعایتک ولا تخرجنی من عنایتک لاتقعدنی عن حولک ولا تخرجنی عن مقصد انال به ارادتک واجعل علی البصیرة مدرجتی وعلی الهدایته محجتی وعلی الرشاد مسلکی حتیٰ

تسیلنی امنیتی و تحل بی علی مابه اردتنی وله خلقتنی والیه أویت بی.

''خداوند تیری ہی طرف سے انعام واحسان کی ابتداء ہے اور جو کچھ مشیت اور طاقت وقوت ہے وہ صرف تیری ہے۔ اس سب کے ہوتے ہوئے میں تیری ہی طرف پناہ لیتا ہوں اور تیری ہی قوت و طاقت کا سہارا ڈھونڈتا ہوں اور تیرے اس فیصلہ پر راضی ہوں جو میرے بارے میں تو پہلے ہی کر چکا ہے۔ میں چلنے والا ہوں اسی راستے پر جس پر کہ مجھے تو نے چلایا ہے اور قصد رکھتا ہوں وہی جو تیری مرضی کے مطابق ہو اور ان امور کے متعلق جو تیری رضامندی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اپنے نفس کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتا نہ میں اپنی طرف سے تیرے احکام کی تعمیل میں جدوجہد کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہونے دیتا ہوں' بلکہ تیزی سے چلتا ہوں اسی راستے پر جس کی تو نے مجھے ہدایت کی اور عہدہ برآ ہوتا ہوں میں ان فرائض سے جن کا تو نے مجھے محافظ قرار دیا ہے۔ اب تو بھی مجھے اپنی حمایت میں رکھ اور اپنی نظر رحمت سے مجھے علیحدہ نہ کر اور اپنی طاقت کی امداد سے مجھے محروم نہ کر اور اس مقصد سے الگ نہ کر جس کے ماتحت میں تیری مشیت کو پورا کرنا چاہتا ہوں اور بصیرت پر قرار دے میری رفتار کو اور ہدایت پر میرے مسلک کو اور صحیح منزل کی سمت میرے راستے کو یہاں تک کہ مجھے پہنچا تو میری آرزو تک اور مجھے اتار تو اسی منزل پر جس کا تو نے میرے لیے ارادہ کیا اور جس کے لیے تو نے

مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف تو نے مجھے متوجہ کیا۔"

کیا اس قنوت کے الفاظ ظاہر بظاہر آپ کے کسی عزم مستقل کی ترجمانی نہیں کرتے' کیا ان سے مجمل طور پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ آپ بس کسی خاص مقصد کی خاطر اپنی زندگی کو وقف کیے ہوئے تھے اور یہ کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خالق کے اشاروں کا تابع ہے۔

۶۰ھ تک یہ الفاظ قول تھے اور ۶۱ھ ہجری میں وہ عمل بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ یہ دعا بھی حضرت امام حسینؑ کی ہے جو آپ قنوت میں پڑھتے تھے:

اَللّٰھم من أویٰ الیٰ مأوی فانت مأوای ومن لجألیٰ ملجأ فانت ملجای واحرسنی فی بلویٰ من افتتان الامتحان ولمّته الشیطان بعظمتک التی لایشوبھا ولع نفس بتفتین ولا وارد طیف بنتظنین ولایلّم بھا فرح حتیٰ ثقلبنی الیک بارادتک غیر ظنین ولا مظلون ولا مراب ولا مرتاب.

خداوند تیرے سوا کسی کی طرف اگر کوئی پناہ لیتا ہے تو لیا کرے۔ میرا پناہ دینے والا تو صرف تو ہے۔ تو اپنی اس عظمت کے ساتھ جس پر نہ کسی کی نفسانی خواہش اثر انداز ہو سکتی ہے اور نہ بدظنی اور نہ اس میں کسی طرح کی بدگمانی اور کسی وقتی خوش مزاجی کا دخل ہے۔ آزمائش کے موقع پر مجھے محفوظ رکھ فتنہ میں مبتلا ہونے اور شیطانی جماعت سے مرعوب ہو جانے سے۔ یہاں تک کہ تیری طرف میری بازگشت ہو۔ تیرے منشاء کے مطابق۔ اس طرح سے کہ نہ میرے دل میں برے خیالات ہوں اور نہ دوسرے میری نسبت برے خیالات قائم کر سکیں۔ نہ دوسروں کے متعلق میں کسی شک میں مبتلا ہوں اور نہ میرے متعلق دوسروں کو شک ہو سکے۔"

آپ صبح و شام دونوں وقت حسب ذیل دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللّٰھم انّی اسلمت نفسی الیک و وجھت وجھی الیک و فوّضت امری الیک اللّٰھم انک تکفینی من کل احد و لا یکفینی منک احد.

''خداوند میں تیرے سپرد کیے ہوئے ہوں اپنے نفس کو اور تیری طرف موڑے ہوئے ہوں اپنے رخ کو اور دیے ہوئے ہوں اپنے کو تیرے ہاتھ میں۔ خداوندا تو ہر دوسرے شخص کی شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے مجھ کو لیکن تیرا غیر مجھ کو تیرے قہر سے نہیں بچا سکتا۔

بھلا جس شخص کا مستقل عقیدہ یہ ہو اور جس کی زندگی کا نصب العین یہ ہو جس نے رات دن اسی کو سوچا ہو اور اسی کو اپنی زبان سے دہراتا جارہا ہو وہ کہیں ممکن ہے کہ کسی طاغوتی طاقت سے دب جائے اور خدائے قادر توانا کو بھول کر دنیوی جبروت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے؟ یزید امام حسینؑ سے اسی کا تو طالب تھا کہ ''آپ خدا کے راستے سے ہٹ کر شیطان کے راستے پر اس کے ساتھ ہو جائیں۔'' مگر امام حسینؑ نے جو اپنے جان و روح کو کلیتہً خدا کے حوالے کر چکے تھے اس کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔

اس لیے کہ آپ کو یقین کامل تھا کہ یزید میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب تلواریں آپ کے جسم اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھیں اس وقت بھی آپ اپنے اسی یقین پر قائم تھے۔ چنانچہ جب معرکہ کربلا کے نتائج دنیا کی آنکھوں کے سامنے آگئے تو عالم ظاہر میں سب کو اس کا مشاہدہ ہو گیا کہ امام حسینؑ کا خیال حرف بحرف صحیح تھا اس لیے کہ کہنے کو خون بہا امام حسینؑ اور انصار امام حسینؑ کی گردنوں سے' مگر در اصل شہ رگ قطع ہوئی یزید کے اقتدار کی۔ امام حسینؑ زندہ جاوید ہو گئے اور یزید صحیح معنی میں ہلاک و فنا ہوا۔ جو نتیجہ تھا محض امام حسینؑ کی اس قوتِ ارادی کا جس کا مظاہرہ آپ کے اقوال و ارشادات برابر کرتے

رہتے تھے۔

لذتِ حیاتِ دنیا سے سرشار لوگوں کا طریقہ اپنے مخالف کو دھمکانے کا سب سے بڑا ذریعہ موت کا تصور پیدا کر دینا ہے مگر وہ افراد جو راہِ حق میں موت آنے کو ایک ابدی زندگی سمجھتے ہوں اس دھمکانے سے کب متاثر ہو سکتے ہیں؟

امام حسینؑ کا فلسفہ زندگی وہی تھا جس کی امام حسینؑ کو آپ کے والدِ بزرگوار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی طرف سے مخصوص وصیت ہوئی تھی کہ۔ اصبر علی الحق وان کان مرّا۔ سچائی کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو اس پر قائم رہو اور ہر مشکل کا مقابلہ کرو۔'' یہی وصیت امام حسینؑ نے اپنے فرزند امام زین العابدینؑ کو کی اور اسی پر وہ خود مکمل طور سے کاربند رہے۔ کتنے ذلیل و رسوا ہوئے بنی امیہ والے اور کتنی عظیم عزت کے مستحق اور حقدار ٹھہرے بنی ہاشم والے۔

کیا حسینؑ یزید کی بیعت کرتا؟

یاد رہے حسین ابن علیؑ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب رسول خداؐ تک تمام انبیاء کے وارث ہیں۔ جناب علیؑ سے لیکر امام حسن مجتبیٰؑ تک تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام کے وارث حسینؑ ہیں۔ شریعت کے وارث حسینؑ ہیں۔ نبی کونین کا لختِ جگر حسینؑ، علی مرتضیٰ کا نور نظر حسینؑ، فاطمۃ الزہراؑ کے دل کا چین حسینؑ اسلام کے حقیقی وارث حسینؑ، قرآن کے صحیح محافظ حسینؑ، شریعت محمدیؐ کے امین حسینؑ، وہ حسینؑ جس نے آنکھ کھولی آغوش مصطفےٰ میں، وہ حسینؑ جس کا جھولا جھولانے والے جبرائیل امین، پشت رسولؐ پر سوار ہونے والے حسینؑ۔ وہ حسینؑ جس کے لئے سردار انبیاء سواری بنے۔ وہ حسینؑ جسے رسول معظمؐ نے

زبان رسالت چوسا کر خوراک فراہم کردی۔ وہ حسینؑ جن کے آباؤ اجداد کے اسلام پر بہت زیادہ احسانات تھے۔ وہ حسینؑ جو کہ امامؑ تھے' معصوم تھے' جن کی شان میں قرآن کی متعدد آیتیں اتریں۔ وہ حسینؑ قرآن جن کی مدح وسرائی کررہا ہے۔ وہ حسینؑ جن کے باپ علیؑ ہیں۔ وہ حسینؑ جو علیؑ کے فرزند ہیں۔ بس علیؑ علیؑ ہیں۔ حسینؑ حسینؑ ہیں۔ وہ حسینؑ جن کے خاندانی حالات آپ اس کتاب کے پہلے صفحات پر بڑی تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان کی قربانیوں کا آپ پہلے ہی مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اس حسینؑ ابن علیؑ سے یزید ابن معاویہ ابن ابوسفیان ابن حرب ابن امیہ بیعت طلب کررہا تھا۔

امیر معاویہ نے امام حسن مجتبیٰؑ سے معاہدہ کرنے کے باوجود اس معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اپنے کا فرزانی' شراب خور بیٹا یزید کی ولیعہد کا اعلان کیا تھا جبکہ امیر معاویہ یزید کے کردار سے مکمل آگاہ اور واقف تھا۔ لہٰذا جتنی خرابیاں اسلام میں یزید نے پیدا کیں حتیٰ کہ قتل حسینؑ ابن علیؑ جیسا سنگین اور نہ بخشا جانے والا جرم۔ تو ان تمام جرائم میں امیر معاویہ بھی برابر کے شریک تھا کوئی بھی بے عقل انسان امیر معاویہ کو ان جرائم سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔ چونکہ تخت خلافت پر اسی نے یزید کو بٹھایا تھا۔ اگر معاویہ یزید کو تخت پر نہ بٹھاتا تو قرآن اور اہلبیتؑ کی اتنی توہین نہ ہوجاتی اسلام کا بیڑہ غرق نہ ہوجاتا۔ لہٰذا وہ تمام جرائم جو یزید ملعون کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے ہیں۔ ہر جرم میں امیر معاویہ بھی برابر کے شریک ہے۔ اب یزید ابن معاویہ ابن ابوسفیان' نواسئہ

رسول، جگر گوشۂ علیؑ و بتولؑ برادر امام حسن مجتبیٰؑ وارث اسلام و قرآن، منبع نور و ہدایت منجیٔ عالم بشریت محسن انسانیت حسینؑ ابن علی علیہ السلام سے بیعت طلب کر رہا تھا اس کام کے لئے یزید نے اپنا چچا زاد بھائی ولید ابن عتبہ مدینہ کے گورنر کو حکم دیا تھا۔ بڑا سخت حکم تھا۔ یزید کا۔ حسینؑ ابن علیؑ سے میرے لئے بیعت لے لو۔ اگر بیعت سے انکار کر لے تو ان کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجدو۔ اب یہ بات ذہن نشین رہے بنی امیہ کا وارث یزید۔ بنی ہاشم کے وارث حسینؑ سے بیعت طلب کر رہا تھا۔ تو کیا حسینؑ کو یزید کی بیعت کر لینی چاہیے تھی؟ دنیا والے کہتے ہیں اس میں کیا حرج تھا اگر حسینؑ بیعت کر لیتے تو معاملہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ تف ہے ان بے عقل اور جاہل لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ کو بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ یزید کے ہاتھ پر حسینؑ کی بیعت نہ ہوتی بلکہ ابلیس کے ہاتھ پر آدمؑ کی بیعت ہوتی۔ نمرود کے ہاتھوں پر ابراہیمؑ کی بیعت ہوتی۔ فرعون کے ہاتھوں پر موسیٰؑ کی بیعت ہوتی۔ حرب کے ہاتھوں پر عبد المطلب کی بیعت ہوتی۔ ابوسفیان کے ہاتھوں پر مصطفیٰؐ کی بیعت ہوتی۔ امیہ کے ہاتھوں پر ہاشم کی بیعت ہوتی۔ اس لئے حسینؑ ابن علیؑ نے طلب بیعت کرنے پر وہ علمی اور تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ اے ولید کیا یہ ہوسکتا ہے ہم جیسے یزید جیسوں کی بیعت کرے؟ پس بنی ہاشم کے اس عظیم فرد نے بنی امیہ کے اس منحوس ترین شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر کے بنی ہاشم کے خاندان کی لاج رکھ لی۔ اور قیامت تک کے لیے بنی ہاشم کے ہاتھوں بنی

امیہ کو وہ شکست فاش ہوئی جس کا یزید کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ گویا کہ بنی ہاشم کے اس نمائندے نے بنی امیہ کے وارث کو وہ سخت ترین شکست دے دی قیامت تک کے لئے بنی امیہ اور یزید کے نام کو گالی بنا دیا۔

طلب بیعت کے موقع پر بقول ابوسعید مقبری حسینؑ ابن علیؑ ابن مفترغ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

لاذعر السوام فی فلق الصبح	مغیرا ولا دعیت یزیداً
یوم اعطی من المهابة فیما	و المنایا یر صد ننی ان احیداً

ترجمہ:۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ موت کی طاقتیں کمین گاہوں سے حملہ کر کے مجھے میرے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں اور میں ان کے خوف سے ذلت کو برداشت کرلوں۔ سعید کہتے ہیں کہ ان اشعار کو سن کر اسی وقت میں نے یہ اندازہ لگایا کہ آپؑ کسی خاص اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دو ہی دن گذرے تھے کہ معلوم ہوا فرزند رسولؐ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حسینؑ ابن علیؑ نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے دی اپنے مخصوص خاندان کے افراد کے ساتھ 28 رجب 60ھ بروز اتوار کو بوقت رات مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کے کاروان میں بوڑھے بھی تھے بچے بھی۔ مرد بھی تھے، خواتین بھی، یہ کاروان شہادت میقات تک پہنچ گیا۔ سب نے مسجد شجرہ میں نماز احرام پڑھی اور احرام کے سفید کپڑے پہن کر احرام باندھا۔ لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے جانب حرم روانہ ہوئے۔ پانچ دن رات کا سفر

طے کر کے شب جمعہ 3 شعبان کو حرم خدا میں داخل ہوا۔ چار ماہ پانچ دن خانہ خدا کے جوار میں رہے اور کعبہ کے قریب دوسرا کعبہ بن گیا۔ گویا کہ وہ کعبہ صامت تھا۔ یہ کعبہ ناطق۔ 8 ذالحجہ تک حسینؑ ابن علیؑ مکہ میں رہے۔ یزید ابن معاویہ نے چند لوگوں کو حاجیوں کے احرام میں مکہ روانہ کئے تھے۔ ان کے ذمہ یہ کام سونپا تھا کہ وہ حرم خدا کے اندر خدا کے نمائندے حسینؑ ابن علیؑ کو قتل کر دیں۔ اب محافظ کعبہ اس بات کو کب گوارا کرتے تھے۔ کہ ان کی وجہ سے حرم خدا کی بے حرمتی ہو جائے۔ پس حسینؑ ابن علیؑ نے 8 ذالحجہ کو حج کو عمرہ سے بدل دیا ساری دنیا کے لوگ حرم خدا سے احرام باندھ کر عرفات و منیٰ کی طرف رواں دواں تھے۔ مگر حسینؑ ابن علیؑ حج کو عمرہ سے بدل کر سرزمین کربلا کی طرف روانہ ہو گئے۔ 18 منزلوں سے ہوتے ہوئے یہ نفوس قدسیہ 2 محرم 61ھ کو سرزمین کربلا پر پہنچ گئے۔ 7 محرم سے آل رسولؐ پر پانی بند کر دیا گیا۔ پانی بند کرنے والے کون تھے یہ تھے بنی امیہ والے جن پر پانی بند کیا گیا تھا وہ کون تھے؟ وہ تھے بنی ہاشم والے۔ گویا کہ امیہ اور ابوسفیان کی اولاد نے ہاشم اور مصطفےٰؐ کی اولاد پر 7 محرم سے پانی بند کر دیا۔ جن پر پانی بند کر دیا گیا ان میں 6 ماہ کے بچے سے لیکر 85 سال تک کے بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھیں۔ شب عاشور مصطفےٰؐ کی اولاد نے ابوسفیان کی اولاد سے حسینؑ ابن علیؑ کے نمائندے نے یزید ابن معاویہ کے نمائندے سے اس بات پر مذاکرات کئے کہ آج کی رات کی ہمیں اس لیے مہلت دو تا کہ ہم اپنی آج کی یہ آخری رات بھی ذکر

الٰہی اور عبادت پروردگار میں گذار سکیں گویا کہ اولاد بنی ہاشم کی یہ آخری رات
بھی۔ زندگی کے یہ آخری لمحات بھی عبادت پروردگار میں اور محمد مصطفےؐ پر درود
سلام بھیجنے میں گذر گئے صبح عاشور نمودار ہوئی۔ 10 محرم ۶۱ھ کا دن تھا۔
کاروان حسینیؑ میں کل بہتر افراد ایسے تھے جن کو آج درجہ شہادت پر فائز ہونے
تھے۔ مدمقابل میں۔ 30 ہزار سے لیکر ایک لاکھ بیس ہزار تک کی روایت
موجود ہے افواج تھیں۔ گویا کہ ایک کے مقابلے میں ایک ہزار سپاہ یزید تھا۔
لیکن اس مٹھی بھر افراد نے ان لشکر کثیر کو ایسی ذلت وشکست سے دوچار کر دیا کہ
ان 72 کو فتح حاصل ہوگئی۔ صبح عاشور سے حق و باطل کا یہ معرکہ شروع ہو گیا
عصر عاشور تک اختتام کو پہنچا۔ حسینؑ ابن علیؑ اور آپ کے تمام رفقائے کار درجہ
شہادت پر فائز ہو چکے۔ شہادت حسینیؑ نے خفتہ لوگوں کو بیدار اور غفلت
شعاروں کو ہوشیار کر دیا۔ شہادت حسینیؑ نے معاشرے میں ایک ایسی تحریک
پیدا کر دی کہ بشریت کے ضمیروں کو جھنجھوڑ کر حق وحقیقت کی نشان دہی کر دی۔
شہادت حسینؑ نے لوگوں کو حق و باطل کی پہچان کرائی۔ نیک اور بد کی تمیز کرائی۔
حسینؑ ابن علیؑ نے 53 منٹ کی جنگ میں 953 زخم کھا کر قیامت تک آنے
والی نسلوں کو یہ بات سمجھا دی کہ اگر دین پر کوئی آنچ آجائے تو دین کی بقاء اور
حفاظت کے لئے انسان کو اپنی جان اپنے مال حتیٰ کہ اپنی ناموس تک کو بھی
قربان کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک اپنا سب کچھ لٹ جائیں
لیکن دین مصطفیٰؐ شریعت محمدیؐ قائم ودائم رہے یہ ہے حسینؑ ابن علیؑ کا سکھایا ہوا

وہ عظیم اصول اور سبق۔

شہادت

قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ شہید کو ہرگز مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے اور تمہیں اس کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا شہید کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو۔ وہ زندہ ہے اور اپنے پروردگار کی طرف سے رزق پاتا ہے۔ انسان کے لئے سب سے عظیم ترین رتبہ شہادت ہے۔ اپنی ذات اور اپنے سے کٹ کر حق کے ساتھ وابستگی اختیار کرنے کا نام شہادت ہے۔ منشا پروردگار کو اپنی خواہشات پر مقدم کرنے اور ترجیح دینے کا نام شہادت ہے۔ اپنے آپ کو فنافی اللہ کرنے کا نام شہادت ہے۔ شہادت وہ نور ہے جو تاریک دلوں کو روشن کرتی ہے۔ شہید کی شہادت خواب غفلت میں سونے والوں کو بیدار کر دیتی ہے۔ شہید کی شہادت انسان کو جھنجھوڑ کر غفلت سے چھڑاتی اور گمراہی سے نجات دیتی ہے۔ تاکہ وہ جبر وتشدد کی بجائے اپنے اختیار سے راہ راست کو اپنائے۔ شہید کی شہادت بشریت کے لئے چراغ ہے۔ شہید کی شہادت سونے والوں کو بیدار اور مردوں کو زندہ کرتی ہے۔ شہید کی شہادت رہنمائی بشریت کا وہ چراغ ہے جو تاریکیوں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ شہادت بشریت کا آب حیات ہے۔ اور شہید وہ خضر ہے جو معاشرے کو آب حیات تحفہ دے کر روح بخشتا ہے شہادت حسینؑ علاقائی نہیں بلکہ بین الاقوامی اور کسی ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جاودانی ہے۔ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور ہر دور میں ہمہ وقت مردہ دلوں کو زندہ کرتا اور

تازگی بخشتا ہے۔

اعلانیہ شہادت

پس حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت ایسے زمانے میں ہوئی کہ احکام اسلام دگرگوں ہو چکے تھے اور کھلم کھلا اسلام کا مذاق اور تمسخر اڑا جا رہا تھا۔ قرآن اور شریعت محمدیؐ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جا رہی تھی۔ پس حسینؑ وہ عظیم شہید ہیں کہ آپ نے عالم بشریت اور عالم انسانیت کو بچانے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ آپ کی شہادت وہ عظیم شہادت ہے جس کی مثال تاریخ انسانیت و تاریخ بشریت میں نہ پہلے ملتی تھی نہ اب ملتی ہے اور نہ ہی قیامت تک ملے گی شہادت حسینؑ قیامت تک تابندہ و پائندہ رہے گی انشااللہ۔

شہادت معاشرے کا مقدس ترین مرتبہ ہے۔ لہٰذا اسے واضح ہونا چاہیے۔ اور بطور اعلانیہ، اگر شہادت مخفیانہ طور پر وقوع پزیر ہو تو وہ ہلاکت سے نزدیک تر ہوتی ہے نہ کہ شہادت، فداکاران بشریت کو یہ نکتہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ بشریت ان کی عظیم طاقت وقوت سے محروم نہ رہے۔ شہادت کا اعلان اور اس کا زندہ رکھنا سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کا عظیم کارنامہ ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ نے اس مقدس مشن کو جاودان بنایا۔ شہادت کو ہمیشگی عطا کرنے کی ابتدا حسینؑ کی بہن علیؑ کی بیٹی شریکۃ الحسینؑ جناب زینبؑ سے ہوی۔ پھر امام زین العابدینؑ اور ان کی اولاد پاک نے اس سلسلے کو جاری و ساری رکھا۔

شہادت کے بعد

امام حسینؑ اور آپ کے اقرباء اور انصار کے شہید کئے جانے کے بعد عمر سعد ملعون کے حکم سے یزیدی فوج نے اہلبیتؑ کے مال و اسباب لوٹ لیا اور خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ سر امام حسینؑ اور باقی تمام شہداء کے سروں کو نوک نیزہ پر چڑھائے گئے شہدا کے لاشوں کو پامال کر دی گئیں۔ شہداء کے سروں کی تعداد 72 تھے جو نیزوں پر بلند کر کے ساتھ لے گئے۔ لاشہائے بے سر کو لشکر یزید کے کربلا سے چلے جانے کے بعد بنی اسد والوں نے جو کہ کربلا کے نزدیک غاضریہ میں رہتے تھے۔ امام زین العابدینؑ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دفن کیا۔ شہداء کے سر جب کوفہ پہنچ گئے تو شمر نے ان سروں کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا یاد رہے۔ شہداء کے سر نیزوں پر سوار تھے۔ امام زین العابدینؑ پابند طوق و رسن اور بنی ہاشم و غیر بنی ہاشم کی تمام مستورات علیؑ و بتول کی بیٹیوں کی قیادت میں بے کجاوہ اونٹوں پر سوار بے مقنع و چادر بالوں سے منہ چھپائے ہوئے ساتھ ساتھ تھیں ان سب کو ابن زیاد کے دربار میں اسی حالت میں لے جایا گیا۔ جب ابن زیاد ملعون نے سر امامؑ کے ساتھ بے ادبی کی جسارت کی تو زید بن ارقم صحابی رسولؐ نے رو کر کہا اے ابن زیاد یہ وہ لب ہیں جن کو خود رسولؐ کو بوسہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے یہ کہہ کر رونے لگے گویا کہ یہ بھی بنی ہاشم کی فتح اور بنی امیہ کی شکست

تھی۔ جہاں جہاں سے بھی بنی ہاشم کا یہ لٹا ہوا قافلہ گزرا لوگوں نے بنی امیہ والوں پر نفرین کیں اور ان مظلوموں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیں۔ یہاں تک کہ یہ لٹا ہوا قافلہ بیمار کربلا امام زین العابدینؑ اور جناب زینب سلام اللہ علیہا کی قیادت میں دربار شام میں یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کے سامنے پیش ہوا۔

وارثان بنی ہاشم دربار یزید میں

ماہ صفر ۶۱ھ کا پہلا دن تھا کہ اسیروں کا قافلہ اور سرہائے شہداء شام پہنچے۔ یزیدیوں نے اس دن کو عید قرار دے کر جشن منایا جیسا کہ روز عاشور کو جو سید الشہداءؑ کا یوم شہادت ہے برکت وسعادت کا دن قرار دیا۔ سر مقدس جو شام پہنچا تو ایک مخلص تابعی کی نظر اس پر پڑی وہ سر کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ اے فرزند رسولؐ ظالم تیرا سر تن سے جدا کر کے شہر شام لائے ہیں۔ انہوں نے یہ کام کر کے رسول خداؐ کو ذبح کیا ہے۔ تجھے پیاسا شہید کر کے انہوں نے قرآن کی بے حرمتی کی ہے۔ تیرے قتل پر نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں؟ حالانکہ انہوں نے تکبیر و تہلیل (اللہ اکبر اور لا الہ الاّ اللّٰہ) کو ذبح کر دیا ہے۔

سہل ساعدی اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے اور مدینہ سے بیت المقدس کی زیارت کے ارادے سے نکلے تھے۔ جس دن نواسہ رسولؐ کا سر مقدس شام پہنچا اس دن وہ وہیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں باب الساعت پر کھڑا تھا

اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ کھلے ہوئے پرچم آگے پیچھے آرہے ہیں۔ پھر ایک اکیلا سوار نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں جھنڈا ہے اور چوب پرچم پر ایک سر سوار ہے میں نے اس سر کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اس کی صورت سب سے زیادہ رسول خداؐ سے مشابہ پایا۔ اس سوار کے پیچھے میں نے کچھ خواتین کو دیکھا جن کو بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کرایا گیا ہے میں آگے بڑھا اور قیدی خواتین میں سے ایک بچی سے پوچھا! آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں سکینہؑ بنت حسینؑ ہوں۔ میں نے کہا اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق ہو تو کہئے میں ساعدی ہوں آپ کے جد بزرگوار رسول خداؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر چکا ہوں یہ سن کر بچی نے کہا۔ اس سوار کو جس کے ہاتھ میں سر ہے کہو کہ سر کو آگے لے جائے تا کہ دیکھنے والوں کی نظریں اس طرف ہو جائیں اور حرم پیغمبرؐ کو دیکھنے سے باز رہیں پردہ بچ جائے۔ میں سوار کی طرف گیا اور اس سے کہا میں کسی کام سے آیا ہوں۔ اس نے کہا کیا بات ہے۔ میں نے کہا میرے پاس چار سو دینار ہیں وہ میں تجھے دے دوں گا۔ بشرطیکہ تو اس سر کو بہت آگے لے جا اور لوگوں کو اس کے دیکھنے میں مشغول رکھ۔ اس سوار نے میری بات مان لی میں نے اپنا وعدہ دینار دینے کا پورا کر دیا۔ کاروان دمشق کی جامع مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا تماشائیوں میں سے ایک بوڑھا شامی یادگار حسینؑ امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کیا اور تمہاری نسل کو ختم کر کے فتنہ کا قلع قمع کر دیا۔ پھر وہ دشنام

طرازی کرنے لگا۔ امام زین العابدینؑ اس کی باتیں سنتے رہے جب وہ بات ختم کر چکا تو آپؑ نے اس سے پوچھا۔ کیا تو نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے۔ **قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ**۔ اے پیغمبرؐ کہئے میں تم لوگوں سے پیغمبری کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قربیٰ کے ساتھ مودت رکھو۔ وہ شامی کہنے لگا ہاں میں نے یہ آیہ مبارکہ پڑھی ہے تو امام زین العابدینؑ کہنے لگے ہم وہی اہلبیتؑ پیغمبر ہیں پھر آپؑ نے پوچھا بڑے میاں کیا یہ آیت بھی قرآن مجید میں تم نے پڑھی ہے؟ **وآت ذالقربیٰ حقہ** (قربیٰ کا حق انہیں دے دو) بوڑھے نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ پھر آپؑ نے پوچھا کیا یہ آیت بھی تم نے پڑھی ہے؟ **انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً**۔ اللہ کا بس یہی ارادہ ہے اے اہل بیتؑ کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور تمہیں یوں پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے بوڑھے نے کہا ہاں پڑھی ہے امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہم وہی اہل بیتؑ ہیں ان حقائق سے آگاہ ہو کر وہ شامی بوڑھا اپنی باتوں پر نہایت پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے اس نے تین مرتبہ کہا۔ خداوندا میں توبہ کرتا ہوں پھر کہنے لگا۔ بار خدایا میں دشمنان آل محمدؐ سے بیزار ہوں۔ میں قاتلین اہل بیتؑ محمدؐ سے نفرت کرتا ہوں۔ اس گفتگو میں ایک پیر مرد اور ایک جوان آمنے سامنے ہیں۔ مگر پیر مرد نادان اور جوان دانا ہے۔ بوڑھا مجسمہ عداوت اور جوان مہر و محبت کا پیکر۔ پیر

مرد فریب خوردہ اور جوان مینار نور سب وشتم کے مقابلے میں جوان کی علمی روشن مدلل گفتگو اور حکم و بردباری عظمت روحانیت اور بزرگواری کی دلیل ہیں۔ غمزدہ جوان نے عقلمندی کا ثبوت دیا بے حوصلہ نہیں ہوا۔ نادان دشمن کے مقابلے میں اس نے دانا دوست ہونے کا مظاہرہ کیا۔ تعلیم و تربیت کے ضمن میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک جوان آدمی بوڑھے شخص کا رہنما ہے! بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ جوان غل و زنجیر میں جکڑا ہوا قیدی ہو اور بوڑھا غیظ و غضب کا پیکر!

امام سجادؑ نے خردمندانہ رویے سے ناممکن کو ممکن بنا دیا اور تعلیم و تربیت کے استادوں کو درس دیا اور ایسا طریقہ ایجاد کیا کہ جس سے ہر نادان کو دانا بنایا جاسکتا ہے۔ کاروان یزید کے محل کی طرف بڑھا۔ ابراہیم کی نظر امام زین العابدینؑ پر پڑی جو طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ ابراہیم طلحہ کا بیٹا تھا اور طلحہ امیر المومنینؑ کا دشمن اور مخالف تھا۔ حتی کہ آپؑ کے ساتھ جنگ کر چکا تھا۔ یونہی اولاد طلحہ آل محمدؐ کی دشمن تھی۔ ابراہیم نے اظہار عداوت کا موقع غنیمت سمجھا اور اس نے چاہا کہ اپنے بغض و عداوت کو ظاہر کرے وہ طعنہ زنی کرتے ہوئے بولا۔ علی زین العابدینؑ بتاؤ کون جیتا! آپؑ نے فرمایا جب نماز کا وقت ہو تو اذان و اقامت کہنا تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون کامیاب ہوا اور کون ناکام۔ یہ ایک محکم اور دندان شکن جواب ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ کس مقصد کے لئے تھی۔ حسینؑ کیا چاہتے تھے اور یزید کا مقصد کیا

تھا۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح سے کیا مراد تھی وہ بھی مقصد وھدف کی فتح نہ کہ فرد و شخص کی فتح۔ یزید اپنے جیرون نامی محل میں چلا گیا تا کہ کاروان اہل بیتؑ کو اندر آنے سے پہلے دیکھ لے جب اس کی نظر شہداءؑ کے سروں پر پڑی تو ایک کوا کائیں کائیں کرنے لگا کوے کی اس آواز کو عرب لوگ فال بد سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ یزید نے اس مضمون کے اشعار پڑھے جب شہداءؑ کے سروں کا نور قصر جیرون پر چمکا تو کوا سے بولنے لگا۔ میں نے اسے کہا تو چلایا نہ چلا میں نے اپنا کام کرلیا ہے اور رسول خداؐ سے اپنا قرض چکا لیا ہے۔ یزید کا کون سا قرض پیغمبرؐ کے ذمہ تھا؟ آپؐ نے پدران یزید میں سے کسی کو قتل نہیں کیا تھا تا کہ آپؐ یزید کے مقروض ہوں اور بیٹا باپ کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ جن مقتولوں کے وارث ہونے کا یزید دعویدار ہے انہوں نے خود جنگ برپا کی تھی اور مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور پیغمبرؐ نے دفاع کرتے ہوئے حملہ آوروں کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ وہ مقتول عتبہ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید تھے۔ عتبہ ہندہ کا باپ تھا اور ہندہ معاویہ کی ماں۔ یہ تینوں خود میدان بدر میں آئے اور جنگ کی ان کے مقابلے میں کچھ لوگ نکلے تو انہوں نے قبول نہ کیا اور کہا کہ ہمارے مقابلے کے لیے خاندان قریش کے مسلمان آئیں پیغمبر اسلامؐ نے ان کا مطالبہ مان لیا اور آزادروی کو جنگ میں دشمن کے ساتھ بھی ملحوظ رکھا یہ ہے اسلام کی ڈیموکریسی، جموریت کے کس علمبردار نے ایسا کیا ہے؟ وہ قریشی مسلمان جو عتبہ وغیرہ کے مقابلے کے لئے

نکلے پیغمبر اسلامؐ کے قریبی عزیز تھے اور کامیاب لوٹے۔ پیغمبر اسلامؐ کے چچا اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ دوسری جنگ (احد) میں آپؐ کے دوسرے چچا حمزہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد یزید کا کون سا انتقام تھا جسے وہ چکانا چاہتا تھا۔ صرف حضرت علیؑ کو یزیدی (بنوامیہ) قتل نہ کر سکے مگر ان کی کینہ پروری آل محمدؐ کے ساتھ ویسے ہی رہی۔

کاروان اسیران آل محمدؐ کو دربار میں لے جایا گیا۔ یزید نے محل کے بڑے ہال میں بزم آراستہ کر رکھی تھی اور اپنے تئیں سفید ریش بزرگ اور عمائدین کشور ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں سید الشہداء کے سر مقدس کو محفل میں لایا گیا۔ سر کو اٹھا کر لانے والا بلند آواز سے کہنے لگا۔ میرا دامن سیم وزر سے بھر دے کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس نے ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جو سید و سردار تھا۔ اور جس کے ماں باپ افضل ترین خلائق تھے اس مطالبہ سے یزید کے لشکریوں کے اس ہدف و مقصد کا پتہ چلتا ہے جو وہ جنگ میں رکھتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف مال وزر کے لیے تاریخ کے سب سے بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا سر مبارک کو لانے والے کی یہ بات یزید کو اچھی نہ لگی اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ اس کے نوکر کو کیا حق ہے کہ وہ حسینؑ کو یزید سے حسینؑ کے ماں باپ کو یزید کے ماں باپ سے اور حسینؑ کے سلف صالحین کو یزید کے آباؤ اجداد سے بہتر سمجھے؟ یزید کی خود پسندی ایسی بات کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی اس نے زر طلب کرنے والے ظالم

سے پوچھا او بد بخت تو جو حسینؑ کو ان صفات کا مالک سمجھتا ہے۔ تو پھر اسے ذبح کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے حسینؑ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ تجھ سے انعام پاسکوں۔ یزید نے یہ سن کا اس ملعون کے قتل کا حکم دے دیا یہ گویا یزید کا انعام تھا اور بہترین انعام۔ قاتل حسینؑ اپنے قتل ہو جانے سے کیفر کردار کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ اس کا قتل کجا اور حسینؑ کا قتل کجا۔ دنیائے بشریت صالحین کے قاتل مجرموں کے کیفر کردار کو معین کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت علی بن الحسینؑ کا جب یزید سے سامنا ہوا تو آپؑ نے اس سے پہلی بات جو کی وہ یہ تھی ''یزید اگر پیغمبرؐ ہمیں اس حالت میں دیکھ لیتے تو کیا کرتے۔ حسن مطلع، حسن ابتداء، حسن طلب براعت استہلال (یہ علم معانی بیان وعلم بدیع کی اصطلاحات ہیں) سب حسن کلام پر دلالت کرتی ہیں اس سے بہتر کوئی گفتگو نہیں ہوتی بظاہرہ بات مختصر مگر بے انتہاء جامع، یزید نے حاضرین سے مشورہ کرنے کے لئے دریافت کیا بتاؤ۔ میں علی زین العابدینؑ اور چند دیگر جوانوں کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ سب حاضرین نے مل کر کہا۔ سب کو قتل کرادے تاکہ آئندہ کے لیے ان کے کسی بھی اقدام سے محفوظ رہے۔ امام سجادؑ کے کمسن بیٹے محمد باقرؑ نے جب ان کا یہ مشورہ سنا تو فرمانے لگے! یزید تیرے مشیر فرعون مصر کے مشیروں سے بدتر ہیں کیونکہ فرعون نے جب ان سے مشورہ کیا تھا کہ ''میں موسیٰؑ و ہارونؑ کے ساتھ کیا سلوک کروں تو انہوں نے رائے دی تھی کہ صبر سے کام لو مگر تیرے مشیر تجھے کہتے ہیں قتل کرا

دے! یزید سر نیچے کر کے آب جو (جو کی شراب) پینے لگا۔ محمد باقرؑ کی بات بڑی معنی خیز ہے اور بچے کی انتہائی عقلمندی کی علامت بھی! کیوں نہ ہو آپ حسینؑ کے ہی تو پوتے ہیں۔ محمد باقرؑ کی یہی بات تھی جس نے نعمان بن بشیر کو دلیر کر دیا اور وہ کہنے لگا۔ یزید ان اسیران آل محمدؐ کے ساتھ وہی برتاؤ کر جو پیغمبرؐ انہیں اس حال میں اگر دیکھتا تو کرتا! یزید نے حکم دیا اور امام سجادؑ کے گلے اور ہاتھوں سے طوق و زنجیر اتار دئے گئے امام زین العابدینؑ کی بات ابھی تک نعمان کے کانوں میں تھی اور اس نے دل میں ڈال رکھی تھی سچ ہے کبھی ایک مختصر مگر باموقع بات ایک دنیا کو بدل دیتی ہے۔

یزید امام زین العابدینؑ سے کہنے لگا آپؑ نے دیکھا کہ آپؑ کے والد نے قرابت و رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ کیا اور میرے ساتھ دشمنی کا رویہ اختیار کیا پھر آپؑ نے دیکھا خدا نے ان کے ساتھ کیا کیا! امام سجادؑ نے جواب دیا جو کچھ اس دنیا میں ہوتا ہے خدا اس کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اسے جانتا ہے۔ یزید چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو بے گناہ اور حسینؑ کو قصوروار ثابت کرے اور انہیں آغاز گر عداوت قرار دے مگر کیا یزید ہی نہیں تھا جس نے حاکم مدینہ کو حکم دیا تھا کہ حسینؑ سے بیعت لے لے وگرنہ ان کا سر مجھے بھیج دے؟ کیا یزید وہی نہیں تھا جس نے خفیہ قاتلوں کو بھیجا تھا تا کہ حسینؑ کو مکہ میں خفیہ طور پر خانہ کعبہ کے اندر شہید کر دیں؟ کیا یزید نے ابن زیاد کو کوفہ نہیں بھیجا تھا؟ اور اسے قتل حسینؑ کا حکم نہیں دیا تھا! اب کہتا ہے حسینؑ نے قرابت کا

لحاظ نہ کیا اور دشمنوں والا رویہ اختیار کیا! کیا حسینؑ نے جنگ کا آغاز کیا تھا؟ کیا حسینؑ نے یزیدیوں پر پانی بند کیا تھا۔ مجرم ارتکاب جرم کے بعد اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتے ہیں کبھی ظالم مظلوم کو مجرم کہہ کر اپنے جرم کو ان مظلوموں کی سزا قرار دیتے ہیں۔

امام زین العابدینؑ نے یزید کو بڑا تعجب انگیز جواب دیا۔ یعنی نہ یزید کی بات کی تصدیق کی نہ ظاہری تکذیب اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا کہ خداوند عالم پر حقائق عالم پوشیدہ نہیں ہیں ان کے واقع ہونے سے پہلے وہ جانتا ہے کس نے قرابت داری کا لحاظ نہیں کیا اور کس نے دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔ قیدیوں کو بیٹھنے کی اجازت مل گئی خواتین حرم کو تخت کے پیچھے بٹھایا گیا تا کہ سید الشہدؑاء اور اپنے قافلہ سالاروں کے سروں کو نہ دیکھ سکیں۔ یزید نے اپنی خیزراں نامی چھڑی منگوائی اور اس کے ساتھ حسینؑ کے دندان مبارک کے ساتھ گستاخی کرنے لگا۔ ابو برزہ اسلمی جو اس مجلس میں موجود تھا اور اصحاب پیغمبر میں شمار ہوتا تھا یہ دیکھ کر کہنے لگا۔ یزید جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟ اپنی چھڑی کے ذریعہ دندان حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کرتے ہو؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپؐ حسنؑ و حسینؑ کے لبوں کو چوم رہے تھے اور کہتے تھے۔ تم دونوں جوانان جنت کے سردار ہو۔ یہ سن کر یزید کو غصہ آ گیا اور ابو برزہ کو اپنے دربار سے نکلوا دیا۔ یزید ملعون مست تھا کہیں شراب کی مستی، کہیں خود پسندی کی، اس پر مستزاد جوانی اور فتح کا نشہ تھا اسی مستی میں وہ اشعار کہنے لگا جو

اس مضمون کے تھے میں نے پیغمبرؐ سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ وہ نبی نہ تھے نہ تو وحی نازل ہوئی نہ آسمان سے کوئی خبر آئی۔ پیغمبری تو ایک دام فریب اور بنی ہاشم کا بنایا ہوا حصول حکومت کا ایک نقشہ تھا اور انہوں نے چند دن حکومت کا کھیل کھیلا اور بس۔ یہ ہیں یزید کے عقائد ونظریات اور آراء۔ یہ ہے اس کا دین و مذہب جو اپنے آپ کو پیغمبر اسلام کا خلیفہ کہلاتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کا رہنما کہتا ہے! حکومت اسلام اس کے ہاتھ میں ہے وہ یزید پیغمبر اسلام کو سیاسی بازی گر سمجھتا ہے اور کہتا ہے دین اسلام تو بنی ہاشم کے لیے حکومت تک رسائی کا دام فریب ہے۔ وگرنہ وحی نبوت تو کوئی بات نہیں ہے۔ تبھی تو حسینؑ نے فرمایا تھا کہ جب مسلمانوں کا حکمران یزید جیسا شخص ہو تو پھر اسلام پر سلام ہے۔

دربار شام میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

حضرت زینبؑ نے جب دیکھا کہ یزید نے شہید مظلوم کے سر مقدس کے ساتھ گستاخی کی ہے اور یہ سنا کہ وہ رسالت ونزول وحی کا منکر ہوا ہے تو اپنی جگہ سے اٹھیں اور یزید کو للکار کر کہا خدا نے سچ فرمایا ہے۔ ثم کان عاقبة الذین اساؤ السوآء ان کذبوا بایات اللّٰہ و کانو بھا یستھزئون. گنہگاروں کا سرانجام آیات الٰہیہ کو جھٹلانا اور ان کا تمسخر اڑانا ہے۔ یزید اب جو تو نے ہمارے لیے عرصہ زمین اور وسعت آسمان کو تنگ کر

رکھا ہے اور ہمیں قید کر کے شہر بشہر اور کوچہ بکوچہ پھرا رہا ہے۔ کیا تیرے خیال باطل میں خدا کے نزدیک تیرے لیے افتخار و کرامت اور ہمارے لیے ذلت و خواری ہے اور اسے تو اپنے لیے خدا کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہونے کی علامت سمجھتا ہے! کہ اس طرح فخر کرتا ہے اور کبھی ناز و خوشی کا اظہار کرتا ہے تو کبھی فخر و مباہات آیا اس لیے کہ تو سمجھتا ہے دنیا جہاں تیرے سامنے سر تسلیم ہو گئی ہے۔ حالات کا رخ تیرے حسب منشا ظاہر ہوا ہے اور وہ اقتدار جو درحقیقت ہمارا وقار ہے وہ تیرے تحت فرمان آ گیا ہے؟ خبردار میں تجھے تنبیہ کرتی ہوں کہ فرمان خداوندی کو مت بھولو اور یاد کرو۔ **ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لا نفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما لھم عذاب مھین.** کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا انہیں مہلت دینا ان کے لیے فائدہ مند ہے (بلکہ) ہم نے انہیں اس لیے مہلت دی ہے کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے آزاد شدہ لوگوں کی اولاد! کیا یہ عدل و انصاف ہے کہ تو اپنی عورتوں اور کنیزوں کو تو پردہ میں بٹھائے اور دختران رسول خداؐ کی چادریں چھین کر انہیں بے پردہ کرے اور انہیں شہر بشہر گلی گلی پھرائے تاکہ ہر گلی و کوچہ، دشت و دریا، دور و نزدیک سے اور عزیز و ذلیل لوگ ان کو دیکھیں۔ اور یہ بھی ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنے مردوں کو کھو چکی ہیں اور ان کا کوئی پشت پناہ نہیں رہا۔ جس شخص کے منہ سے پاکیزہ لوگوں کے جگروں کے چبائے ہوئے ٹکڑے گر

رہے ہوں۔ اس کا گوشت پوست خون شہداءؑ سے روئیدہ شدہ ہو اور جس کا دل پاک ہستیوں کے کینہ سے بھرا ہوا ہو اس سے کیا خیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ جبکہ وہ بغض وعداوت کی نظر سے ہمیں دیکھ رہا ہے نہ اس کی دشمنی میں کمی نظر آتی ہے اور نہ ہی نرمی وہ بغیر اس کے کہ گناہ سے پرہیز کرے اور ارتکاب جرم کو برا سمجھے الٹا گستاخانہ لہجہ میں کہہ رہا ہے۔ میرے اجداد خوشی سے جھومنے لگتے اور کہتے اے یزید تو کمزور نہ پڑے وہ ملعون ہاتھ کی چھڑی سے جوانان جنت کے سردار ابو عبداللہ کے دانتوں کے ساتھ گستاخی بھی کر رہا ہے۔ یزید تو ایسا کیوں نہ کہے اور یوں کیوں نہ کرے؟ جبکہ تو نے بے انتہا جرم کیا ہے۔ اور ان فرزندان محمد کا خون بہایا ہے جو اولاد عبدالمطلب اور یوں کیوں نہ کرے؟ جبکہ تو نے بے انتہا جرم کیا ہے۔ اور ان فرزندان محمدؐ کا خون بہایا ہے جو اولاد عبدالمطلب میں سے زمین پر بمنزلہ ستاروں کے تھے۔ یزید تو اپنی آباؤ اجداد پر ناز کرتا ہے؟ اور ان کو ندا دے کر پکار رہا ہے! تجھے علم ہونا چاہیے کہ تو بہت جلد ان کے پاس جا کر ان سے مل جائے گا وہاں تو کہے گا۔ اے کاش میں گونگا ہوتا اور میں نے ایسی باتیں نہ کی ہوتیں! کاش میں ناتواں ہوتا اور ایسا نہ کرتا۔ خداوندا جس نے ہم پر ظلم کیا ہے ہماری داد کو پہنچ اور ہمارا انتقام لے جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے پشت پناہوں کو قتل کیا ہے اسے اپنے غضب کا نشانہ بنا۔ اے معاویہ کے بیٹے خدا کی قسم تو نے اپنے علاوہ کسی کی کھال نہیں چھیلی اور اپنے بدن کے گوشت کے سوا کسی کا گوشت

نہیں کاٹا بہت جلدی خدا تجھے اپنے رسولؐ کے پاس لے جائے گا تاکہ وہ اپنے بیٹوں کے قتل اور اپنے اہل حرم کی ہتک حرمت کے عظیم گناہ کی تجھے سزا دیں اور ان کی اولاد کا تجھ سے بدلہ لیں اور وہ بھی ایسی عدالت میں کہ جہاں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوگا محمدؐ تیرے دشمن اور جبرائیلؑ مظلوموں کے مددگار اور گواہ ہوں گے۔ اگرچہ بہت بڑی مصیبتوں نے میری یہ حالت بنا دی ہے کہ تجھ جیسے ناہنجار کے ساتھ بات کر رہی ہوں میں تجھے معمولی اور حقیر سمجھتی ہوں اور تیرے گناہ کو بہت بڑا جانتی ہوں تجھے بہت زیادہ ملامت کروں گی اور تیری سرزنش میں ہرگز کوتاہی نہیں کروں گی۔ ہماری آنکھیں اشکریز اور سینے آتش خیز ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ تو رحمانیوں کے قتل کو شیطانیوں کے قتل کے برابر سمجھتا ہے! جس نے تجھے خلیفہ بنا کر مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لیے پست ترین جانشین اور بدترین خلیفہ اپنی جگہ پر چھوڑا ہے اور تم دونوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ کس کی سزا شدید تر اور کون انتہائی بے بس ہوگا اگر تو اپنے جرم اور ہماری اسیری کو غنیمت سمجھتا ہے تو تو بہت جلدی جان لے گا کہ یہ تاوان تھا اور بس جس دن تو اپنے بوئے ہوئے کے علاوہ کچھ نہیں کاٹے گا اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا میں اس سے تیری شکایت کروں گی اور اسی کے لطف و کرم پر بھروسہ کرتی ہوں۔ یزید تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے۔ مقدور بھر کوشش کر۔ اور اپنی قوت و طاقت سے بھرپور استفادہ کر مگر خدا کی قسم نہ تو تو ہماری

نیک نامی کو محو کر سکتا ہے نہ ہی وحی و رسالت کو نابود کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے دامن سے اس ننگ و عار کو دھو کر ہمارے مقام پر پہنچ سکتا ہے اس دن تیری سوچ غلط، عمر کوتاہ اور اعوان و انصار مفقود ہو جائیں گے جس دن منادی ندا دے گا۔ **الا لعنة اللّٰه علی الظالمین و الحمد للّٰه رب العالمین۔**

خداوندا ہمارے اسلاف کو خوش بختی، سعادت اور بخشش عطا فرما اور ان کی اولاد کو شہادت و رحمت سے نوازیں قادر ذوالجلال سے دعا کرتی ہوں کہ ان کے اجر و ثواب میں اضافہ فرما کر حد کمال تک پہنچائے اور ہمیں ان کے باقیات الصالحات میں سے قرار دے وہی نہایت مہربان۔ بہترین دوست اور معاون و مددگار ہے۔ یزید جناب زینبؑ کے خطبے کے دوران دم نہ مار سکا اور نہ کوئی بات کہہ سکا مگر آپؑ کا خطبہ ختم ہوتے ہی اپنے بغض و عداوت کو اس شعر سے ظاہر کیا۔ رنجیدہ عورتوں کا نالہ و فریاد کیسی اچھی ہے اور نوحہ گر عورتوں کے لیے موت کتنی آسان ہے! جناب زینبؑ نے اس خطبہ میں ایسے ایسے بڑے ادبی، سیاسی اور اجتماعی شاہکار بیان فرمائے ہیں کہ جن کی نہ تو نظیر ملتی ہے اور نہ ہی دنیا کے حافظے میں ان کی مثال ہے۔ آپؑ کی زندگی کا جالب نظر نکتہ یہ ہے کہ انہیں اپنے بابا علیؑ جیسی اس قادر الکلامی کے باوجود حسینؑ کی شہادت سے پہلے مردوں کی کسی محفل میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی شام سے واپس آنے کے بعد ان کا کوئی خطاب سنا گیا ہے۔

آپؑ نے سب سے پہلا خطبہ کوفہ میں پڑھا اور آپؑ کا آخری خطبہ بھی اسی

سفر میں شام کے اندر انجام پایا آپؑ کو بات کرنے کا وہ ڈھنگ ملا تھا کہ آپؑ کے دشمن ابن زیاد نے بھی آپؑ کو شجاعہ اور قادر الکلام خاتون کا لقب دیا۔ آپؑ کے عقل ودانشمندی کا یہ عالم تھا کہ آج تک کوئی شخص اس سفر اسارت میں ان کے کسی ایک سیاسی غلطی کی نشاندہی نہیں کرسکا۔ آپؑ کے ایمان وتقویٰ کا اپنا مقام تھا آپؑ کے علم ودانش کا وہ عالم تھا کہ جس کا آپؑ کے بھائی نے بھی اعتراف کیا اور فرمایا آپؑ الحمداللہ عالمۂ غیر معلّمہ ہے تو پھر آپؑ سفر کربلا سے پہلے یا بعد مردوں کی مجالس تبلیغ وارشاد میں کبھی شرکت نہیں فرماتی تھیں؟ جیسا کہ آپؑ کی مادر گرامی حضرت زہراؑ نے بھی صرف ایک مرتبہ مردوں کے جلسہ میں بات کی تھی۔ کیا یہ عمل اس وجہ سے تھا کہ زینبؑ اپنے ناناؐ کے دین کے مطابق مردوں کی محفل میں عورت کے بات کرنے کو ضرورت کے علاوہ جائز نہیں سمجھتی تھیں۔ یزید کا جلسہ فتح مندی کا جشن تھا مگر زینبؑ نے اس جلسے کو حساب وکتاب کی عدالت بنا دیا یزید اور یزیدیوں کو اسلاف یزید اور کردار یزید کو اس عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا اور ان کے کفر وسرکشی کو واضح کردیا یہ عدالت بھی ایسی عدالت تھی کہ جس کی وکیل خود جناب زینبؑ تھیں اور عالم بشریت اس کا قاضی اور منصف تھا۔ زینبؑ کا خطبہ دعویٰ اور دلیل تھی جو آپؑ نے یزید اور اس کے نظریہ کے خلاف قائم کی تھی۔

حضرت زینبؑ نے اس گفتگو کے ذریعہ خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کیا اور مفکرین

انسانیت کو ایک نئی سوچ دی۔ یزید موقع کے باوجود اپنا کوئی دفاع نہ کر سکا تو حضرت زینبؑ کی مدلل اور منطقی باتوں کے جواب میں دشنام طرازی اور بدکلامی کرنے لگا۔ اور یہی ہوتا ہے کہ جب کوئی صاحب اقتدار معقول بات کا جواب نہیں دے سکتا تو فحش کلامی اور دشنام طرازی کو شیوہ بنالیتا ہے اتہام' افتراء پردازی بے گناہوں کو رسوا اور پاکیزہ لوگوں کو پریشان کرنا اپنا مقصد حیات بنالیتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ سے کسی موقع پر نہیں سنا گیا کہ انہوں نے کسی کافر یا مشرک کو گالی دی ہو۔ مجرم اگرچہ طاقت اور مال رکھتے ہوں مگر مدلل اور منطقی بات کے سامنے زبوں حال ہوتے ہیں اور بات کرنے کی صاحیت نہیں رکھتے۔ اس عدالت نے یزید کو نابود ابدی اور ننگ جاودانی' اس کے نظریہ کا باطل اور اس کے آباؤ اجداد کو جھوٹا قرار دیا اور زینبؑ اس عدالت سے کامیاب و کامران نکلیں۔ حسینؑ فاتح ہوئے۔ پدر حسینؑ کامیاب ہوئے۔ حسینؑ کا نظریہ کامیاب قرار پایا زنیبؑ نے ثابت کر دیا کہ سفر اسارت سفر شہادت کو دوام بخشتا ہے اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ سفر شہادت میں کس لیے زنیبؑ کو ساتھ لائے تھے اور کسی وجہ سے حسینؑ نے شہادت کو اختیار کیا اور زینبؑ نے اسیری کے جامئہ افتخار کا انتخاب کیوں کیا۔ اگر زینبؑ راہ شہادت اختیار کر کے شہید ہو جاتیں اور یہ سفر اسیری نہ ہوتا تو یزید کے محاسبہ کی یہ عدالت تشکیل نہ پاسکتی اور شہادت حسینؑ کو ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا۔

یزید کی بیوی کا دربار میں آنا

یزید بزم سجائے بیٹھا تھا تا کہ فتح مندی کا جشن منائے اپنی کامیابی کا اعلان کرے اور خاندان نبوت کو بزعم خود رسوا کرے۔ مگر ایسا نہ کر سکا بلکہ اس کی مجلس بزم اس کے لئے محاسبہ کی عدالت بن گئی اور فیصلہ اس کے خلاف صادر ہوا۔ اس کی فتح مندی شکست میں بدل گئی۔ جیت اس کی شکست میں تبدیل ہوگئی۔ خاندان وحی کے رسوا ہونے کی بجائے یزید خود ذلیل و خوار ہو گیا سچ ہے حق ہر جگہ کامیاب ہے۔ مظلوم کی آہ ظالم کی قوت و طاقت سے قوی تر ہے۔ اس عوامی عدالت محاسبہ میں سب سے پہلا فیصلہ جو یزید کے خلاف صادر ہوا اور وہ اس کی زوجہ ''ہندہ'' کی طرف سے تھا جو اس کاروائیوں کی ناظر اور ہونے والے واقعات کی شاہد تھی اس نے ساری کاروائی سنی اور اچانک مجلس یزید میں آ کر اپنے شوہر سے پوچھا! یہ سر حسینؑ فرزند فاطمہؑ بنت رسولؐ خدا کا ہے؟ یزید نے کہا ہاں تو جا کر گریہ وزاری کر اور ماتمی لباس پہن لے ہندہ روتی ہوئی محفل یزید سے باہر نکلی۔ یہ بھی حضرت زینبؑ کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ تھا۔ اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک شخص نے جو بزم میں موجود تھا یزید کی طرف رخ کیا اور کہا۔ یزید روز قیامت جب تو آئے تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور یہ سر حسینؑ بھی آئے گا تو اس کے شفیع رسولؐ خداؐ ہوں گے۔ ابن زیاد کے علاوہ بھی یزید کے شفیع ہیں مثلاً اس کا باپ

معاویہ، دادا ابوسفیان اور کچھ دیگر حضرات! جن دوسرے لوگوں نے یزید کے خلاف فیصلہ دیا وہ اس وقت کے مسلمان، اہل شام جو سارے کے سارے مسلمان نہ تھے۔ جہان بشریت کے آنے والے افراد اور فرشتگان آسمان تھے۔ یہ تو یزید کا فوری محاسبہ تھا اور اس کا بڑا محاسبہ آئندہ ہونے والا تھا جس کی خبر جناب زینبؑ نے دی تھی اور وہ ایسی عدالت میں کہ جس کا قاضی خداوند تعالیٰ اور یزید کے دشمن رسول خداؐ اور گواہ یزید کے اعضاء و جوارح اور فرشتے ہوں گے جو خداوند عالم کی طرف سے بندوں کی رفتار و کردار کے ناظر و شاہد ہیں وہ یزید کے کردار کی ایسی فائل پیش کریں گے کہ جس میں کسی چیز کا بھول جانا ناممکن ہے اور سب سے بالاتر گواہی تو خداوند تعالیٰ کی ہوگی کہ یزید نے جو کچھ کیا اور جو ہوا وہ اس کے سامنے تھا اور ہوگا۔ یزید نے حکم دیا کہ قیدیوں کو دار الامارہ سے لے جا کر قید خانہ میں ڈال دیا جائے وہ زندان بھی ایک ویرانہ اور خرابہ کی شکل میں تھا جو اپنے باسیوں کو سردی کی ٹھنڈک اور گرمی کی شدت سے نہیں بچا سکتا تھا۔ اس قید خانے میں تھوڑی مدت کے بعد ہی قیدیوں کے چہروں کا پوست چیخ گیا۔ موسم کی تپش نے دلوں کی آتش کو اور زیادہ کر دیا یہ یزید کی طرف سے مہمان قیدیوں کی میزبانی تھی اور اس سے پہلے کوفی مہمان شہیدوں کی میزبانی کر چکے تھے۔ یعنی اسراء اور شہداء مہمان، اور شامی و کوفی میزبان مگر کیسی میزبانی!!

اسیری جناب زینب سلام اللہ علیہا اور شہادت امام حسینؑ آپس میں مربوط ہیں

اسارت شہادت کا تعارف کراتی اور اسے شہرت دیتی ہے تاکہ شہید گم نام نہ رہ جائے۔

امام زین العابدینؑ کا خطاب

یزید کی فتح کی محفل نے اس کا مقصد پورا نہ کیا بلکہ اس کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔ کہیں شکست کی مشکل ہے تو کہیں ذلت و خواری کی۔ کہیں احساس ندامت کی مشکل ہے تو کہیں لوگوں کی نفرت ونفرین کی۔ اس محفل کی خبر جب شام میں نشر ہوئی تو اس کا شدید ردعمل ہوا۔ اہل شام خاندان ابوسفیان کے علاوہ کسی کو پیغمبر خداؐ کے قریبی اور اہل بیت نہیں سمجھتے تھے حکومت شام کی پروپیگنڈہ اور جاسوس مشینری نے اولاد ابوسفیان کا خاندان پیغمبرؐ کی حیثیت سے تعارف کرا رکھا تھا اور اہل شام ان کو آل محمدؐ سمجھتے تھے اب جو شامیوں نے سنا کہ محمدؐ کی اولاد تو سفیانیوں کے علاوہ ہے جن میں بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی۔ پیغمبرؐ کا بیٹا تو یزید کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اور ان کی بیٹی قید کر کے شام لائی گئی ہے تو ان تنخواہ خوار ضمیر فروشوں اور پروپیگنڈا کرنے والوں کی سازش خود یزید کے ہاتھوں فاش ہوئی اور یزید اس ناکامی کی سوچ میں پڑ گیا۔ یذید کے چاپلوس وزیرٔ بے وقعت اور بے وفا مشیر جو اس ظالم کے مددگار بھی تھے مل بیٹھے اور سوچنے لگے اور آخر کار ان کو ایک تدبیر سوجھی کہ جس سے وہ لوگوں کو فریب دے سکیں اور شہداء و اسراء کو بدنام کر کے یزید اور

سفیانیوں کو نیک نام ظاہر کر سکیں چنانچہ انہوں نے لوگوں کو جامع مسجد دمشق میں جمع ہونے کی دعوت دی اور ایک چاپلوس اور بے دین خطیب مہیا کیا تا کہ وہ منبر پر جا کر یزید و یزیدیوں کی تعریف کرے اور حسینؑ وحسینیوں کی مذمت۔ یزید اور اس کے اجداد کی شخصیتوں کا بت بنائے تا کہ لوگ اس کی پرستش کریں اور حسینؑ اور راہ حسینؑ سے منہ پھرلیں۔ جھوٹی اور فریب کار حکومتیں دین و دیانت اور کبھی پارٹی اور نظریہ کے نام پر ایسا کرتی ہی رہتی ہیں ان کا یہی کام ہوتا ہے کہ حق گو زبانوں کو بند کر دیتی ہیں اور کچھ جھوٹے زبانوں کو خرید لیتی ہیں حقیقت رقم قلموں کو توڑ دیتی ہیں اور کچھ خیانت کار قلموں کو خرید لیتی ہیں وہ دشنام طرازی' اتہام زنی اور افتراء پردازی کا پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ جمعہ کا دن تھا عمومی چھٹی تھی۔ مسجد جلد ہی لوگوں سے بھر گئی۔ یزید اور اس کے ہمنوا بھی آ گئے۔ ضمیر فروش اور بے دین خطیب منبر پر جا بیٹھا اور خانہ خدا شیطان کا اڈا بن گیا۔ یادگار امام حسینؑ امام علی زین العابدینؑ کو جو ظلم بیداری گرمی کی قوتوں کے ہاتھوں قید تھے بھی اس مجلس میں شریک ہو گئے۔ ضمیر فروش خطیب نے جوش سخن دکھایا اور جو یزید چاہتا تھا

اس نے حسینؑ اور ان کے والد بزرگوار کو برا بھلا کہا البتہ اس سب وشتم میں آگے بڑھا کیونکہ اسے عمومی مخالفت کا خوف تھا اس نے خاندان حسینؑ کو برا کہنے کی بجائے یزید اور اس کے باپ کی مدح و ستائش کی ان دونوں کی صفات حسنہ کا تذکرہ کیا اس نے بیان جاری رکھتے ہوئے معاویہ کی تعریف

کی۔ یزید کی مدح کی۔ باپ کی ثنا اور بیٹے کی توصیف کی کبھی دونوں کا ذکر خیر کبھی ایک کا' لوگ ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے یزیدیوں کی خواہش کے مطابق خطیب بیان کیے جارہا تھا اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ یزیدیوں کے دل کی آواز تھی کہ اچانک ایک آواز مسجد میں گونجی۔ لوگوں کا سکوت ٹوٹا اور اس آواز نے خطیب کی بات کاٹتے ہوئے لوگوں کے درمیان حرکت پیدا کر دی یہ آواز حسینؑ کے بیٹے۔ قیدی امامؑ کی تھی جو کہہ رہے تھے۔ اے خطیب تجھ پر افسوس ہے۔ تو مخلوق کی خوشنودی خالق کی ناراضگی کے ذریعہ خریدنا چاہتا ہے؟ تو پھر اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار دیکھ لے! خطیب ذلیل ہو کر رہ گیا اس کا دم گھٹ گیا پھر کوئی بات نہ کہہ سکا اور منبر سے اتر آیا۔ لوگوں کا شور بلند ہوا۔ ہر شخص بول رہا تھا۔ بہت سارے حقیقت نا آشنا لوگوں کے لیے حقیقت تک رسائی مشکل ہو گئی تھی کہ یکا یک لوگوں پر حیرت آمیز سکوت چھا گیا۔ سب لوگ چپ ہو گئے کہ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ جب پوری محفل پر خاموشی طاری ہو گئی اور لوگ قیدی امامؑ اور یزید کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے سنا کہ امامؑ یزید سے کہہ رہے ہیں یزید اجازت ہے کہ میں بھی اس منبر پر جا کر ایسی بات کروں جس میں خدا کی خوشنودی اور مخلوق خدا کے لیے اجر و ثواب ہو!؟ یزید نے اجازت نہ دی وہ قیدی امامؑ کو جانتا تھا اسے اچھی طرح معلوم تھا یہ حسینؑ کے بیٹے اور علیؑ کے لخت جگر ہیں۔ یزید کے امامؑ کو اجازت نہ دینے نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ امامؑ کی خواہش کی تائید کریں اور یزید سے

مطالبہ کریں کہ امامؑ کی یہ خواہش پوری کرے۔ یزید نے جواب دیا: اگر یہ قیدی منبر پر بیٹھ گیا تو مجھے اور میرے خاندان کو رسوا کئے بغیر یہ منبر سے نیچے نہیں آئے گا۔ مگر لوگوں نے یزید کا یہ عذر نہ مانا اور کہنے لگے۔ یہ قیدی جوان بیچارہ کیا طاقت سخن رکھتا ہے کہ ایسا کر سکے۔ یزید کہنے لگا تم اسے نہیں جانتے میں پہچانتا ہوں یہ بچپنے سے علم و دانش میں پلے ہیں۔ یزید کے اس اصرار نے لوگوں کی حس و تجسس کو اور برانگیختہ کر دیا اور ان میں قیدی امامؑ کی باتیں سننے کا شدید شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ لوگوں نے بھی اصرار شروع کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یزید لوگوں کی درخواست و تقاضا کے سامنے مزید نہ ٹھہر سکا آخر کار اسے لوگوں کی بات ماننا پڑی۔ قیدی امامؑ منبر پر تشریف لے گئے اور یوں گفتگو کی ابتدا فرمائی۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لائق ہے جو ازلی ہے اس کی ابتداء نہیں ہے اور ابدی ہے اس کی انتہا نہیں' سب سے پہلے تھا اور سب کے بعد ہو گا۔ مخلوق کی فناء کے بعد وہ رہے گا اور بس پھر آپؑ نے فرمایا لوگو! خدا نے ہمیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ حلم و بردباری' سخاوت و جوانمردی فصاحت و سخنوری' شجاعت و دلیری' خدا نے اہل ایمان کے دلوں کو ہماری مہر و محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ لوگو! رسول خداؐ ہمارے خاندان سے ہیں۔ ان کا جانشین ہمارے خاندان سے ہے حمزہ سید الشہداءؑ ہمارے خاندان سے ہیں۔ جعفر طیار بھی ہمارے خاندان سے ہیں۔ جوانان جنت کے دو سردار ہمارے

خاندان سے ہیں اس امت کے امام قائم ہمارے خاندان سے ہیں۔ لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے پہچان لے اور جو مجھے نہیں جانتا میں اس سے اپنا تعارف کراتا ہوں۔ اپنا حسب ونسب اس کو بتاتا ہوں۔ میں مکہ ومنیٰ کا بیٹا ہوں۔ میں زمزم وصفا کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر اسود کو اپنی عباء میں ڈال کر خانہ کعبہ میں رکھا۔ میں ان لوگوں میں سے افضل ترین کا بیٹا ہوں جنہوں نے اب تک احرام پہنا ہے حج کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو رات کے وقت مکہ سے مسجد اقصیٰ تک گیا۔ معراج پر جا کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا اور خدا کے مقرب ترین بندوں میں سے تھا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ میں محمد مصطفیٰؐ کا بیٹا ہوں۔ میں خدیجۃ الکبریٰؑ کا بیٹا ہوں۔ میں علی مرتضیٰؑ کا بیٹا ہوں میں فاطمۃ الزہراؑ کا بیٹا ہوں۔ میں سدرۃ المنتہیٰ کا بیٹا ہوں میں طوبیٰ کا بیٹا ہوں۔ میں حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔ قیدی امامؑ کی بات یہاں تک جو پہنچی تو لوگوں کی آنسوؤں اور آہوں بھری فریاد بلند ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ یزید سمجھ گیا اور خوف زدہ ہو کر اس نے مسجد کے موذن کو نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا۔ موذن نے اذان کی آواز بلند کی۔ اللہ اکبر۔ قیدی امامؑ نے کہا۔ خدا ہر چیز سے بزرگتر اور برتر ہے اور ہر ڈرنے والی اور پرہیز کے قابل چیز سے عظیم تر ہے۔ پھر موذن نے کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ. قیدی امامؑ نے کہا میں گواہی

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ موذن نے کہا۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ارسول اللّٰہ۔ اسیر امامؑ نے جو اسی لمحہ کے منتظر تھے اپنا سر ننگا کیا اور پکار کر کہا کہ اے موذن تجھے حق محمدؐ کی قسم ذرا چپ ہو جاؤ موذن رکا تو امامؑ نے یزید کی طرف رخ کر کے پوچھا یزید یہ محمدؐ یہ پیغمبر گرامیؐ میرا جد بزرگوار ہے یا تیرا؟ اگر تو کہے کہ تیرا جد ہے تو سب لوگ جانتے ہیں کہ جھوٹ ہے اور اگر تو کہے کہ میرا جد ہے تو تو نے میرے باپؑ کو کیوں قتل کیا؟ اس کا مال و اسباب کیوں لوٹا۔ اس کی ناموس کو کیوں قید کیا۔ فرزند حسینؑ نے اس موقع پر اپنا گریبان چاک کر دیا اور لوگوں کو خطاب کر کے کہا ساری دنیا میں میرے علاوہ کسی کو جانتے ہو کہ جس کا نانا رسول خداؐ ہو تو پھر یزید نے میرے باباؑ کو کیوں قتل کیا ہمیں کافروں کی طرح کیوں قیدی بنایا۔ پھر یزید سے خطاب کر کے فرمایا تو کہتا ہے محمدؐ خدا کے رسولؐ ہیں اور تو چاہتا ہے کہ رو بقبلہ کھڑے ہو کر نماز جمعہ پڑھے؟ تیرے لئے قیامت و حشر کے دن بربادی ہے جب میرے باباؑ و ناناؐ تیرے دشمن ہوں گے! یزید نے پھر کہا موذن اذان کہو۔

اس مجلس میں ہم قیدی امامؑ سے بہت بڑی قوت و طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں۔ وہ بھی ایسی مجلس جو دشمن کے اختیار اس کے شہر اس کی منشا کے مطابق اور اس کی قوت و طاقت کے اظہار کے لئے برپا کی گئی ہو یکبارگی دگرگوں کر دیا اور دشمن کے ہاتھ سے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ دشمن کو نیست و نابود کرنے کا

بہترین طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اس کو اسی کے ذریعے اسی کی طاقت سے چت کر دیا جائے اس موقع پر معلوم ہوا کہ رزم شہادت میں کون کامیاب ہوا۔ حسینؑ یا یزید۔ تیس سالہ نوجوان قیدی جس کا باپ قتل کر دیا گیا ہو بھائی ذبح کر دیئے گئے ہوں۔ مال واسباب لوٹ لیا گیا ہو کس طاقت سے یہ تاریخی معجزہ اور عظیم ترین تبلیغی شاہکار انجام دیتا ہے وہ کس طرح ان حقائق کو آشکار کرتا ہے۔ جنہیں ایک طویل مدت سے بڑی طاقتوں نے زور کے ذریعہ سے اپنے لوگوں سے چھپا رکھا تھا اور کیسے تاریکی کو روشنی بناتا ہے تاکہ مخلوق خدا پر حجت خدا تمام ہو جائے اور لوگ سمجھ لیں کہ راہ حق کون سا ہے اور راہ باطل کون سا۔ راہ حق خوف و ہراس سے طے نہیں کرنا چاہئے اور جو شخص یہ راستہ ڈر سے طے کرتا ہے وہ رہبر نہیں ہوسکتا۔ قربانی راہ خدا طمع زر کے لئے نہ ہو وگرنہ یہ سالک طالب زر اور پیشہ ور بن جائیگا نہ کہ رہبر سالک۔ رہبر صرف وہی ہوتا ہے جو راہ خدا کو خدا کے لئے طے کرے اور بس راہی راہ خدا وہ ہوتا ہے کہ اس کو علم ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ کس کے لئے قدم اٹھا رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ رہبران ملت کو اس طرح رہبری کرنا چاہئے۔ طاقت کے ساتھ رہبری کرنا رہبری نہیں کہلاتا زر کے لالچ سے رہبری رہبری نہیں ہوتی دھوکہ اور فریب سے رہبری کرنا رہبری نہیں ہے۔ جھوٹ اور ریاکاری سے قیادت کرنا قیادت نہیں بلکہ خیانت اور جنایت ہے۔ رہبری کی حقیقت حقائق کو روشن کرنے کا نام ہے اور بس جب انسان کے سامنے حقیقت واضح ہو

جاتی ہے تو وہ اپنے اختیار سے حق کے پیچھے چلتا ہے۔ بشرطیکہ وہ لالچی اور دل کا کھوٹا نہ ہو۔

یزید نے امام زین العابدینؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا اور جلاد کو بلا کر کہا۔ اس جوان کو محل کے باغ میں لے جا کر قتل کر دے اور وہیں دفن کر دے جلاد یزید کے حکم پر یادگار حسینیؑ قیدی امامؑ کو باغیچہ میں لے گیا اور گڑھا کھودنے لگا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نماز میں مشغول ہو گئے اور اپنے خدا کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے لگے۔ جلاد نے گورکنی سے فارغ ہو کر جب عظیم ترین گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کیا تو اچانک چیخ کر منہ کے بل زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ یزید کا بیٹا خالد یہ منظر دیکھ رہا تھا اس نے باپ کے پاس جا کر جب اس واقعہ کی خبر دی تو یزید نے اس جوان ملکوتی اور انسان آسمانی کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا اور یادگار حسینیؑ نے بشریت کی کامیابی کا کارنامہ انجام دیا۔

سفیر روم کا یزید سے جھگڑا

یزید اپنی محفل نشاط اور بزم شراب نوشی میں شہید راہ خداؑ کے سر کو سامنے رکھوا لیتا اور پھر گستاخی کرنی میں مصروف ہو جاتا قیصر روم کا سفیر اس کی محفل میں شریک تھا اس نے جب سید الشہداء کے سر کو دیکھا تو پوچھا! یہ کس کا سر ہے! یزید نے کہا تو کس لئے پوچھتا ہے؟ تجھے کیا کہ یہ کس کا سر ہے! سفیر کہنے لگا

جب میں اپنے ملک واپس جاؤں گا تو وہاں کے بادشاہ کو انتظار ہوگا میں اسے یہاں کے واقعات وحالات کی رپورٹ پیش کروں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس سر والے شخص کا معلوم کرلوں تا کہ ہمارا بادشاہ تمہاری خوشی و مسرت میں شریک ہو سکے۔ یزید نے کہا یہ سر حسینؑ ابن علیؑ کا ہے سفیر نے پوچھا اس شہید کی والدہ کا کیا نام ہے؟ یزید نے کہا اس کی ماں فاطمہؑ بنت رسول خداؐ ہے۔ سفیر نے کہا یزید صد افسوس تجھ پر اور تیرے دین پر بھی ہمارا دین تمہارے دین سے افضل ہے۔ میرا باپ ننھیال کے لحاظ سے حضرت داؤدؑ پیغمبر خداؐ کی اولاد سے ہے۔ میرے اور داؤدؑ کے درمیان بہت سارے افراد پدری لحاظ سے فاصلہ ہیں۔ مگر مسیحی میرا احترام کرتے ہیں اور میری خاک قدم کو تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔ مگر تم مسلمان اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو ذبح کرتے ہو کیا یہ نمک حرامی قوم عرب کی خصوصیات میں سے ہے؟

فتح کس کی ہوئی؟ بنی ہاشم کی یا بنی امیہ کی؟

مادی نقطۂ نظر سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ معرکۂ کربلا کے نتیجہ میں یزید کی فتح ہوئی اور امام حسینؑ کو مکمل طور پر شکست ہوئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی زبان و لغت میں بھی فتح پانے کے معنی قتل کر دینا اور شکست کھانے کے معنی قتل کر دیا جانا نہیں قرار پا سکتے۔ بلکہ فتح نام ہے کامیابی نام ہے مقصد کے حصول کا اور شکست ناکامی نام ہے مقصد کے ہاتھ نہ آنے کا۔ لہٰذا معرکہ کربلا کے نتیجہ

کے متعلق کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لیے طرفین کے مقاصد کو سمجھنا بہر حال ضروری ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ یزید سے امام حسینؑ کو ذاتی اور شخصی اغراض کی بناء پر مخالفت نہ تھی اگر بحیثیت ایک متنفس کے حسینؑ بس زندگانی دنیا ہی کے خواہاں ہوتے اور یزید آپ کی دنیوی سیاست سے علیحدگی کو اپنے اقتدار سلطنت کے قائم رہنے کے لیے کافی سمجھتا تو عملی حیثیت سے کسی تصادم کا امکان ہی نہ ہوتا۔

مگر وہاں صورت حال یہ تھی کہ یزید مسلمانوں کے سروں پر بحیثیت ایک خود سر اور مطلق العنان فرمانروا کے مسلط ہونے کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی نیابت کا دعویٰ دار تھا اور حسینؑ کے خاموشی کے ساتھ بیعت سے علیحدہ رہنے کو بھی وہ اپنے مقصد میں مزاحمت سمجھتا تھا۔ وہ اسلام سے مادہ پرستی کو پلٹانے کے لئے عملی طور سے کوشاں تھا اور حسینؑ روحانیت اور خدا پرستی کو قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ وہ جبر وظلم اور استبداد کا سکہ چلانے کے درپے تھا اور حسینؑ حق و راستی کا علم بلند کرنے پر مامور تھے۔ وہ اسلامی حدود و امتیازات مٹانے پر تلا ہوا تھا اور حسینؑ اسلامی خصوصیات کو باقی رکھنے کے فریضہ پر متعین تھے چنانچہ یزید نے معرکہ کربلا کے مقاصد کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے اصلی نقطہ نظر کو بے نقاب کر دیا یہ کہہ کر کہ حسینؑ نے لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کر کے ہماری بلند عمارتوں اور آرائش و آسائش کے سامانوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ اس لیے ہمیں اپنے اقتدار اور دولت کو قائم

رکھنے کے لیے جنگ کرنا پڑی اور حسینؑ نے اپنے قیام کی نوعیت کو مندرجہ ذیل اشعار میں واضح فرمایا ہے جو ابن خشاب نے نقل کیے ہیں۔

یعنی اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ یزید کے پاس ہے وہ سب کا سب دوسروں کا ہے۔خود اس کو اس پر تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔اگر وہ خیانت کرنے والا نفس انصاف سے کام لیتا تو اپنی رفتار بدل دیتا اور شرارت میں کمی کرتا۔

حسینؑ کا یہی نظریہ وہ تھا جس کا پھیلنا اور دوسروں کے دماغوں اور پھر زبانوں تک پہنچنا یزید کی تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ استبدادی طاقت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ افراد قوم کی قوت احساس اور جرأت اظہار کو ختم کی جائے۔

چنانچہ حکومت شام کی طرف سے ایسی ہی تدبیریں کی گئیں کہ عوام نے یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ حکومت جائز ہے یا ناجائز اور اگر کوئی سوچتا اور سمجھ بھی لیتا تو اس میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ وہ اپنے خیالات کا آزادی کے ساتھ اظہار کر سکتا۔

اس کے بالکل برخلاف امام حسینؑ کا مقصد یہ تھا کہ جمہور مسلمین میں قوت احساس اور جرات اظہار کی صفتیں جو مفقود ہو گئی تھیں پھر سے پیدا ہو جائیں۔

حسینؑ اپنے بلند کردار سے ایک عام بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے۔جس کے ماتحت صرف طاقت واقتدار کو حق نہ سمجھا جائے بلکہ اصل حق کو حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی طاقت پیدا ہو۔ظاہر ہے کہ عام خیالات جس سطح پر قائم ہو جاتے ہیں اس سے اس وقت تک نہیں ہٹتے جب تک کہ دماغ میں ہلچل

ڈالنے والا کوئی اہم واقعہ پیش نہ آتا۔

چنانچہ ۶۰ھ میں حکومت شام کے قبیح و مذموم افعال عام طور پر مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر بھی ان پر ایک عام بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ امام حسینؑ کا ساتھ دینے والے بھی تعداد میں بہت کم تھے۔

لہٰذا فطری حیثیت سے ضرورت تھی کسی ایسے غیر معمولی واقعہ کی جو عام مخلوق کی قوت احساس کو بیدار کردے۔ چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت نے اسی مقصد کو حاصل کیا۔

اسی کے ساتھ آپ کی عملی حیثیت سے نہایت شاندار قیام کی مثال نے ان میں پھر سے جرات اظہار پیدا کردی۔ بات یہ ہے کہ عام طور پر جب تک انسان میدان عمل میں کوئی صریحی مثال نہیں دیکھ لیتا ہے۔ اس وقت تک ہچکچاتا رہتا ہے لیکن مثال سامنے آجانے پر وہ خود بھی سرگرم عمل ہونے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

میدان کربلا میں نہ صرف حسینؑ ہی کو بلکہ بوڑھوں' جوانوں اور بچوں تک کو نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ اپنی اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھنے یا کانوں سے سن لینے والوں کے نزدیک راہ حق میں موت کا مرحلہ پہلے سے بہت زیادہ آسان ہوگیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ایک جابر و ظالم حکومت کی طرف سے عوام پر اس پابندی کا عائد کیا جانا کہ اس کے طرز عمل کے خلاف آواز بلند نہ کی جائے زیادہ تر جبر و

تشدد کی بناء پر ہوتا ہے۔ لیکن یہی ظلم وتشدد جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اسی دبی اور پسی ہوئی مخلوق کی آواز ایک بے اختیار چیخ کے طور پر بلند ہوتی ہے جو آگے چل کر کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

یزیدی حکومت جو حسینؑ پر ظلم وستم ڈھا رہی تھی وہ اسی غرض سے کہ آپ کے بظاہر عبرتناک انجام کو دیکھ کر پھر کسی کو ذرا بھی مخالفت کی جرات نہ ہو اور امام حسینؑ اس کے تمام مظالم صبر وسکون کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔

حکومت شام اپنے ذوق ستم کے سبب سے یہ تمیز نہ کر سکی کہ ظلم و جور کو کس حد تک جبر کے دباؤ سے خلقت برداشت کرنے پر تیار کی جاسکتی ہے اور کسی نقطہ تک پہنچ کر بظاہر وہ احساسات بھی پھریری لے کر چونک پڑتے ہیں اور شکنجہ ظلم میں گرفتار اور بظاہر بے بس خلق خدا اس شدت سے پھڑپھڑاتی ہے کہ خود شکنجہ ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام حسینؑ یہ اعتماد کامل رکھتے تھے کہ آپ حقانیت کے تحفظ میں مصائب کا وہ غیر معمولی مقابلہ کر سکیں گے کہ خود ظلم وتشدد کے دست و بازو آپ کی قوت برداشت کے مقابلہ میں معطل و عاجز نظر آنے لگیں گے۔

حکومت کو توقع تو یہ تھی اور مظالم ڈھائے اسی لئے جاتے ہیں کہ دوسرے عبرت حاصل کر کے اس کے بعد ایسی جرات نہ کریں گے اور حکومت کے منشاء کے خلاف طرز عمل اختیار کرنے کا یہ دردناک انجام دیکھ کر کسی میں لب کشائی کی ہمت نہ ہوگی۔ اسی خیال کے تحت پسماندگان حسینؑ کا لٹا ہوا قافلہ

بحال تباہ شہر بشہر اور دیار بدیار تشہیر کیا گیا تھا۔ مگر اوراق تاریخ گواہ ہیں کہ نتیجہ بالکل یزید کی توقع کے خلاف ظاہر ہوا جس کے آثار عین موقع جنگ ہی پر حر بن یزید ریاحی کے لشکر شام سے جدا ہو جانے ہی سے نظر آنے لگے تھے۔

اور پھر شہادت حسینؑ کے بعد تیسرے ہی دن جب دربار ابن زیاد میں سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی جا رہی تھی تو بوڑھے صحابی زید بن ارقم نے سر دربار کھڑے ہو کر صدائے احتجاج بلند کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ کربلا کے واقعہ سے حق گوئی کی جرات کم نہیں ہوئی بلکہ زیادہ ہو گئی پھر جب دمشق کی جامع مسجد میں لوگ جمع کیے گئے اعلان فتح سننے کے لئے باوجودیکہ وفاداروں کا خالص اجتماع تھا پھر بھی حسینؑ اور آپ کے والد بزرگوار علی بن ابی طالبؑ کا نام بے ادبی کے ساتھ آنا تھا کہ دفعتاً مسجد کی خاموش فضا میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی اور بوڑھے نابینا صحابی عبداللہ بن عفیف نے اس بے جگری کے ساتھ ابن زیاد کو ٹوکا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔

اسی طرح یزید نے اپنے دربار میں جب چوب خیزران سے سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی تو ابو برزہ اسلمی اور نیز سفیر بادشاہ روم نے جو عیسائی تھا اس کے منہ پر اس کو بہت کچھ سخت وسست کہا۔

یہ تھی حسینی فتح کہ باطل کے خلاف احتجاج ہونے لگا اور مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اپنے میں جرات اظہار محسوس کرنے لگے تھے۔

معرکۂ کربلا سے پہلے کس کی مجال تھی کہ یزید کے دربار میں امام حسین علیہ

السلام کے نام عزت کے ساتھ لے سکے لیکن پس ماندگان حسینؑ کے قیدیوں کی صورت میں اس کے سامنے پیش کئے جانے کے بعد اس کے منہ پر حسین علیہ السلام کی تعریفیں ہوتی تھیں اور اس کو خاموشی کے ساتھ سننا پڑتا تھا۔

ان تمام اسباب وواقعات کے بعد نتیجہ کے لحاظ سے یہ ماننا لازمی ہے کہ حسین علیہ السلام جو بنی ہاشم کے فرد اکمل تھے اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے لہٰذا وہ فاتح تھے اور یزید جو کہ بنی امیہ کا روح رواں تھا اپنے مقصد میں ناکام ہوا لہٰذا وہ یقیناً مفتوح تھا۔

ملٹی میڈیا ڈاٹ کام
مرکزی ویب سائٹ آف عزاداری، پاکستان
شیعہ ملٹی میڈیا

فہرست مآخذ

قرآن
تفسیر کبیر
نہج البلاغہ
اصول کافی
صحیح بخاری
صحیح مسلم
سنن ابن ماجہ
تطہیر الجنان
لغت مہند
چودہ ستارے
منتہی الآمال
عظمت حسینؑ
تاریخ اسلام (اکبر نجیب آبادی)
تاریخ اسلام (مولانا علی نقی)
تاریخ ابوالفدا
شہید انسانیت
تاریخ اعثم کوفی
ارجح المطالب
اعلام الوریٰ
غرائب القرآن
حدیقہ سلطانیہ
سیرۃ ابن ہشام
مدراج النبوت
تاریخ ابن خلدون
اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ
طبقات ابن سعد
تاریخ کامل
پیشوائے شہیداں
اعیان الشیعہ
مقاتل الطالبین
مسلمانان عالم
طبری
الامالی صدوق
نہج الدعوات
مستدرک حاکم
مروج الذہب
ارشاد شیخ مفید
سیرۃ النبیؐ (شبلی نعمانی)
تذکرۃ الخواص
صواعق محرقہ
فردوس الاخبار دیلمی
کامل ابن اثیر
مسند احمد حنبل
معارف ابن قتیبہ
استیعاب
تاریخ الخلفاء
اخبار الطوال
اسد الغابہ
کتاب البلدان
الوزراء والکتاب
اصابہ
کنز العمال
حیوٰۃ الحیوان
تاریخ ابن الفوطی
غرائب القرآن
نہج الدعوات

شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ کتب ڈاونلوڈ کرنے کے لیے

www.ShiaMultimedia.com

الحاج مولانا محمد ایوب بشوی صاحب ایم اے کی تالیفات و تصنیفات

☆ معرفت اہلبیت علیہم السلام
☆ عظمت حسین علیہ السلام
☆ تفسیر سورہ الحمد
☆ مسائل روزہ اور اعتکاف
☆ تزکیۂ نفس
☆ اسلام میں پردے کی اہمیت
☆ احکام وراثت
☆ تزکرۃ المعصومینؑ
☆ شجرۂ طیبہ چہاردہ معصومینؑ
☆ درس انسانیت اقوال مولا علیؑ
☆ توحید اور شرک
☆ خلاصۃ المسائل
☆ دس بڑے گناہ
☆ حقوق والدین
☆ جنت کا راستہ
☆ صراطِ مستقیم
☆ خمس قرآن اور حدیث کی روشنی میں
☆ حدیث کساء، دعائے توسل،
نادعلی کبیر و صغیر (باترجمہ)
☆ اہلبیتؑ صحابہ کی نظر میں (دوجلدیں)
☆ معجزات اہلبیتؑ (دوجلدیں)
☆ شوہر اور بیوی کے فرائض
☆ اہمیت نماز جمعہ
☆ زیارت عاشورہ و آئمہ و دعائے مشلول
☆ بندۂ بے مثال (حضرت علیؑ)
☆ شیعہ نماز
☆ عقیدہ اور عمل
☆ واقعۂ کربلا
☆ قضاوت علیؑ

☆ مشکل کشا کے فیصلے
☆ مجمع المصائب
☆ تاریخ بنی ہاشم و بنی امیہ
☆ مقام علیؑ خدا کی نگاہ میں
☆ مقام علیؑ رسول کی نگاہ میں
☆ اہمیت جماعت و مومن
☆ اصلاح معاشرہ
☆ مجرب تعویذات و عمل
☆ زکوۃ قرآن و حدیث کی روشنی میں
☆ موت کیا ہے؟
☆ سیرت چہاردہ معصومینؑ (چودہ جلد)
☆ اہلبیتؑ مدینہ تا مدینہ (دوجلدیں)
☆ آسان حج
☆ نور اخلاق (اوّل، دوم)
(مؤلف مولانا غلام رضا شہید)

☆ جزاء و سزا
مؤلف: فقیہ عالیقدر شیخ صدوق علیہ الرحمہ
مترجم: مولانا محمد یعقوب بشوی فاضل قم
☆ شمالی علاقہ جات قرآن و حدیث کی نگاہ میں
تحقیق مولانا محمد یعقوب بشوی فاضل قم
☆ انسان اور دین
محقق مولانا محمد یعقوب بشوی فاضل قم
☆ ثمرات الحیاۃ دوجلدیں
(مترجم) مولانا محمد یعقوب بشوی فاضل قم
☆ توضیح المسائل: حضرت آیت العظمٰی سید علی خامنہ ای
☆ مجموعۂ مصائب (شیخ جعفر شستری)
و بہترین احادیث (شیخ عباس ایمانی قمی)
مترجم: آغا مظاہر حسین الموسوی

ناشر: مؤسسۃ الاسلامیہ و ثاقب پبلیکیشنز لاہور پاکستان